سید مرتضیٰ بلگرامی زبیدی
حیات اور علمی کارنامے
مصنفہ
ڈاکٹر خالدہ نکہت رضوی۔ الہ آبادی

# علامہ سید مرتضیٰ بلگرامی زبیدی

## حیات اور علمی کارنامے

ڈاکٹر رخسانہ نکہت لاری (ام ہانی)

# علامہ سید مرتضیٰ بلگرامی زبیدی

## حیات اور علمی کارنامے


مصنفہ :- ڈاکٹر رخسانہ نکہت لاری (ام ہانی)

پتہ :- مقبول لاری منزل سٹی اسٹیشن لکھنؤ

ناشر :- آل انڈیا میر اکادمی لکھنؤ

کتابت :- حافظ عبد المغنی و رضوان احمد لکھنؤ

طباعت اے ون آفسیٹ پرنٹرز، کوچہ چیلان دہلی

طبع اول :- ۱۹۹۰ء - (پانچ سو)

قیمت :- دو سو پچاس روپئے

--: ملنے کے پتے :--

★ دانش محل امین الدولہ پارک امین آباد لکھنؤ

★ نصرت بک ڈپو حیدری مارکیٹ امین آباد لکھنؤ

★ ارم پبلیکیشنز قصر قمر بارہ دری مراد آباد

● آل انڈیا میر اکادمی، مقبول لاری منزل سٹی اسٹیشن لکھنؤ

(ترتیب مضامین) صفحات

## یہ تصنیف

ڈاکٹر محمد یونس نگرامی ریڈر شعبۂ عربی لکھنؤ یونیورسٹی کی
زیرنگرانی لکھے گئے اس مقالے پر مبنی ہے جس پر مصنف کو
لکھنؤ یونیورسٹی نے
پی ایچ ڈی (عربی) کی
سند تفویض کی ہے

# تعارف

از

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی مدظلہا العالی

و

پروفیسر محمد راشد ندوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ و الصلاۃ و السلام علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

معاجم (کتب لغت DICTIONARIES) کی ترتیب و تدوین، زبان کی اشاعت و حفاظت اور اس زبان میں تحریر و تقریر اور تصنیف و تحقیق کا قدرتی و طبعی تقاضا ہے، اور اس سے کسی زبان و ادب میں بھی صرفِ نظر نہیں کیا جا سکتا، اس لئے دنیا کی ہر علمی و ترقی یافتہ زبان معاجم اور کتب لغت کا ایک ذخیرہ رکھتی ہے، اور یہ تقریباً تمام دنیا کی زبانوں کا قدر مشترک اور قابلِ فخر سرمایہ ہے۔

لیکن عربی زبان کو آخری کتاب الٰہی (قرآن مجید) کے اس میں نازل ہونے اور اللہ کے آخری نبیؐ کی زبان ہونے، حدیث نبوی اور شریعت اسلامی کے اولین سرمایہ اور مآخذ کی اسی زبان میں ہونے کی وجہ سے اس زبان کے محفوظ رکھنے، اس کی نوک پلک سے واقف ہونے، صحیح اور غلط میں تمیز کرنے، اور کلمات کے اسرار و معانی اور ان کی وسعت و عمق سے واقف ہونے کی جیسی ضرورت پیش آئی، اور اس سے جتنا اعتنا کیا گیا، قدرتاً اس کی مثال کسی دوسری زبان میں نہیں مل سکتی، عربی زبان میں ایسے معاجم اور کتب لغت کی ترتیب عمل میں آئی، جن کی مثال دنیا کی کسی دوسری ترقی یافتہ زبان میں ملنی مشکل ہے۔ اجمالاً یہاں پر صرف ابن منظور کی "لسان العرب" اور ابن سیدہ کے "مخصص" کا نام لینا کافی ہوگا، جو ایک سادہ معجم و لغت سے زیادہ، ایک دائرۃ المعارف مصر سوعہ (انسائیکلوپیڈیا) کی حیثیت رکھتی ہیں اور ان میں زبان کی وہ باریکیاں اور زبان کی وہ مدارج دانی نظر

آتی ہے کہ زبان بھی ایک زندہ ہستی کی طرح اور بعض اوقات اس سے زائد خاص مزاج اور اس کے مفردات وکلمات، خاص درجۂ حرارت و برودت، وسعت و محدودیت اور طاقت وضعف رکھتے ہیں، جس کی مثال مشکل سے ملے گی' جہاں تک عربی زبان کا تعلق ہے ان دونوں کتابوں سے اس کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ ثعالبی کی فقہ اللغتہ اور ہمدانی کی الالفاظ الکتابیۃ کا نام بھی اس مقصد کے لئے لیا جا سکتا ہے،

لیکن ان کتب لغت میں علامہ مجد الدین فیروزآبادی کی کتاب "القاموس" کو جو شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی، اور اس سے ادبی و تصنیفی اور علمی و تدریسی حلقوں میں جو فائدہ اٹھایا گیا وہ کم کسی لغت و معجم کو حاصل ہوا۔ اسی طرح اس کو یہ امتیاز و فخر حاصل ہے کہ اس کی ایسی بسیط شرح لکھی گئی جس کی مثال نہ صرف عربی زبان بلکہ ہمارے علم میں دنیا کی دوسری زبانوں میں بھی ملنی مشکل ہے، ہماری مراد علامہ سید مرتضیٰ بن محمد بلگرامی مشہور بزبیدی (م ۱۲۰۵ھ) کی کتاب "تاج العروس فی شرح القاموس" سے ہے جو محض ایک کتاب نہیں بلکہ لغت کا ایک چھوٹا کتب خانہ ہے۔ اور دس ضخیم جلدوں میں ہے' اس کتاب کو دو علمی و تاریخی امتیاز حاصل ہیں، ایک تو یہ کہ وہ ایک مستند لغت کی بسیط شرح ہے اور کلمات کی تحقیق اور اس سے متعلق مباحث و معلومات کا خزانہ، دوسرے یہ کہ وہ ایک ایسے عالم و محقق کا کارنامہ ہے جس کی مادری زبان عربی نہ تھی' اور نہ اس کے ملک میں وہ بول چال اور تبادلۂ خیال کا ذریعہ یا سرکاری و دفتری زبان تھی' اس نے اس کو اپنی محنت اور بلند ہمتی سے حاصل کیا' اور عالم عربی ہی نے نہیں بلکہ ادباء و ماہرین زبان نے اس کی قدر و قیمت کا اعتراف کیا، اور مصنف کی زبان دانی کا لوہا مان لیا، انھیں کے زمانہ میں خلیفہ عثمانی نے اس کی نقل منگوائی' سلطان دارفور نے، بادشاہ مغرب نے اس کی نقلیں حاصل کیں' امیر اللواء محمد بک ابوالذہب نے اس کی ایک نقل حاصل کی' اور اس کے سلسلہ میں ایک ہزار ریال

خرچ کئے، (جو اس زمانہ کے لحاظ سے بہت بڑی رقم تھی) اور اس کو اپنی مسجد کے اس کتب خانہ میں محفوظ کرایا جس کو جامع ازہر کے قریب تعمیر کیا تھا،

ضرورت تھی کہ ہندوستان میں بھی جس کو علامہ سید مرتضیٰ بلگرامی کے وطن ہونے کا شرف حاصل ہے اس خزانۂ علمی پر تحقیقی کام ہو اور اس کو اپنی بحث وتحقیق کا موضوع بنایا جائے، یہ توفیق الٰہی اور عالی ہمتی کی بات ہے، کہ اسی صوبہ کی ایک خاتون نے جس سے مصنف کتاب کا تعلق تھا اس اہم اور نازک موضوع پر قلم اٹھایا اور اس کو لکھنؤ یونیورسٹی میں پی۔ ایچ۔ ڈی کے مقالہ کا موضوع بنایا، میری مراد ڈاکٹر رخسانہ نکہت لاری ام ہانی سے ہے، انھوں نے ہندوستان سے عربی زبان کا تعلق، علمائے ہند کی عربی زبان کی خدمات اور علمی روابط پر روشنی ڈالی ہے، اور کتاب کے علمی وتاریخی پس منظر اور مصنف کے حالات پر بھی مواد فراہم کیا ہے، کتاب سے ان کے وسیع اور گہرے مطالعہ اور ان کے ادبی ولسانی ذوق کا اندازہ ہوتا ہے، جو ہر طرح سے قابلِ مبارکباد اور لائق ستائش ہے، کسی کتاب کے مشتملات اور نتائج تحقیق سے سَو فیصدی متفق ہونا ضروری نہیں، اور یہ کہنا کہ ان میں کسی اضافہ کی گنجائش نہیں، ایسے تبصرہ نگار کے لئے مشکل ہے جس کو پوری کتاب لفظ بلفظ پڑھنے کا موقعہ نہ ملا ہو اور اس نے کتاب کی تلخیص اور اجمالی جائزہ پر اکتفا کیا ہو، پھر بھی اس اہم اور دقیق موضوع پر ایک خاتون کا قلم اٹھانا اور اس کو اپنا موضوع بحث بنانا ایک ایسا اقدام ہے جو ہر طرح تحسین وتہنیت کا مستحق ہے، اللہ تعالیٰ ان کی یہ سعی قبول فرمائے، اور اپنی کتاب اور اپنے محبوب رسول ﷺ کی زبان کی خدمت کے ایک کارنامہ کی خدمت کو قبولیت سے نوازے، وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ

ابو الحسن علی ندوی

ندوۃ العلماء لکھنؤ ۲۰ مئی ۱۹۹۰ء

## (۲)

ہندوستان کی علمی اور ادبی تاریخ ہر زمانہ میں بڑی روشن رہی ہے مختلف موضوعات پر کام کرنے والوں کی تعداد بھی اتنی رہی ہے کہ تذکرہ اور تراجم کی کتابیں ابھی تک پوری طرح سمو نہیں پائی ہیں۔ ان میں سے کچھ ایسی شخصیتیں بھی ہیں جن کے بارے میں مختلف تذکروں اور تراجم میں کافی معلومات موجود ہیں، لیکن مرتب شکل میں نہ ہونے کی وجہ سے ان کی پوری تصویر اجاگر نہیں ہوتی۔ انھیں شخصیتوں میں مرتضیٰ زبیدی بلگرامی کی بھی شخصیت ہے۔ وہ ہندوستان کے روشن باب کی ایک علامت رہے ہیں۔ ان کی عظمت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ہندوستان کے لوگ انھیں ہندوستانی، یمن کے لوگ انھیں یمنی اور مصر کے لوگ انھیں مصری کہتے ہیں اور اس پر فخر بھی کرتے ہیں۔ کسی بڑے انسان کی عظمت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ ہر قوم اسے اپنی طرف منسوب کرتی ہے۔

مرتضیٰ زبیدی بلگرامی نے یمن، حجاز اور مصر کے علماء سے بھرپور استفادہ کرتے ہوئے مختلف موضوعات پر قابل قدر کام کیا ہے۔

القاموس کی شرح جو "تاج العروس" کے نام سے منظر عام پر آئی وہ یقیناً سید مرتضیٰ زبیدی بلگرامی کا عظیم کارنامہ ہے۔

ایک ایسے شخص کا عربی لغت مرتب کرنے کا اقدام جو اصلاً عرب نہ ہو بلا شبہ ایک حیرت انگیز امر ہے۔ جس پر ان کے ہم عصر علماء و اُدبا زبان حال سے کہہ اٹھے: ——— اِنَّ ھٰذَا الشَّیْءُ عَجِیْبٌ۔

لغت کے علاوہ ان کی اور بھی تصانیف تصوف، فقہ اور حدیث کے موضوعات پر ہیں۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ زبیدی کے حالات و واقعات

اور ان کی علمی خدمات کا تنقیدی و علمی جائزہ لیا جائے۔ خوشی کی بات ہے کہ اس بڑے کام کا بیڑا لکھنؤ کی ہونہار خاتون ڈاکٹر رخسانہ نکہت لاری نے اٹھایا۔ یہ کام بڑا مشکل تھا لیکن ایسا لگتا ہے کہ مصنفہ کو زبیدی سے بڑی عقیدت ہے اس لئے انھوں نے اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہونچانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

ڈاکٹر رخسانہ کا ذوق چوں کہ شاعرانہ اور ادیبانہ ہے اس لئے اس بات کا خوف تھا کہ اس خشک موضوع پر کام کرنے سے وہ اکتا نہ جائیں یا پھر اس قسم کا سنجیدہ علمی کام ان کے شاعرانہ ذوق میں اُلجھ کر اپنی اہمیت نہ کھو دے لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا بلکہ انھوں نے جس عزم و حوصلہ سے اس عظیم کام کا بیڑا اٹھایا تھا، اسی عزم و حوصلہ اور سنجیدگی سے اس کو پایۂ تکمیل تک پہونچایا۔ زبیدی کے متعلق یہ کتاب نہ صرف ایک جامع معلومات کا ذخیرہ ہے بلکہ جا بجا مصنفہ کی تنقیدی دسترس اس کی اہمیت کو اور بڑھا دیتی ہے لہذا ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہوں گے کہ انھوں نے اس موضوع پر کام کر کے نہ صرف عربی زبان و ثقافت پر احسان کیا ہے بلکہ اردو زبان و ادب کی بھی بڑی خدمت کی ہے کہ قصبۂ بلگرام جہاں سے زبیدی کا تعلق ہے، اردو زبان و ادب کا گہوارہ رہا ہے اور اس کے ہونہار فرزند کے حیات و کارناموں پر اردو میں ایک دقیع مقالہ پیش کرنا یقیناً اردو کی خدمت ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ کتاب ہندوستانی علماء کے سلسلہ کی اہم کڑی کی حیثیت رکھتی ہے اور اس سے علماء، یونیورسٹی کے اساتذہ اور طلباء استفادہ کر سکتے ہیں۔ اللہ سے دعاء ہے کہ ان کے اس کام کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔

پروفیسر محمد راشد ندوی
صدر شعبۂ عربی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

۲۵/ جون ۱۹۹۰ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# مقدمہ

شکر و احسان ہے اس ذاتِ کریمی کا جس نے انسان کی ہدایت کے لئے حکمت سے بھرپور کتاب نازل فرمائی اور بے شمار صلوٰۃ وسلام اس رہبر کامل پر جس نے اس روشن صحیفۂ الٰہی کو ہم تک سچائی و امانت کے ساتھ پہونچایا۔ آفتاب علم کی ہی ایک شعاع ہے جو مجھ جیسے حقیر و معدوم ذرے کو ضیا پاش کرنے میں معاون ہوئی کہ آج میں عربی ادب کے ایک بلند پایہ متبحر قاموس نگار پر قلم اٹھانے کی جرأت کر سکی ہے

قدرت ہیں کہ ایں قدرت از وست
قدرت خود نعمتِ او داں کہ ہست

مولٰنا رومؒ

۱۹۷۹ء میں لکھنؤ یونیورسٹی سے عربی ادب میں ایم۔ اے کرنے کے بعد مجھے یہ اندازہ ہوا کہ میں نے اس وقت تک عربی زبان و ادب سے متعلق جو بھی چیزیں پڑھی ہیں وہ عربی زبان کی اس طویل تاریخ کا ایک سرسری جائزہ ہی ہیں۔ اس وقت یہ خیال پیدا ہوا کہ عربی زبان و ادب کے کسی ایک خاص گوشہ کا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ کروں۔ یہ خیال آہستہ آہستہ ایک شوق کی صورت میں بدل گیا۔ اور اس شوق کو ہوا دینے میں جس مشفق، مخلص و مقدس ہستی کا ہاتھ سب سے زیادہ تھا وہ میری والدہ محترمہ کا ہے جو ہمیشہ اس چیز کے لئے کوشاں رہیں کہ ان کی اولاد تحصیل علم کو دنیا کی دیگر باتوں پر مقدم رکھے۔ اس کے بعد میرے اندر علم کی قدر و قیمت اور خاص طور

سے عربی زبان وادب کے شوق کا شعور جس عظیم و بزرگ اور محترم ہستی نے پیدا کرایا وہ میرے مشفق استاذ قاری علاءالدین صاحب قاسمی، مہتمم مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنؤ ہیں۔

اس علمی کام کے سلسلے میں میرے سامنے کچھ دشواریاں بھی تھیں کیونکہ تحقیقی کام کے سلسلے میں جد و جہد کے ساتھ ساتھ ذرائع و وسائل کی فراہمی بھی ضروری ہے۔ شوق خواہ کتنا ہی کیوں نہ ہو اس وقت تک پایۂ تکمیل تک نہیں پہونچ سکتا جب تک کہ اسے پورا ہونے کے لئے ہر طرح کے مواقع اور آسانیاں میسر نہ ہوں۔ اور ان ہی باتوں کا میرے پورے تحقیقی کام میں کافی حد تک فقدان رہا۔ کیونکہ میرے والد محترم جناب مقبول احمد لاری کافی اصول پسند طبیعت کے واقع ہوئے ہیں۔ بے پردگی اور آزادروی انھیں قطعی پسند نہیں۔ اور میں بھی اس بات سے متفق ہوں۔ لیکن موجودہ معاشرے میں بغیر گھر سے نکلے تحصیل علم ممکن نہیں۔ چنانچہ اپنے اس تحقیقی کام کے لئے مجھے جب بھی باہر جانا پڑا میرے والد محترم نے ہمیشہ انتظام و اہتمام کے ساتھ ہی مجھے نکلنے دیا۔ اور اگر وہ اس طریقے سے میری معاونت نہ کرتے تو میں اپنے مقالہ کے اتنے بسیط موضوع پر اس قدر گہرا دقیق مطالعہ کرنے سے قاصر رہتی۔

میرے سامنے تاریخ ادب کی مختلف کتابیں تھیں جن کی روشنی میں بہت سے موضوعات نکلتے تھے جو تحقیقی کام کے موضوع بن سکتے تھے میں نے اپنے شوق کا اظہار لکھنؤ یونیورسٹی کے صدر شعبۂ عربی کے پروفیسر محمد رضوان علوی صاحب سے کیا جو یونیورسٹی میں اپنے اخلاق عالیہ اور طلبہ کے ساتھ ہمدردی اور شفقت میں ضرب المثل ہیں موصوف نے میرے شوق کا خیر مقدم کیا۔ ان کے سامنے میں نے بہت سے موضوعات رکھے اور اس سلسلے میں ان کے ساتھ غور و خوض بھی کیا۔ انھوں نے اپنے شعبہ کے ایک عزیز ساتھی ڈاکٹر محمد یونس نگرامی ندوی صاحب ریڈر شعبۂ عربی لکھنؤ یونیورسٹی کو میرے تحقیقی کام کے لئے نگراں منتخب کیا۔ ڈاکٹر یونس نگرامی صاحب جو شعبۂ عربی کے لائق استاذ ہیں اور جدید عربی ادب و زبان سے واقفیت کے ساتھ ساتھ ہندوستان میں عربی زبان وادب کے مختلف مراحل میں جو ارتقاء ہوا اس پر بھی ان کی گہری نظر ہے انھوں نے

کافی غور کرنے کے بعد میرے لئے ہندوستان کی ایک عظیم شخصیت کے حالاتِ زندگی اور ان کے علمی کارناموں پر تحقیق کرنے کا کام تجویز کیا۔ یہ وہ شخصیت تھی جس کے علم و ادب کا اعتراف ہندوستان کے اہلِ علم نے تو کیا ہی اس کے ساتھ ساتھ ان کے زمانہ کے عرب علماء اور محققین نے بھی ان کے علمی اور تحقیقی کاموں کو سراہا اور خراج تحسین پیش کیا۔ وہ شخصیت علامہ سیّد مرتضیٰ بلگرامی زبیدی کے نام سے مشہور ہے۔

یہ موضوع اس لحاظ سے بڑا اہم اور دلچسپ تھا کہ اس میں ہندوستان کی اس عظیم شخصیت کا تعارف کرایا گیا اور ان کے علمی کارناموں کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ لیا گیا، جن کے اکثر تبصرہ نگار ان کو ہندوستانی نژاد سمجھنے پر تیار نہیں۔ موضوع اگرچہ دلچسپ ہے لیکن اس میں طرح طرح کی پیچیدگیاں بھی ہیں۔ جن کے حل کرنے کے لئے عربی لغت و زبان کا وسیع مطالعہ درکار ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ان کے علمی کارناموں کا جائزہ اور ان کے تقابلی مطالعے کے لئے وقتِ نظر کی بھی اتنی ہی ضرورت ہے۔

یہ تمام دشواریاں میرے سامنے تھیں کیونکہ مجھے خود اپنے علمی سرمایہ کا حال معلوم ہے۔ اور اس کے بعد اس سلسلے میں بھاگ دوڑ کی ضرورت بھی ہوتی۔ اس میں میں کہاں تک ثابت قدم رہتی۔ اس لئے کہ جس ماحول میں میری تعلیم و تربیت ہوئی ہے اس کو مدنظر رکھتے ہوئے مجھے ہر قدم پر رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ یہ سب باتیں میرے ذہن میں آتیں مگر جب میں نے یہ عزم کر لیا کہ مجھے اس کام کو کرنا ہے تو مجھے بعد میں محسوس ہوا کہ جو دشواریاں اور پریشانیاں میرے سامنے آرہی ہیں ان کی حیثیت وسوسے سے زیادہ نہیں۔ سعی مسلسل نے پرخار راہوں کو طے کرنے اور تلاشِ منزل میں میری پوری مدد کی۔

جب میں نے تھوڑا سا مطالعہ زبیدی کے حالات زندگی کے متعلق کیا تو میرے عزم و حوصلے کو اور تقویت حاصل ہوئی۔ یہ عظیم شخص یو پی کے ایک قصبہ میں پیدا ہوا لیکن علم کا شیدائی بن کر صغیر سنی ہی میں اپنے مقصد سے نکل کر دہلی ہوتا ہوا یمن پہونچا۔ اور وہاں اپنے شوق کی تھوڑی بہت تکمیل کی۔ پھر اس کا شوق جنون اتنا بڑھا کہ یمن سے مختلف

بلادِ عربیہ کا سفر کرتے ہوئے مصر پہونچا۔ جہاں اس کے علم و ادب کا سورج اس طرح چمکا کہ اس کی شعاعوں سے دنیا کے ہر خطے کے علماء، و ادبا فیض یاب ہوئے۔

میری خوش قسمتی تھی کہ ہندوستان کی اس عظیم شخصیت کو اپنے تحقیقی کام کے لئے موضوع بنایا اور وہ شخصیت میرے علمی شوق کی تکمیل کا سہارا بنی۔ میں اپنے استاد و نگراں جناب ڈاکٹر یونس نگرامی کی مشکور ہوں کہ انھوں نے سید مرتضیٰ بلگرامی زبیدی کے سلسلے میں جو بھی مواد درکار تھے ان کی فراہمی کا وعدہ کیا اور جہاں تک اس سلسلے میں میری مدد کر سکتے تھے انھوں نے رہنمائی فرمائی۔ میں نے جب زبیدی کے سلسلے میں اپنا مطالعہ جاری رکھا، اس وقت ان کی شخصیت کے مختلف پہلو میرے سامنے آتے گئے۔ اور انھیں کی روشنی میں میں نے اپنے موضوع کا خاکہ مرتب کیا۔ میرے خیال میں جو خاکہ مطالعہ کے بعد مرتب کیا جاتا ہے وہی درحقیقت صحیح بنیادوں پر ہوتا ہے۔

سید مرتضیٰ بلگرامی زبیدی کے سلسلے میں میں نے جو موضوع اپنے مقالے کے لئے طے کیا اس کو پانچ ابواب میں تقسیم کیا۔ اور اس بات کی کوشش کی کہ ان ابواب میں سید علامہ کی ہمہ گیر شخصیت پوری طرح سے سامنے آجائے اور ان کی عظمت کا صحیح اندازہ کیا جا سکے۔ جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا ہے کہ وہ ہندوستان کے مشہور صوبہ یوپی کے زرخیز قصبہ بلگرام میں ۱۱۴۵ھ میں پیدا ہوئے۔ اور اسی قصبہ میں ان کی ابتدائی تعلیم و تربیت ہوئی۔

اصل مقالے کے ابتدائی باب میں "ہندوستان میں عربی علوم و فنون کے ارتقاء کا مجمل جائزہ" پیش کرتے ہوئے یہ ظاہر کرنے کی کاوش کی گئی ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں میں عربی زبان و ثقافت کن کن دھاروں سے آئی اور ہندوستان کی تہذیب و تمدن اور زبان و ادب پر اس کے کیا اثرات مرتب ہوئے۔

گو کہ اس باب میں بھی علامہ سید مرتضیٰ بلگرامی زبیدی کا ذکر آیا ہے لیکن اجمالی طور پر یہ ایک منفرد موضوع ہے۔ چونکہ یہ باب بہت پھیلا ہوا تھا اس لئے اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے موجودہ کتاب میں شامل نہیں کیا جا رہا ہے البتہ اگر اللہ تعالیٰ نے توفیق عطا کی تو الگ کتابی شکل میں پیش کریں گے۔

پہلا باب قصبۂ بلگرام سے متعلق ہے۔ یہ قصبہ صدیوں تک ہندوستان کے گوشے گوشے میں اس کے فرزندوں کے علمی و ادبی کارناموں کی وجہ سے مشہور و معروف رہا۔ اس لئے میں نے اس قصبہ کی علمی تاریخ کا تحقیقی مطالعہ کیا۔ اور اس بات کی سعی کی کہ اس قصبہ کی جو بھی عظیم شخصیت گزری ہیں، ان کا عربی زبان و ادب کے تعلق سے تحقیقی جائزہ لوں۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ ان شخصیات کا اثر زبیدی کی زندگی پر کیا پڑا اور ان کے علمی کارناموں کی حیثیت وہاں کے علماء اور محققین کے کارناموں کے درمیان کیا ہے۔ یہ ایک طرف تفصیلی جائزہ ہے تو دوسری طرف تقابلی مطالعہ بھی۔

دوسرا باب زبیدی کے ذاتی حالاتِ زندگی کے متعلق ہے۔ سیّد مرتضیٰ بلگرامی زبیدی کی کچھ زندگی ہندوستان میں گزری لیکن ان کی زندگی کا زیادہ تر حصّہ یمن اور مصر میں گزرا۔ اس لئے ان کے حالاتِ زندگی کے سلسلے میں ان کے تذکرہ نگاروں کے درمیان کافی اختلافات ہیں۔ مختلف جگہوں پر جانے کے سبب ان کی زندگی کے بہت سے گوشے گمنام اور مبہم ہو گئے تھے۔ اس لئے اس باب کی ترتیب میں مجھے کافی جد وجہد کرنی پڑی۔ اس باب کی تکمیل اس وقت تک ناممکن تھی جب تک میں ہندوستان کے تذکرہ نگاروں کے ساتھ ساتھ یمن اور مصر کے تذکرہ نگاروں کی کتابوں کو سامنے نہ رکھوں۔ کیونکہ ایک تذکرہ نگار کی کمی دوسرے تذکرہ نگار سے پوری ہو سکتی تھی۔ اور روائیتوں کے اختلاف کو پیش نظر رکھ کر جو ثقہ تذکرہ نگار تھے ان کے احوال کو سامنے رکھ کر ان کی زندگی کا خاکہ پیش کیا۔ اس سلسلے میں مجھے خود سید مرتضیٰ بلگرامی زبیدی کی تحریروں سے بھی مدد ملی۔ اپنی تصانیف کے مقدموں میں مختلف جگہوں پر وہ ایسی باتیں لکھ گئے ہیں جن سے ان کے اسفار اور رحلات کے اوقات کے تعین کی تصدیق ہوتی تھی اور ان کے روابط و تعلقات جو دنیا کے مختلف علمی و ادبی اور سیاسی لوگوں سے تھے ان کا بھی سراغ ملتا ہے۔ سید علامہ کو اپنی زندگی کے مختلف مراحل میں جو اچھے اور بُرے تجربات پیش آئے اس سلسلے میں بھی ان کی تصانیف سے میں نے کافی معلومات مرتب کئے۔ اس طرح میں نے اس باب کی ترتیب میں جہاں تک بنیادی مراجع و مصادر

ہو سکتے تھے اور جو ہندوستان کے مختلف کتب خانوں میں دستیاب تھے، ان کے مطالعہ کی کوشش کی اور ان سے حتی المقدور مواد جمع کیا۔ جہاں تک میرا اندازہ ہے میں زبیدی کے سلسلے میں صحیح معلومات پیش کرنے اور ان کی زندگی کا صحیح خاکہ مرتب کرنے میں کامیاب رہی

تیسرا باب جو سب سے اہم اور بنیادی ہے وہ زبیدی کی معرکتہ الآرا تصنیف تاج العروس شرح قاموس کا تنقیدی اور تحقیقی مطالعہ ہے۔ زبیدی کی یہ تصنیف بارہویں صدی ہجری میں منظر عام پر آئی اور اس شان اور آن کے ساتھ آئی کہ دنیا کے علماء اور لغت کے ماہرین نے اس کی عظمت کا اعتراف کیا اور جس طرح کتاب اور کتاب کے مصنف کو خراج تحسین پیش کیا وہ تاریخ کا عجیب وغریب واقعہ ہے۔ اس سے صرف زبیدی ہی کا نہیں بلکہ ہندوستان کا نام بھی علم وادب کی تاریخ میں روشن ہوا۔

"تاج العروس" جیسا کہ میں نے کہا بارہویں صدی میں تصنیف کی گئی۔ اگر ہم اس زمانہ تک لغت نگاری کا جائزہ لیں تو ہمیں پوری طرح اندازہ ہوتا ہے کہ یہ فن کتنے وسیع وصحتمند بنیادوں پر قائم ہو چکا تھا اور اس میں اضافہ کرنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ زبیدی کے کام کی اہمیت اس وقت تک سامنے نہیں آپاتی جب تک ہم لغت نگاری کے مختلف مراحل کا جائزہ نہ لیتے اور اس فن کے اہم شخصیات کو نہ پیش کرتے۔ چنانچہ ہم نے جب سے لغت نگاری کا سلسلہ شروع ہوا اس سے لے کر بارہویں صدی تک کے مختلف علاقوں اور مختلف ادوار میں جو ارتقا ہوا۔ اس کو تحقیقی وتنقیدی انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی اور اس کے بعد تاج العروس کا تنقیدی جائزہ لیا۔ اس سلسلے میں زبیدی نے جن جن کتابوں سے استفادہ کیا اور جن جن شخصیات سے اس فن کے سلسلے میں وہ متاثر تھے ان کو بھی پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس طرح چوتھا باب اس مقالے میں اپنی نوعیت کا سب سے اہم اور بنیادی باب ہے۔

چوتھا باب زبیدی اور ان کے معاصرین سے متعلق ہے معاصرین کا مسئلہ بڑا نازک ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ بے انتہا بسیط بھی۔ زبیدی ہندوستان میں پیدا ہوئے۔ یہاں کے اساتذہ سے انھوں نے ابتدائی علم حاصل کیا اور ان کے علمی

کارناموں سے استفادہ کیا۔ اس کے بعد وہ اپنے شوق کی تکمیل کے سلسلے میں یمن گئے اور عرصہ تک وہاں مقیم رہے۔ یمن بارہویں صدی میں زبان و ادب کا مرکز تھا اور اس صدی میں وہاں مختلف شخصیات اپنے علمی و ادبی کارناموں سے دنیائے علم و ادب کو متاثر کر رہی تھیں یمن کے بعد علامہ نے سرزمین حجاز کا رخ کیا اور حرمین شریفین کے علمائے کرام اور خاص طور سے فنِ حدیث کے ماہرین اور محققین سے استفادہ کیا۔ اس کے بعد دوسرے ممالک کا دورہ کرتے ہوئے وہ قاہرہ پہونچے جو اس زمانہ میں دنیائے اسلام کا سب سے بڑا علمی اور ادبی گہوارہ تھا اس زمانہ کے علماء اور محققین سے شرفِ تلمذ کے بعد ان کے اندر جو علمی شوق کا جذبہ ابھرا وہ بعد میں "تاج العروس" کی شکل میں سامنے آیا۔ اس سے پوری طرح اندازہ ہوتا ہے کہ وہ مصر کے چپّے چپّے کے اہل فن و لغت سے کس قدر قریب تھے اور ان کے علمی کارناموں سے انھوں نے کس قدر فیض اٹھایا۔ اسی استفادہ کی بنیاد پر وہ اپنے اس تصنیفی عمل کے ذریعہ سب سے زیادہ نمایاں حیثیت کے حامل ہو گئے۔ چنانچہ ان کے معاصرین کا ایک طویل حلقہ ہے جس کا سمیٹنا سمندر کو کوزہ میں بند کرنے کے مترادف ہے۔ لیکن باوجود اس کے میں نے اپنی تمام تر کاوشوں کے بعد اسی بات کی سعی کی ہے کہ ہر جگہ کے اہم اشخاص جو کسی نہ کسی طرح زبیدی کی زندگی پر اثر انداز ہو سکتے ہوں گے ان کا جائزہ لوں اور اختصار کے ساتھ ان کے علمی و ادبی تخلیقات کی علامتیں پیش کروں۔ اس کے لئے گو مجھے کافی مشقتیں اٹھانی پڑیں۔ لیکن علم کی راہ میں خدا کے فضل و کرم سے یہ تمام زحمتیں اور پریشانیاں ہیچ ہو گئیں۔

میں نے اپنے تحقیقاتی کام کا آغاز لکھنؤ شہر سے کیا جہاں دو بڑے

کتب خانے اپنے بیش قیمت کتابی ذخائر کے لئے مشہور ہیں۔ ایک لکھنؤ یونیورسٹی کی ٹیگور لائبریری اور دوسرا دار العلوم ندوۃ العلماء کا وہ عظیم کتب خانہ جہاں سے ملکی و بیرون ملکی تشنگانِ علم شب و روز سیراب ہو کر عالم علم و ادب میں اپنی غیر معمولی قابلیت و صلاحیت کے پھریرے لہرا رہے ہیں۔ اس کے علاوہ لکھنؤ ہی کے ایک ذاتی کتب خانہ ناصریہ میں چند کتب میرے موضوع کے متعلق دستیاب ہوئیں۔ علاوہ ازیں لکھنؤ شہر کے مشہور و ماہرین قانون داں جناب ظفریاب جیلانی ایڈوکیٹ صاحب کے توسط سے ان کے ذاتی ذخیرۂ کتب میں سے مجھے قصبۂ بلگرام کی تاریخ سے متعلق ایک نادر کتاب فراہم ہوئی۔ جس کا نام "تنقیح الکلام فی تاریخ خطہ پاک بلگرام" ہے۔ جس کے لئے میں ان کی بھی بے حد متشکر ہوں[1]

لکھنؤ کے مذکورہ بالا کتب خانوں میں جو مصادر و مآخذ مجھے ملے ان کو دیکھنے کے بعد مجھے یہ اندازہ ہوا کہ میرے **موضوع** کی تکمیل محض انھیں سے ناممکن ہے۔ چنانچہ میں نے ہندوستان کے دوسرے مراکز کے کتب خانوں کا سراغ لگانا شروع کیا اور جو بھی مطبوعات مخطوطات ان کتب خانوں میں زبیدی سے متعلق تھے، مختلف ذرائع سے ان کے حصول کے لئے کوشاں رہی۔ مجھے ریاست رام پور جانے کا بھی موقعہ ملا تو وہاں کے لوگوں نے بڑی خوبی و عمدگی کے ساتھ میرا ساتھ دیا۔ اور مواد کی فراہمی میں میری مدد فرمائی۔

---

[1] اپنے مقالے کے سلسلے میں میں نے لکھنؤ کے مشہور آئی ٹی کالج (I.T. College - ) جہاں کی میں سابق بی۔اے کی طالبہ رہ چکی ہوں۔ وہاں سے انگریزی کتب و انسائیکلو پیڈیا کا مطالعہ کیا اس سلسلے میں میں آئی۔ٹی کالج کی لائبریری کی انتظام کار مسز پی۔ ریوس ( Mrs. P.Revis ) کی معاونت کی بے حد مشکور ہوں۔

اپنے علمی کام کے سلسلے میں مجھے جب یہ معلوم ہوا کہ ہندوستان کی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی مرکزی لائبریری (آزاد لائبریری) اور اسلامک اسٹڈیز کی لائبریری میں کافی مواد ہے تو میرا شوق علی گڑھ کے سفر کے لئے بڑھا۔ اس سلسلے میں میں اپنے محترم استاذ پروفیسر رضوان علوی صاحب کی بڑی مشکور ہوں کہ انھوں نے علی گڑھ کے مختلف لوگوں کو میرے لئے تعارفی خط لکھے۔

علیگڈھ مسلم یونیورسٹی جو ہندوستان کے مسلمانوں کا سب سے بڑا علمی و ادبی مرکز ہے۔ مجھے اس بات پر فخر و انبساط ہے کہ وہاں کے اساتذہ نے ہر قدم پر میری رہنمائی کی بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ میری بہت ہمت افزائی کی اور اپنی شفقت اور ہمدردانہ رویّہ سے یہ ثابت کر دیا کہ میں اس یونیورسٹی میں نئی یا اجنبی نہیں ہوں۔ یا یہاں سے میرا کوئی تعلق نہیں۔ مختلف ایّام میں مجھے وہاں جب بھی قیام کا موقعہ ملا مجھے یہی احساس ہوا کہ میں اپنے وطن لکھنؤ میں ہوں۔ وہاں کے اساتذہ کی توجہ و عنایت ایسی تھی کہ مجھے یوں محسوس ہوتا گویا لکھنؤ یونیورسٹی کے میرے اپنے اساتذہ ہیں۔ اور اسی طریقہ سے بڑی ہی ناشکری اور ناسپاسی ہو گی کہ اگر میں ڈاکٹر محمد راشد ندوی صاحب چیرمین شعبۂ عربی مسلم یونیورسی علیگڈھ کا شکریہ ادا نہ کروں۔ کہ ان کی علمی معاونت اور مشوروں اور علمی دلچسپی کی ہی وجہ سے یہ مقالہ اپنے تکمیل کے مراحل جلد پورے کر سکا۔ اور اس کی علمی حیثیت اور رفتار میں جو بھی اضافہ ہوا ہوگا وہ انھیں کی کوششوں کا مرہونِ منت ہے ڈاکٹر عبد الباری صاحب جو شعبۂ عربی علی گڈھ مسلم یونیورسٹی کے ہی استاد ہیں انھوں نے بھی اپنے مفید مشوروں مجھے نوازا جس کے لئے میں ان کی ممنون ہوں۔ علاوہ ازیں وہاں کے دو ذہین طلبہ مسعود انور علوی صاحب اور محمد صلاح الدین عمری صاحب جو اس وقت علی گڑھ میں عربی ادب کے ریسرچ اسکالر ہیں، ان دونوں نے بھی مختلف کتب کی فراہمی و تلاش میں میری کافی مدد کی۔ بارگاہِ الٰہی میں دعاگو ہوں کہ انھیں نیک اجر عطا ہو اور اپنی کاوشوں میں کامیاب و کامران ہوں۔

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی آزاد لائبریری کے انگریزی سیکشن، اردو سیکشن، اخبار و جرائد کے سیکشن، اور مخطوطہ کتب کے سیکشن سے بھی استفادہ کیا۔ علاوہ ازیں شعبۂ تاریخ کی اپنی لائبریری ہے جس سے میں نے فائدہ اٹھایا۔ اس وقت وہاں کے صدر شعبۂ تاریخ جناب خلیق احمد نظامی صاحب تک بھی میری رسائی وہاں کے ایک ریسرچ اسکالر اقبال صابر صاحب جو لکھنؤ یونیورسٹی کے سابق طالب علم رہ چکے ہیں، ان کے توسط سے ہوئی۔ میں ان لوگوں کی بیحد شکر گزار ہوں خاص طور سے، ڈاکٹر خلیق احمد نظامی صاحب کہ جنھوں نے اپنی بے انتہا مصروفیات کے باوجود میرے مقالہ سے متعلق چند اہم نکات سے مجھے روشناس کیا۔ علی گڑھ کے شعبۂ تاریخ ہی میں میں نے پرسٹن یونیورسٹی نیوجرسی یو۔ ایس۔ اے سے منگوائے ہوئے زبیدی کی مخطوطہ تحریروں کا مائیکروفلم بھی دیکھا۔ یہ مائیکروفلم میں نے اپنی دیرینہ دوست مسز نگہت صاحبہ جو علی گڑھ ویمنس کالج میں شعبۂ معاشیات کی معلمہ ہیں، ان کے شوہر ڈاکٹر محمد احمد صاحب کے توسط سے براہ راست امریکہ سے حاصل کئے۔ میں دونوں کی بے حد شکر گزار ہوں۔

علی گڑھ یونیورسٹی کے شعبۂ فارسی کے استاذ جناب خالد صدیقی صاحب اور شعبۂ قانون کے ریڈر جناب مشرف احمد صاحب نے بھی چند کتب کی فراہمی میں میری معاونت فرمائی جس کے لئے میں ان کی "متشکر" ہوں۔

اب میں اس عظیم دانش گاہ کی طرف رجوع کرتی ہوں جہاں جاکر علم کی پیاس تو بجھتی ہی ہے لیکن ایک روحانی سکون کا بھی احساس ہوتا ہے۔ وہ ہے دارالعلوم ندوۃ العلماء، جہاں جاکر علم و عرفاں کے ان رموز سے آگاہی ہوئی جو اب تک میری نظروں سے پوشیدہ تھے۔ اس سلسلے میں میں کتب خانہ ندوۃ العلماء کے ناظم جناب سیّد مرتضیٰ الحسینی صاحب کی بیحد شکر گزار ہوں جنھوں نے بڑی فراخدلی کے ساتھ میری ہمت افزائی کی۔ اور منظم طریقے سے نادر کتب فراہم کیں علاوہ ازیں اپنے مفید مشوروں اور نادر آراء سے بھی مستفید فرمایا۔ ان کے

صاحبزادے عمیر الحسنی صاحب نے بھی عربی سے اردو کے ترجموں کے سلسلے میں میری معاونت کی۔ اللہ تعالیٰ عزیزی عمیر کے علم میں اور اضافہ کریں اور کامیابی عطا فرمائیں۔ ندوۃ العلماء کے ہی استاذ محترم جناب عبد السمیع ندوی صاحب اڈیٹر رسالہ "محکمات" نے میرے موضوع سے متعلق عربی متن کے ترجموں میں میری اس قدر معاونت کی کہ میں ان کے شکریہ کے لئے الفاظ نہیں پاتی۔ اپنی علالت کے باوجود وہ ہمیشہ میری خواہش پر میری مدد کو تیار ہو گئے جس کے لئے میں ان کی بیحد ممنون ہوں۔

علی گڑھ ہی میں میں نے ایک ذاتی کتب خانہ سے بھی استفادہ کیا۔ محترم جناب نواب مزمل خاں صاحب کا کتب خانہ نادر کتب سے بھرا پڑا ہے۔ ایک ذاتی کتب خانہ کی حیثیت سے اس کا ایک مقدم مقام ہے۔ میں نواب صاحب کے اخلاق اور ان کے فراخدلانہ کتب کی فراہمی کے لئے ممنون ہوں۔ علی گڑھ کی ہی ایک مقتدر ہستی جناب قاضی مظہر الدین احمد صاحب بلگرامی کی تہہ دل سے شکر گزار ہوں جنھوں نے میرے موضوع کے لئے مفید مشوروں سے مجھے نوازا۔

بہر کیف میری جو بھی ہمت افزائی و پذیرائی ہوئی وہ میرے استاذ کریم پروفیسر رضوان علوی صاحب کی شخصیت کی مرہونِ منت ہے۔ جن کے اخلاق سے لکھنؤ اور دیگر شہروں کے عربی اساتذہ متاثر ہیں۔ علاوہ ازیں لکھنؤ یونیورسٹی کے شعبۂ عربی کے تمام اساتذہ کی بھی شکر گزار ہوں جنھوں نے وقتاً فوقتاً شفقت وعنایت سے مجھے نوازا۔ آخر میں اپنے استاذ اور نگراں ڈاکٹر محمد یونس نگرامی ندوی صاحب کی مشکور ہوں جو میرے لئے شفیق استاد بھی ہیں اور دوسری طرف میرے بڑے بھائی بھی جن کی مخلصانہ توجہ اور برادرانہ محنت وشفقت سے یہ کام پایۂ تکمیل تک پہونچا۔

آخر میں اپنی تمام افراد خانہ کی مشکور ہوں جنھوں نے وقتاً فوقتاً مجھے گھریلو ذمہ داریوں سے محض میرے مقالے کی تیاری کی خاطر مبرا رکھا۔ اور علی گڑھ

اور رام پور کے اسفار میں میرے رفیق و ہم سفر رہے۔ ان میں میری دو بہنیں نجمہ بانو لاری اور صبیحہ ناز لاری اور بہنوئی ڈاکٹر مصطفیٰ احمد لاری اور عزیزی ریاض الدین نظامی میرے رفیق سفر رہے اور اپنا قیمتی وقت صرف میرے لئے صرف کیا۔ اس کے علاوہ میرے سب سے بڑے بہنوئی جناب اظہر الاسلام صاحب اور میرے مشفق ترین برادرِ حقیقی جناب مظہر احمد لاری میری ندوۃ العلماء آمد و رفت کے لئے اپنی خدمات انجام دیتے رہے اور اپنی عزیز بھتیجی ارم ناز لاری کی ترقی کے لئے بھی دعا گو ہوں جس نے اپنے معصوم ہاتھوں سے میری تھیسس کے کاغذات کی ترتیب میں ہر لمحہ میری مدد کی۔

میں یہ علمی کام پیش کر کے خدا کے دربار میں اس بات کے لئے دست بدعا ہوں کہ میرا علمی و ادبی شوق بڑھتا رہے اور میں عربی زبان و ادب کی خدمت کر سکوں جو میرے لئے باعثِ فخر و افتخار ہے۔ اس مقالے میں اربابِ علم و فن کو بہت سی خامیاں نظر آئیں گی جس کے لئے معذرت خواہ ہوں لیکن بہرحال علم ایک بیکراں سمندر ہے اور اس سے محض ایک قطرہ اٹھانے والا کیونکر اس کے بے شمار گوہر نایاب کے حصول کا دعویدار ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ ننھا علم کا قطرہ ہی میرے لئے نعمت بے پایاں سے کم نہیں۔

شرح احوال تو الحق بو العجائب دفتریست
بندہ یارب کے تواند کرد شکر این نعم

حافظ

# بابِ اوّل

## قصبۂ بلگرام کی تاریخی اہمیت
## اور
## اس کے ممتاز علماء و فضلاء

(۱)

اسلامی علوم و فنون کی سب سے بڑی سعادت یہ تھی کہ ان کے مراکز ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں ہی تک محدود نہ تھے، بلکہ ہندوستانی تاریخ کے اوراق پر نظر دوڑانے کے بعد ہمیں یہ نظر آتا ہے کہ شہروں سے زیادہ ہندوستان کے قصبات علم و ادب کا بہترین گہوارہ رہے۔ ہندوستان میں مسلمانوں کے دورِ اقتدار کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے اور یہاں کے سیاسی نشیب و فراز کے پس منظر میں اسلامی تہذیب و ثقافت کے آثار کا جائزہ لینے سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ تیموری حملہ کے بعد ہندوستان میں صوبوں اور قصبات کی اہمیت بڑھتی چلی گئی۔

ہندوستان کے قصبات ہمیشہ سے علوم و فنون کے گہوارے رہے ہیں خصوصاً شرقی ہند کے قصبات اپنے وسائل و ذرائع کے لحاظ سے ہمیشہ اس قابل رہے کہ علم و دانش کے سوتے یہاں سے پھوٹیں۔ ان قصبات میں چند گھرانے ایسے ضرور ہوتے ہیں جہاں کوئی نہ کوئی استاذ اپنی گوناگوں حیثیت میں تشنگانِ علم و ہنر کو بہرہ ور کرتا ہے۔ ازمنۂ وسطیٰ کی علمی اور تدریسی تاریخ پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ یہی گھرانے ہمارے ملک کی اکثر ہستیوں کے مادر درس گاہ رہے۔[۱]

---

[۱] سبحۃ المرجان: ۵۲ "بمبئی ۱۳۰۳ھ" میں آزاد بلگرامی نے ملا محمود جونپوری کے حالات میں لفظ 'پورب' کی جو تشریح کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ علاقہ تین صوبوں' اودھ، الہ آباد اور عظیم آباد پر مشتمل تھا۔ اسکے قصبات اپنی گوناگوں حیثیتوں میں شہر کے مد مقابل تھے۔ آج بھی پورب کے قصبات تہذیبی، ثقافتی اور علمی لحاظ سے اہم ہیں۔

انھیں گہوارہ ہائے علم و فضل میں پل کر یہ ہستیاں جوان ہوئیں، یہاں سے ان کی جسمانی، علمی اور روحانی صلاحیتیں ابھر کر ملک و قوم کے سامنے آئیں۔ انھوں نے ہندوستان کا نام بلند کرنے کے لیے خود اپنے ملک میں اور اس سے باہر جا کر علم و عرفان کی شمعیں روشن کیں تاکہ چراغ سے چراغ جلے اور نزدیک و دور کو اپنی ضیا پاشیوں سے منور کرے۔ اس حیثیت سے تمام ہندستان میں اودھ، الہ آباد، اور عظیم آباد کا علاقہ حد درجہ ممتاز مانا جاتا ہے جہاں کے مردم خیز قصبات نے اپنی خاک کیمیا اثر سے اس درجہ کے علماء و فضلا پیدا کئے جن پر سارا ہندوستان فخر سے سر اونچا کرتا ہے[1]

آزاد بلگرامی نے لکھا ہے کہ دار السلطنت دہلی میں مرکزیت کی وجہ سے علماء و فضلاء کا ہمیشہ اجتماع رہتا تھا۔ چنانچہ ایک جگہ انھوں نے شعراء کے تذکرہ میں اپنے دعویٰ کے ثبوت میں اس عہد کے چند ممتاز شعراء کے نام بھی گنائے ہیں۔

"اما در عہد قدیم این طائفہ بیشتر در پائے تخت سلاطین بودہ اند و در اطراف واکناف کمتر نواں یافت۔ مثل ابوالفرج رونی و امیر خسرو و امیر حسن و شیخ جمالی کہ ہمہ از شہر دہلی برخاستہ"[2]

حقیقتاً اسی بہار و خزاں کی پروردہ دلی کی گود میں ایسے علماء و فضلاء نے پرورش پائی کہ جنھیں دنیائے علم و دانش اپنا سرتاج سمجھتی ہے۔ متعدد علماء و فضلاء کی جلوہ ریزیوں سے دہلی جگمگا اٹھی اور انھوں نے تشنگان علم کے لئے سلسبیل علوم بہایا اور انھیں سیراب کیا۔ ان شخصیات کے انوار و تجلیات سے علم و فضل کا روشن چراغ روشن تر ہوتا رہا۔ یہ علماء دلّی کی گلِ زمین کے گلِ صد برگ تھے۔ لیکن بعد کے دور میں دار السلطنت کی یہ اہمیت و خصوصیت قائم نہیں رہی، بلکہ قصباتی زندگی کی اہمیت روز بہ روز بڑھتی ہی گئی اور

---

[1] مقالۂ بلگرام: ڈاکٹر فضل الرحمٰن ندوی، مجلہ علوم اسلامیہ۔ جون، دسمبر ۱۹۶۵ء ص ۸۵

[2] سروِ آزاد: غلام علی آزاد بلگرامی ص ۲۴۴

اہل علم و دانش ملک کے اطراف و جوانب میں پھیل گئے۔ بالخصوص تیموری حملہ کے بعد (۱۳۹۶/۵ء) جب دہلی کا شیرازہ بکھرتا ہوا نظر آیا تو ملک میں طوائف الملوکی نے سر ابھارا اور مختلف امراء اپنے اپنے مقام پر خود مختار ہونے کی سعی کرنے لگے۔ تیموری حملہ کے زمانہ میں جو قدسی صفات ہستیاں دہلی ترک کر کے پورب کی طرف مائل ہوئی تھیں، ان میں قاضی شہاب الدین دولت آبادی (۸۴۹ھ - ۱۴۴۵ء) اور قاضی عبدالمقتدر کے پوتے شیخ ابوالفتح (۸۵۸ھ - ۱۴۵۴ء) ممتاز شخصیت کے مالک تھے۔ دولت آبادی نے مولانا خواجگی اور قاضی عبدالمقتدر شریحی کندی دہلوی سے جن کا قصیدہ[1] "لامیۃ الہند" مشہور زمانہ ہے، تحصیل علم کیا تھا۔

شیخ ابوالفتح اپنے جد امجد کی طرح تدریسی مہم میں نہایت پختہ تھے۔ ان بزرگوں کے دامن علم سے ایک جم غفیر کا واسطہ رہا۔ مؤخر الذکر کے شاگرد شیخ اعظم لکھنوی نے لکھنؤ میں دریائے فیض رواں کیا۔ انھیں کی ذات بابرکات سے ضیا لکھنوی اور سعید الدین خیرآبادی کے چشمۂ فیض سے علم کے سوتے پھوٹے۔ اس طرح تعلیم و تدریس اور قال اللہ و قال الرسول کی صداؤں کے ساتھ ساتھ دیگر علوم و فنون کے غلغلے بلند ہوئے۔ یہاں تک کہ کوئی قصبہ ان کی جلوہ سامانیوں اور تنویر علم سے خالی نہ رہا۔ آزاد بلگرامی، ملا نظام الدین سہالوی صاحب درس نظامی کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

"صوبہ اودھ و الہ آباد میں شرفا کی آبادی تھی اور مساجد، مدارس و خانقاہوں کی عمارتیں تھیں، اور علم کے حصول کا دور دورہ تھا۔"[2]

---

[1] اخبار الاخیار: ص ۱۷۳، سبحۃ المرجان: ص ۱۸۴، مآثر الکرام: ص ۱۸۳ میں کچھ اشعار درج ہیں۔ اس کا مطلع ہے ؎

یا سابق الظعن فی الاسحار والأصل
سلم علی دار سلمی وابك ثم سل

(مولانا امتیاز علی عرشی نے پورا قصیدہ کئی نسخوں کی مدد سے ثقافۃ الہند (ستمبر ۱۹۵۰ء میں) میں شائع کر دیا تھا۔) [2] مآثر الکرام: غلام علی آزاد بلگرامی: ص ۲۲۲-۲۲۱ (مسلسل)

اورنگ زیب عالم گیر کی وفات (۱۱۸ھ ۔ ۱۷۰۷ء) تک فیضان علم ان حکمت و دانش کے ابلتے چشموں سے برابر جاری رہا۔ بقدر ظرف و حوصلہ طلبہ مستفید ہوتے، انھیں معاشی پریشانیوں کا سامنا نہیں کرنا پڑتا اور ان کے قیام و طعام اور بود و باش کا نظم مقامی جاگیروں سے ہوا کرتا تھا۔ تاکہ وہ فارغ البال ہوکر ہمہ تن تحصیل علم میں مشغول رہیں۔ اس طرح پورب کی گل زمین پر ہزاروں گل بوٹے ابھرے اور اپنی رعنائی و جمال و زیبائی سے ایک عالم کو بہرہ ور کیا۔ مگر آزاد بلگرامی ماتم گساں ہیں کہ برہان الملک سعادت خاں نیشاپوری نے (۱۱۱۵ھ ۔ ۱۷۳۸ء) محمد شاہ کے آغاز سلطنت میں علم و فضل کے ان جلوہ گاہوں کو برباد کر دیا اور مشرقی قصبات کی حالت بدل گئی۔ معاش کے لیے جو قطعات زمین اور وظائف مقرر تھے انھیں منسوخ کر دیا آزاد بلگرامی اس طرح رقم طراز ہیں:

"کار شرفا و نجبا بہ پریشانی کشید و اضطرار معاش مردم آنجا را از کسب علم باز داشتہ در پیشۂ سپاہ گری انداخت و رواج تحصیل و تدریس بآں درجہ نہ ماند و مدارسی کہ از عہد قدیم معدن علم و فضل بود یک قلم خراب افتاد، انجمن ارباب کمال بیشتر برہم خورد"[1]

برہان الملک سعادت خاں کے مرنے کے بعد اس کا بھانجہ اور داماد صفدر جنگ ابو المنصور مرزا مقیم خاں صوبۂ اودھ کا حکمراں ہوا۔ اس کے زمانہ میں وظائف اور جاگیریں بہ دستور ضبط رہیں۔ اواخر عہد محمد شاہ (۱۱۵۹ھ ۔ ۱۷۴۶ء)

---

"اما صوبہ اودھ و الہ آباد خصوصیتے دارد کہ در ہیچ صوبہ نتواں یافت۔ چہ تمام صوبہ اودھ و الہ آباد بہ فاصلہ پنج کردہ نہایت دہ کردہ تخمیناً آبادی شرفا و نجبا است کہ از سلاطین و حکام وظائف زمین مدد معاش داشتہ اند و مساجد و مدارس و خانقاہات بنا نہادہ و صلائے "اطلبوا العلم" در دادہ و طلبہ علم خیل خیل از شہرے بشہرے می دوند و ہر جا موافقت دست بہم داد بہ تحصیل مشغول می شوند و صاحب توفیقان ہر معمورہ طلبہ علم را نگاہ می دارند و خدمت این جماعہ را سعادت عظمیٰ می دانند"

[1] مآثر الکرام، ص ۲۲۲

میں یہ الٰہ آباد کی صوبہ داری پر فائز ہوا۔ کچھ وظائف اور جاگیریں جو ابھی تک دستِ حکمراں کی تباہیوں سے محفوظ تھیں، وہ بھی اس کی بالادستی کی زد میں آگئیں۔ جب یہ وزارتِ عظمیٰ کے منصب پر (۱۱۶۱ھ ۔ ۱۷۴۸م) پہونچا تو اس کے نائب صوبیدار نے اربابِ وظائف کو حد درجہ تنگ کیا۔ چنانچہ آزاد نے "تا حین تحریر کتاب ایں دیار پامال حوادثِ روزگار است" لکھ کر کمال لطافت سے اس وقت کی تصویر کشی کی ہے۔

ان زیادتیوں اور جور و جفا کے بعد بھی عاشقانِ دانش و دانائی عروسِ علم و حکمت کی زلفوں کے بناؤ سنگار میں لگے رہے۔ معقولات کے دریا بہتے اور غواص معانی غوطہ زنی کا کمال فن دکھاتے رہے۔ یہ حقیقت ہے کہ اس دور میں متبحر علما اپنی مسند درس سے شناورِ علم کو فضل و دانش کی شناوری کے کمال و عروج تک پہونچانے میں مصروف تھے چنانچہ ملّا نظام الدین سہالوی صاحبِ درس نظامی کے تذکرہ میں تصویر کشی کرتے ہوئے آزاد بلگرامی لکھتے ہیں:

"باصد جہاں کدورت باز ایں خرابہ جائیست" [۱]

مغلوں کے دور میں جہاں دوسری چیزوں پر انحطاط کے آثار ہویدا تھے، وہیں علم و حکمت کی لکیریں بھی ہٹی پٹائی تھیں۔ قرآن و حدیث، جن کی تعلیم روحِ اسلام تھی، مرکزِ اعتدال سے ہٹ کر متعلقات علوم کی طرف مائل ہوگئی تھی۔ فلسفہ و حکمت اور معقولات کی شاخیں اس طرح پھیل گئی تھیں کہ ان کے سایہ تلے دیگر اسلامی علوم و فنون قوت نمو کھو چکے تھے اور اپنی غذا پوری طرح حاصل نہ کرسکتے تھے۔

ملّا محب اللہ بہاری کی تصنیفات میں کچھ زاویۂ نگاہ بدلا ہوا ہے۔ مگر انھیں نئے نظریات و افکار کا حامل کسی طرح نہیں کہا جاسکتا۔ ان کے شروح و حواشی کے لکھنے میں علما نے جس دقّتِ نظر اور محنت و جاں فشانی کا ثبوت دیا، کاش یہ صلاحیتیں اپنا دائرۂ کار کچھ وسیع کرسکتیں۔ پھر معقولات میں بھی جولانیٔ طبع اس قدر محدود ہوگئی تھی کہ شروح و حواشی

---

[۱] مآثر الکرام: غلام علی آزاد بلگرامی، ص ۲۲۳

کے حدود کو پھلانگنا کوئی چھوٹا جرم نہ تھا، چونکہ قصباتی زندگی میں علم وفضل کا چرچا کچھ نہ کچھ باقی تھا، اس لیے باوجود علمی کوتاہیوں کے علومِ معقولات کی سیرابی علماء وفضلاء اپنے خونِ جگر سے کرتے رہے۔ شاید انحطاط اس لیے آتا ہے کہ قومیں اپنے مرکزِ نقل سے جدا ہوجاتی ہیں۔ وہ دانش ودانائی جو راہِ راست کی طرف رہنما ہوتی ہے، خود گم کردہ راہ ہوجاتی ہے اس لیے صحیح رہنمائی نہیں کرپاتی[1]

ان قصبات میں مختلف اوقات میں جو شخصیتیں پیدا ہوتی رہیں وہ شمس وقمر کی مانند چرخِ ہند پر درخشاں وتابندہ تھیں۔ یہ علمی اور ثقافتی مراکز اگر ایک طرف اس علاقہ کے لوگوں کے لیے باعثِ فخر تھے تو دوسری طرف تمام ملک کے لیے ایک زبردست توجہ کا مرکز بنے ہوئے تھے۔ ہندستان کے گوشے گوشے سے شائقینِ علم یہاں آتے اور علم و عرفان کی دولت سے اپنے دامن بھر کر اپنے وطن ومستقر پر لوٹتے۔ یہ علمی اور ثقافتی مراکز ہندستان کے تمام علماء وادبا کے لیے ایک طرف رابطہ کا ذریعہ تھے تو دوسری طرف فکر و فن کے صحیح معنوں میں محور بھی تھے

قصبات میں علمی مراکز کا ہونا درحقیقت قومی زندگی کی ایک بڑی علامت ہے اور مسلمانوں کی تاریخ میں یہ بات قابلِ غور ہے کہ اگر ایک طرف دمشق، بغداد، قاہرہ، قرطبہ، اشبیلیہ وغیرہ علم وعرفان کے بڑے بڑے مرکز تھے تو اس زمانہ میں مختلف ممالک کے قصبات کی بھی علمی حیثیت ان سے کسی طرح کم نہ تھی۔

ہندستان میں جب دہلی کی مرکزیت ختم ہوئی تو علم وادب کے شیدائیوں کی بزم اودھ کے قصبات میں سجنے لگی۔ اودھ کا علاقہ پورے ہندستان میں سب سے زیادہ علمی حیثیت سے ممتاز اور مشہور رہا ہے۔ اور اس کے قصبات وبستیوں میں بڑے بڑے باکمال علماء پیدا ہوئے۔ علمی حیثیت سے اودھ کے جو قصبات ممتاز ومشہور تھے ان میں بلگرام، ہرگام، جائس، نیوتنی، گوپامئو، امیٹھی، سندیلہ، کاکوری اور خیرآباد ہیں

---

[1] مجلہ علوم اسلامیہ: ص ۹۰

ان میں بلگرام کو نمایاں ترین حیثیت حاصل رہی ہے۔ ہندستان میں علم و فن کے مراکز بہت بڑی حد تک مغلوں کے عہد سے لے کر بیسویں صدی میں تقسیم ہند تک، وہ قصبات رہے ہیں، جہاں علم و ادب کا چرچا رہا۔ ہر ایک قصبہ اپنی ایک خصوصیت اور مرکزیت رکھتا تھا۔ مگر افسوس کہ یہ قصبات جو پہلے علمائ کا مسکن تھے آج علمائ کا مدفن ہیں۔[1]

بلگرام، قنوج کے تحت ایک قصبہ ہے[2]۔ قصبۂ بلگرام کبھی لکھنؤ سرکار سے براہ راست وابستہ تھا، اب ضلع ہردوئی کی ایک تحصیل ہے۔ اور عہد رفتہ کی کہانی قصبہ کا چپہ چپہ سناتا ہے[3]۔ یہ بہت پرانا قصبہ ہے اور ہندستان میں مسلمانوں کی آمد سے قبل موجود تھا۔ اس کی اہمیت اس وقت بھی تھی اور آج بھی ہے۔ قدیم دور سے لے کر آج تک بے شمار علمائ و فضلائ کی آماج گاہ رہا ہے۔ درویش، شاعر، لغوی، مورخ، موسیقار ہر طرح کے لوگوں نے اس دھرتی پر جنم لیا ہے[4]۔

بلگرام کی مدحت و ستائش میں وہیں کا ایک نامور شاعر، شاعر تخلص نوا سنج ہے ؎

سیر باید کرد یاراں تو بہار بلگرام
برزمرد ناز دارد سبزہ زار بلگرام
ہر نفس نظر گلستاں یمن بو می کند
خوش دماغاں از نسیم مشکبار بلگرام

---

[1] اسلامی علوم و فنون، ہندستان میں (الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند) از مولانا حکیم سید عبدالحی
مترجم مولانا ابوالعرفان ندوی، ص ۲۵

[2] منتخب التواریخ: ملا عبدالقادر ملوک شاہ بدایونی، مترجم محمود احمد فاروقی، ص ۵۹

[3] غلام علی آزاد بلگرامی نے مآثر الکرام میں بلگرام کا طول البلد یک صد و شانزدہ درجہ و پانزدہ دقیقہ اور عرض البلد بست و شش درجہ و پنجاہ دقیقہ دیا ہے جو اس وقت کے معیار گرین وچ کے مطابق عرض البلد ۲۷° ۱۱' اور طول البلد ۸۰° ۲' ہے۔

[4] مجلۂ علوم اسلامیہ ص ۹۱

عطف از فردوس می سازد عنان دیده را
چشم بینائے کہ می گردو و چار بلگرام
اہلِ معنی کسب انوار سعادت می کنند
از سوادِ اعظم دولت مدار بلگرام
شش جہت تنگ است بر جولان رخش ہمتش
بر فراز عرش نار و شہسوار بلگرام
یاد ہندستاں کجا از خاطرِ طوطی رود
میکند شاعر بجا وصفِ دیارِ بلگرام

شاعر سخنور[1] ( ۱۱۰۱ھ ـ ۱۶۸۹م / ۱۱۸۵ھ ـ ۱۷۷۲م ) پر منحصر نہیں، خود اس کے پدر گرامی قدر ( صاحب تذکرہ میر عبد الجلیل ) نے ایک پوری مثنوی " امواج الخیال" نام کی لکھ کر وطن پسندی اور وطن دوستی کی داد دی ہے۔ " حب الوطن من الایمان " کا حق بلگرام کے اور بہت سے اہل کمال نے ادا کیا ہے۔ اسی الفت و حسن عقیدت کا جذبہ ہے کہ بزرگانِ بلگرام، بلگرام کا نام بھی ہمیشہ کمال عظمت و حرمت کے ساتھ لیتے رہے ہیں۔ میر غلام علی نے اس کو ' دار السلام ' کے لقب سے یاد کیا ہے۔ وزن و قافیہ کی رعایت سے یہ نازک خیالی قابل داد ہے[2]۔

---

[1] Persian Literature :
A Bio-bibliographical Survey by C.A. Storey
Vol. I, part I page 712.

مآثر الکرام ص ۷۹، سبحۃ المرجان ص ۸۵، تذکرہ علمائے ہند ص ۱۰۸، ۱۰۹، شام انجمن ص ۲۱۳

The Encyclopedia of Islam Vol. I, I A.B. page 1218

[2] حیات جلیل : از مقبول احمد صمدنی ج ۱ ص ۴۲

یہ بات عام طور پر مشہور ہے کہ بلگرام جہاں پر آباد ہے اس آبادی سے متصل جنوب مغرب کی طرف، اور بعض دیگر روایتوں کے مطابق، مشرقی جانب کسی زمانہ میں گنگا بہتی تھی۔ لب دریا جنگل تھا۔ مگر یہاں کے مورخین اس کو تحریر میں نہیں لائے۔ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ آبادی سے قبل کا حال ہی کسی نے نہیں لکھا جس میں اس کا ذکر کیا جاتا۔ لہٰذا اس امر کی بابت کوئی حوالہ نہیں مل سکتا۔ البتہ جب انگریزی حکام نے اودھ کے قصبات کے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہا تو مسٹر ہارنگٹن HARRINGTON ضلع ہردوئی بلگرام کے تاریخی حالات کے مفسر ہوئے۔ تب تقریباً ۱۸۷۰ء میں بعض قابل اہلِ بلگرام نے اپنی معلومات کے موافق ان کو آگاہ کیا۔[1]

شیخ غلام حسن ثمین صدیقی فرشوری[2] مولف شرائف عثمانی، کے پرپوتے جناب مولوی محمد عبدالوالی صاحب نے اپنی تحقیق میں کچھ مختصر کیفیت بلگرام کے متعلق لکھ دی ہے۔ اس میں بھی آبادی سے قبل گنگا اور جنگل کا ہونا سماعت پر تحریر ہے۔

اترپردیش میں تحصیل بلگرام کا بہ اعتبار وسعت تیسرا نمبر ہے۔ جو مشرق میں قصبہ گنج مرادآباد کی آبادی تک، مغرب میں شہر فرخ آباد کے نیچے تک، جنوب میں دریائے گنگ

---

[1] تنقیح الکلام فی تاریخ خطۂ پاک بلگرام: قاضی شریف الحسن و منشی محمد محمود احمد عثمانی بلگرامی ص ۲۰

[2]

Persian Literature: by C.A. Storey, Vol. I part I page 1114

" In the bibliography to the unsigned article on Bilgram in the Encyclopedia I, this word is (correctly ?) spelt Firshawri. FRSHWR (voralizaton ?) is an old form of the name Peshawar (cf. Isami - Futuh-al-Salatin- P. 401-I 7863, also II 7866, 7870 — Tabuqat-i-Akbari-i p. 373) - But this has nothing to do with Ghulam Hasan's nisbah."

اور شمال میں نہر شاردا تک پھیلی ہوئی ہے۔ اس میں تقریباً ڈھائی سو مواضعات ہیں۔ دریائے گنگ کے متصل واقع ہونے کی وجہ سے ساری دنیا میں زرخیزی کے لیے مشہور ہے۔ بلگرام عرض البلد ۲۷ درجہ ۱۱ دقیقہ شمال اور طول البلد ۸۰ درجہ ۲ دقیقہ مشرق کے درمیان واقع ہے۔ بلگرام سطح سمندر سے ۴۸۰ فٹ بلندی پر شہر قنوج سے دس میل جانب شمال اور شہر لکھنؤ سے تقریباً ۶۰ میل دور جانب غرب واقع ہے۔[۱]

اسلامی انسائیکلوپیڈیا میں بھی درج ہے کہ بلگرام کا عرض البلد ۲۷ درجہ ۱۰ دقیقہ شمال اور طول البلد ۸۰ درجہ ۲ دقیقہ مشرق کے درمیان واقع ہے۔ اور ۱۹۵۱ء میں وہاں کی آبادی ۵۶۵ ,۹ تھی۔[۲]

بلگرام کی وجہ تسمیہ کی نسبت 'رواۃ وافسانہ خوانانِ کہن' کا بیان ہے کہ ایک دیو "بل" نامی سے منسوب ہے۔[۳] بعض 'الال پسر بلال' سے اس کا انتساب ظاہر کرتے ہیں، جس کو نیمسار کے متبرک دمرتاض رشیوں کی ایما، سے شری کرشن جی کے بھائی 'بلرام' نے قتل کیا تھا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ 'بل' وہ دیو تھا جس کو ابتدائے

---

[۱] تنقیح الکلام فی تاریخ خطۂ پاک بلگرام : ص ۲۹۵

[۲] The Encyclopeadia of Islam (New Edition) prepared by a number of leading orientalists: edited by an Editorial Committee consisting of H.A.R. Gibbs, J.H. Kramers, E.Leve Provencial, J.Schacht.

[۳] تنقیح الکلام ص ۲۹ "دواپر یگ کے آخر میں جس کو مطابق تاریخ ہنود اب تک ۵ ہزار سال سے اوپر ہوئے، اس مقام پر جنگل تھا اور اس میں بل نامی دیو رہا کرتا تھا۔ اس بل نے پہلے اپنی آبادی قائم کر کے اس کا نام 'بل گرام' رکھا۔ اس کے زمانہ کے بعد اور چوتھی صدی ہجری مطابق دسویں صدی عیسوی کے قبل کے تاریخی حالات صحیح اور قابل اطمینان دریافت نہیں ہوئے۔ تاہم بلگرام کے متعلق کچھ افسانے اور حوالے بھوپت کرت اور اس کے ترجمہ پریم ساگر میں ملتے ہیں۔ یا کچھ قصے کہانیاں بعض زبانوں پر باقی ہیں۔۔۔۔"

زمانہ اسلام میں شیوخ نے ہلاک کیا تھا۔ شیوخ بلگرام کا دعویٰ ہے کہ ان کے اسلاف نے جو محمود غزنوی کی رفاقت و ہمرکابی میں یہاں آئے تھے، سنہ ۴۰۵ھ مطابق سنہ ۱۰۱۴ء میں ریکواروں کو خارج البلد کر کے قصبہ کا نام بلگرام رکھا تھا جس کی تائید و تصدیق میں چند اشعار بھی مرقوم کیے گئے[1]۔

آزاد لکھتے ہیں کہ اکابر طریقت میں سے خواجہ عمادالدین و سید محمد صغریٰ نے سب سے پہلے بلگرام کو بلگرام بنایا اور اپنے مقدم گرامی سے شرف و اکرام بخشا تھا۔ چنانچہ میر سید محمد، خواجہ صاحب کی شان میں فرماتے ہیں ؎

خواجہ عمادالدین قطب الاولیاء — حلقۂ باب حریم او حصار بلگرام
از ورود موکب ایں خسرو عالی جناب — سرمۂ چشمۂ ملک باشد غبار بلگرام
آستان اشرف او بوسہ گاہ آسماں
بارگاہ اقدس آدر افتخار بلگرام[2]

بلاشبہ قصبۂ بلگرام کا قدیم نام سری نگر تھا۔ جو گرد و نواح کے مواضعات میں آج بھی نگر ہی کہلاتا ہے۔ سری، سنسکرت زبان کا ایک تعظیمی لفظ ہے جس کے معنی جناب یا حضرت کے مترادف ہیں۔ اغلب یہ ہے کہ سری رام جی نے اس قصبہ کو بسایا۔ زمانۂ قدیم کے اہل ہنود نے آپ ہی کی مناسبت سے اس کا نام سری نگر رکھا جو برابر رائج رہا۔ جب مسلمان یہاں آئے تو انھیں سری نگر کی وجہ تسمیہ دریافت کرنے پر معلوم ہوا ہوگا کہ سری بلرام جی کے نام پر قصبہ کا نام سری نگر ہے۔ مسلمانوں نے کچھ عرصہ کے بعد بغیر کسی ترمیم و تصرف کے لفظ سری کو جو محض تعظیماً بجائے بلرام جی کے شامل کیا گیا تھا، اس کو بل رام جی ہی کے اصلی نام

---

[1] مسلماں رسیدہ بہ ہندوستاں — رقوماں ہمی بود صدیقیاں
جنود دجلس بود انصاریاں — ترکمان و اغوان بود صاریاں
زیاد و صد و خمس ہجری تمام — سُری نگر را نام بشد بلگرام

[2] حیات جلیل : مقبول احمد صمدنی، ص ۴۳۔۴۴

سے تبدیل کر کے بجائے سری نگر کے بل گرام رکھا، جس کا مطلب ہے بل رام جی کی بستی۔ بیل دیو کی مناسبت سے قصبہ کا نام تبدیل کرنا قرین قیاس نہیں، وہ دیو تھا جس سے لوگ نفرت کرتے تھے۔ اس کو مار ڈالا گیا۔ پھر کسی فاتح کا مفتوح کے نام پر قصبہ کا نام رکھنا فطرت انسانی کے خلاف معلوم ہوتا ہے[1]۔

علاوہ ازیں بلگرام کے نام سے متعلق کئی دلچسپ باتیں بھی کہی جاتی ہیں، پرانی کتابوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا قدیم نام سری نگر تھا جو وہاں کے ریکواروں RAIKWAR راجہ سری رام کے نام سے موسوم ہے[2]۔ اس راجہ نے ٹھٹھیروں کو بے دخل کر کے نویں یا دسویں صدی عیسوی میں قبضہ کر لیا[3]۔

وہ قنوج کی طرف سے دریائے گنگ عبور کر کے یہاں آیا اور اس نے بلند ٹیلہ پر قصبہ آباد کیا۔ قلعہ تعمیر کرایا، شوالہ بنوایا، تالاب کھدوایا۔ اس کا پرانا نام مسلمانوں کی آمد اور قصبہ کی فتح کے بعد تبدیل ہوا۔ چنانچہ شاہ حمزہ نے "فص الکلمات" میں لکھا ہے کہ یہ نام ان کے عہد تک عوام اور ہندوؤں کی زبان پر جاری تھا۔ قرب وجوار کے لوگ اس قصبہ کو اس نام سے پکارتے تھے[4]۔

شاہ برکت اللہ عشقی پیمی (م ۱۱۴۲ھ) نے جو صاحب البرکاتؒ کے نام سے مشہور تھے اپنے ایک ہندی دوہے میں اس کا پرانا نام استعمال کیا ہے[5] جس سے صاف پتہ چلتا

---

[1] تنقیح الکلام فی تاریخ خطۂ پاک بلگرام : ص ۲۹۴

[2] شرائف عثمانی : غلام حسن ثمین۔ "قصبہ ایست بنام بیل مشہور است گویند بیل نام دیو یا جنے بود در عہد کفار آں جا مقام داشت اسم بلگرام نسبت بادست۔"

[3] Gazetteer of Hardoi : H.R. Nevell, page 177.

[4] اکمال الکلام فی مآثر الکرام : ص ۹۰

[5] دیکھیے مآثر الکرام ص ۱۲۱-۱۲۳، سرو آزاد ص ۲۴۸-۲۵۰ و ۳۹۴-۳۹۶، انیس المحققین ص ۴۶ (مخطوطہ)، خاندان برکات (جو آپ کی سیرت پر ایک کتاب ہے) (مسلسل)

کہ ان کے زمانہ میں بھی اس کا پرانا نام اگرچہ عام طور پر رائج نہ سہی لیکن لوگوں کے علم میں ضرور تھا[1]۔ اور اس کو بہ آسانی سمجھا جا سکتا تھا۔ شاہ برکت اللہ بلگرام سے جا کر ایٹہ ضلع کے مشہور قصبہ مارہرہ میں اپنے جد امجد سید عبد الجلیل[2] (۹۷۲ھ/۱۵۶۴ء) ۔ (۱۰۹۷ھ/۱۶۷۵ء) بن عبد الواحد بلگرامی کی ابدی خواب گاہ ہونے کی وجہ سے مقیم ہو گئے تھے۔ خاندانی شرافت و نجابت کا علم جو اہل وطن کو ہوتا ہے وہ بدیس باسیوں کو کہاں ہو سکتا ہے۔ انھیں ملال و شکوہ تھا کہ ان کی عظمت و وقار کو وہاں کے لوگ پورے طور پہ نہ سمجھ سکے اور ان کی سیادت کے لوگ معترف نہیں۔

بیشتر کتابوں میں لکھا ہے کہ " یہ مقام ہمیشہ ممتاز و معروف رہا ہے، بلگرام والوں نے اپنا نام ہر صورت اور عنوان سے روشن کیا ہے۔ فی الواقع خاک پاک بلگرام سے ہر دور اور ہر زمانہ میں بڑے بڑے نامور اٹھے۔ علم و ادب کے عَلَم بردار بھی اور تیغ و تفنگ کے دھنی مرد بھی"[3]

مسٹر جے۔ سی۔ ولیمس J.C. WILLIAMS نے پہلی رپورٹ مردم شماری میں لکھا ہے کہ:

" بزرگانِ بلگرام کے علم و فضل کا شہرہ مدت ہائے دراز سے چلا آتا ہے تاریخ و فلسفہ اور منظومات میں وہ تالیفات عالیہ یہاں کے لوگوں نے فرمائی ہیں جن کا شہرہ بیرون ممالک میں ہو رہا ہے "

---

(مسلسل) [3] اکمال الکلام: ص ۹۰، خاندان برکات: ص ۱

" ہم باسی سری نگر کے آئے بسے سب چھوڑ | 'مارہرے' نئے نگر، ہوں جہاں ساہ نہیں چور
---|---
ہم پورب کے پوربیا جات نہ بوجھے کوئے | جات پات سو بوجھتے دھر پورب کا ہوئے "

[1] خاندان برکات: ص ۱

[2] حالات کے لیے دیکھیے مآثر الکرام: ص ۴۳ ۔ ۴۵

[3] حیات جلیل: مقبول احمد صمدنی، ص ۴۶

۱۸۲۴ء میں بشپ ریجنالڈ Lord Bishop Revd. Reginald Heber
بلگرام آیا تھا، اس کی قصبے کے متعلق یادداشتیں اس کے "سیاحت نامۂ صوبجاتِ بالائی ہند" میں مرقوم ہیں۔[1]

اسی طرح بہت سے انگریز سیاحوں نے اس مشہور و معروف قصبۂ بلگرام کے متعلق مختلف سیاحت ناموں اور گزیٹیر - Gazetteer میں اظہارِ خیال کیا ہے۔[2]

عہدِ اکبری سے لے کر موجودہ صدی تک بلگرام علوم و فنون کا ایک بڑا مرکز رہا ہے۔[3] یہاں کے اہلِ کمال کے متعلق وہ اپنے قلمی نسخہ 'سروِ آزاد' کا حوالہ دیتا ہے۔ مشہور سیاح ٹیفن تھیلر TIEFFAN THALER جس نے بشپ ہیبر BISHOP HEBER کے ساٹھ سال پیشتر بلگرام کو دیکھا تھا، اپنے وقائع نامہ میں لکھتا ہے کہ یہ قصبہ بہت سے باغات و مرغزاروں کے وسط میں واقع ہے۔[4]

ایک دوسرا نامور مورخ و سیاح ٹنانٹ - TENNANT جو یہاں ۱۷۹۹ء میں آیا تھا، اپنی سیاحت نامۂ ہند میں تحریر کرتا ہے کہ:

"بلگرام ویران عمارات کا ڈھیر ہے، انھیں میں چند خس پوش بھی نظر آتے ہیں، جن کے نیچے مقتدر و متمول اسلاف کے خلف باقی اپنا وقت مجبورانہ عسرت میں گذار رہے ہیں۔"[5]

---

[1] Revd. Reginald Heber, Bishop of Calcutta : Narrative of a journey through the Upper Provinces of India from Calcutta to Bombay, in 1824-25 : London 1828.

[2] تنقیح الکلام فی تاریخ خطۂ پاک بلگرام : ص ۳۰۲

[3] BLOCHMANN, J.H. : Vol. II page 101

[4] DES PATER J. TIEFFAN THALER - Von Hindustan I.P. 193 (1785)

[5] Tennant : The Indian Recreations (1799) page 397-398.

اکبری دور میں قصبۂ بلگرام کا ستارہ اپنے اوجِ کمال کو پہنچ چکا تھا، اور اسی وقت سے لفظ 'بلگرام' تاریخ و تذکرہ کی کتابوں میں بالعموم اسی تلفظ کے ساتھ ملتا ہے۔ اور اس میں کسی کو اختلاف نہیں ہے۔ مگر گلیڈون GLADWIN نے آئین اکبری کے انگریزی ترجمہ میں بل گرانگ BELGRANG - لکھا ہے[1]، جو بظاہر تسامح قلم سمجھا جا سکتا ہے۔ ہاں آئین اکبری کا ایک اور املا ملتا ہے جو غالباً عوام الناس کا تلفظ ہے۔ عوام 'گرام' کو بالعموم 'گانو' یا 'گرانو' کہتے ہیں۔ اس لیے بعض مقامات پر 'بل گرانو' بھی لکھا ہے[2]

ایچ۔ ایم۔ ایلیٹ H.M. ELLIOT - نے تاریخ ہند کے دوسری جلد میں بلگرام اور اس کی قدیم آبادی سے متعلق تفصیلی گفتگو کی ہے[3]۔ اس سلسلہ میں یہ آگاہی رکھنا بھی ضروری ہے کہ سر ہنری ایلیٹ Sir Henry Elliot نے نادر قلمی کتابوں کا ایک عمدہ ذخیرہ چھوڑا تھا جس پر مشہور مشرق نواز ڈاکٹر اسپرنگر Dr.SPRINGER نے ایک مقالہ تحریر کیا تھا جو ایشیاٹک سوسائٹی ASIATIC SOCIETY - کے رسالہ ۱۸۵۴ء میں شائع ہوا۔ اس میں خصوصیت کے ساتھ بلگرام کے متعلق حسب ذیل کتابوں کا تذکرہ ہے۔ مسٹر آیروین اس کو پرانے گزیٹر میں نقل کرتے ہیں :

(۱) مثنوی میر عبد الجلیل بلگرامی

(۲) مآثر الکرام : مؤلفہ میر غلام علی آزاد بلگرامی

(۳) تبصرۃ الناظرین۔

---

[1] حیات جلیل : مقبول احمد صمدانی، ص ۴۵ - ۴۸

[2] ایک جگہ لکھا ہے بلگرانو — "قلعہ از خشت پختہ دارد۔ ۲ : ۸۲، بلگرانو : ۲، ۸، ۱۳

[3] H.M. Elliot : The History of India as told by its own Historians (1867) Vol. II.

بلگرام کی زندہ تاریخیں اس کے علاوہ اور بھی بہت سی ہیں[1]۔ سرکاری رپورٹوں اور یورو پین سیاحوں کی تحریرات میں سے بلگرام کا تذکرہ کئی کتب میں ملتا ہے[2]

---

[1] (i) مثنوی امواج الخیال، یہ اولیائے بلگرام کے مدائح میں ہے۔ (ii) جنوریہ (iii) شجرۂ طیبہ - یہ دو جلدوں میں ہے، اس میں سادات کے خاندان کے احوال اور انساب ہیں۔ (iv) شرائف عثمانی (v) نظرۃ الناظرین۔ اس میں قصبہ کے بزرگان شیوخ کے کارنامے، محامد و فضائل مندرج ہیں۔ ان مبسوط و مکمل مقامی تاریخوں کے علاوہ مرأۃ المبتدئین، کتاب سنابل، نفائس المآثر، گلزار ابرار، نورس سنگھار، مہارج الولایۃ اور لسان الزمان میں بھی بزرگانِ بلگرام کے حالات کم و بیش ملتے ہیں۔

[2] (i) سرکار ایسٹ انڈیا کمپنی کے ممالک محروسہ واقع کشورِ ہند اور ریاست ہائے ہندستان کا گزیٹیر، جو آنریبل کورٹ آف ڈائرکٹرس کے حکم سے مسٹر ایڈورڈ تھارنٹن نے انھیں کاغذات و تحریرات سے مرتب کیا تھا جو کمپنی کے قبضہ دفاتر میں موجود تھے۔ مطبوعہ لندن ۱۸۵۴ء۔

A Gazetteer of the Territories under the Government of the East India Company and the native stts on the Continent of India.
-- By Capt. Edwar Thoranton vol. I (1854) London - pages 328-329

(ii) اودھ کی بادشاہت میں سفر دلیم سل مین کے۔سی۔بی مطبوعہ ۱۸۵۶ء

A journey through the Kingdom of Oudh.
-- by Sir William Steemann K.C.B. (1856).

(iii) صوبۂ اودھ، مرتبہ اے کارل ٹپ، مطبوعہ ۱۸۷۷ء

The Gazetteer of the Province of Oudh
-- by A.C. Tapp (1877)

(iv) تاریخ ہندستان حسب تحریر مورخین، مؤلفہ پروفیسر ڈاؤسن، ۱۸۷۷ء

History of India by its own historians
-- by Prof. Dawson (1877)

(مسلسل)

بلگرام میں کب سے علم و فن کا چرچا رہا اور مسلمانوں کی آمد یہاں کب، کیوں اور کیسے ہوئی اور اس کا فاتح اول کون تھا۔ اس مسئلہ میں اہالیانِ بلگرام اور دیگر متعلقینِ بلگرام کا زمانۂ قدیم سے اختلاف چلا آرہا ہے۔ وہاں کے شیوخ اور سادات نے اس سلسلہ میں کافی لکھا ہے۔ اور ہر حلقہ کی طرف سے دلائل کا انبار لگایا گیا ہے۔ آزاد بلگرامی کے زمانہ میں اس مسئلہ کو کافی اہمیت دی گئی تھی، بلکہ یہ قلمی مناظرہ کی شکل اختیار کر گیا تھا۔ بعد کے لکھنے والوں نے بھی کچھ نہ کچھ اس موضوع پر لکھا ہے۔ اور حال تک اپنے اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت کرتے رہے ہیں۔

مولانا آزاد بلگرامی اور ان کے ہم نواؤں کا خیال ہے کہ محمد صغریٰ نے اپنے پیر و مرشد خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی ایما پر سری نگر کو فتح کیا تھا۔ چنانچہ مآثر الکرام کی فصل اول کے مقدمہ میں جو فقراء کے ذکر و حالات پر مشتمل ہے، اس مسئلہ سے متعلق ان الفاظ میں اظہارِ خیال کیا ہے:

---

(سلسل) ہندوستان کا امپیریل گزیٹیر، مرتبہ مسٹر ہنٹر ۱۸۸۱ء مطبوعہ لندن ج ۲

The Imperial Gazetteer of India, W.W. Hunter (1881) (V)

(VI)
Final Settlement Scheme of Hardoi Distt. 1897-88
-- by Mr. J.S.C. Davis

(VII)
Selection from State papers preserved in the Military Department
-- by G.W. Forrest C.I.E. Calcutta 1902.

The Gazetteer of Hardoi, Vol. XLI (VIII)
-- by H.R. Hevill (1904) (Allahabad)

The Imperial Gazetteer of U.P. Lucknow Division
(Govt. Press) Allahabad 1905. (IX)

The Imperial Gazetter of India, vol. VIII - Oxford 1908. (X)

(XI)
Supplementary Notes & Statistics to vol. XLI of the District Gazetteer of the United Provinces of Agra and Oudh - Allahabad 1915, Hardoi Distt. B vol.

"واول کسے از اکابر طریقت کہ بہ مقدم گرامی بلگرام را
شائستہ اکرام ساخت خواجہ عماد الدین و سید محمد صغریٰ
ہر دو مرید خواجہ قطب الدین دہلوی و جناب معین الدین
چشتی اجمیری قدس اسرارہم"۔ [1]

مگر اس سلسلہ میں جتنی بھی عبارتیں لکھی گئی ہیں ان کو پیش نظر رکھتے ہوئے "فاتح اول" کا تصور نہیں قائم ہوتا اور نہ یہ کہنا صحیح ہوگا کہ آزاد نے خاندانی عصبیت کی بنا پر محمد صغریٰ کے قدوم کو اولیت کا درجہ دینا چاہا ہے۔ بلکہ دونوں طرف سے افراط و تفریط ہوتی ہے۔ محمد صغریٰ کے حالات میں فتح بلگرام کا ذکر ضرور آیا ہے اور واضح الفاظ میں آزاد نے بتایا ہے کہ وہاں راجہ سری نہایت سرپھرا اور سخت متعصب انسان تھا۔ اس کو اپنے جاہ و حشم اور فوج و سپاہ پر بڑا گھمنڈ تھا۔ اس لیے کسی کو خاطر میں نہیں لاتا تھا۔ وہ محمد صغریٰ سے معرکہ آرا ہوا اور اپنے خویش و اقارب اور سردار و سپاہ کے ساتھ مقتول ہوا۔ فقرہ "فتح خداداد" سے اس فتح کی تاریخ بھی نکلتی ہے۔ [2]

غلام علی آزاد بلگرامی کی عبارتوں سے حتمی طور پر یہ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا کہ وہاں مسلمان آباد نہ تھے، اور محمد صغریٰ کی آمد اور فتح کے بعد مسلمانوں کا وجود ہوا۔ بلکہ اس کے برعکس آزاد کی عبارت سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ وہاں مسلمان آباد تھے۔ "کسے از اکابر طریقت" کا فقرہ صاف اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ کچھ عام مسلمان ضرور تھے۔ ورنہ تخصیص اور حصر کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ مطلق مسلمان کا لفظ مستعمل ہوتا۔ وہاں مسلمان تھے مگر "طریقت" کے مروجہ سلسلہ سے منسلک ہونے والوں میں سے کوئی نہ تھا۔ اس لحاظ سے ان کا قیام اولیت کا حامل ہے۔ [3]

ریاست اودھ کے نئے گزیٹیر میں، جو کہ حال ہی میں ہندستان میں ۱۹۸۵ء میں

---

[1] مآثر الکرام: فصل اول، ص ۷

[2] ایضاً ص ۱۱

[3] مجلہ علوم اسلامیہ: ص ۹۵

طبع ہوا ہے۔ بلگرام کے تاریخی حالات کے متعلق بہت تفصیل کے ساتھ تحقیقی انداز میں بیانات ہیں۔ یہ گزیٹیر سب سے پہلے ۱۹۰۰ء میں طبع ہوا تھا۔ اس گزیٹیر میں تعارفی نوعیت کا ایک بسیط باب مسٹر ڈبلیو۔ سی۔ بینٹ W.C.BANNET, Asstt. Commissioner کے مفید آرا سے متعلق ہے ؎

---

؎ Gazetteer of the Province of Oudh : vol. I A to G.
B.R. Publishing Corporation, Delhi (1985) page 318-319.

" Sri Nagar could not have grown into a town of much importance by the time of Sultan Mahmud's Kanauji campaign (1018 A.D.) otherwise from its vicinity to Kanauj it would have been noticed by the contemporary historians, and by the author of the 'Mirat-e-Masudi' in his mention of the places to which Sayyed Salar despatched detachments from Sa trikh in his Oudh campaign (1032 A.D.).

" The Sheikhs of Bilgram boast that they came Mahmud and expelled the Raikwars in 405 Hijra (1014 A.D.) and re-named Sri Nagar as Bilgram .....

" The real conquest of Bilgram did not take place till 1217 A.D. It is not at all impossibl that Sri Nagar may have been visited and despoiled, as was Kannauj itself by Mahmud's army, or that some sheikhs may have remained behind there, more probably from Sayyed Salar's than from Mahmud's expedition as was the case at Gopa Mau, and Mallawan; but there could have been no political displacement at this date of Raikwars by Muhammadens.

(مسلسل)

(مسلسل)

" The oldest Sheikh tomb to which the Sheikhs can point is that of a half-mythical personage - Khwajae Madd-ud-Din -- a holy man and disciple of Khwaja - Abu Muhammed Chishti (mentioned in the 'Mirat'e'Masudi' quoted at page 525, Elliot's History of India, vol. II) Khwajae Madduddin say the Sheikhs, slew the demon 'Bill', by enchantments and converted number of people to the faith of Islam.

In death the demon, says their tradition, entreated that the town might be called by his nam, Bilgram i.e. the abode of Bil. This saint used to daily walk across the Ganges to worship at Kannauj - 10 miles off. Another Sheikh-account attributes the defeat of the Raikwars t Qazi Yusuf, who served, they say, under Sultan Mahmud. The only noticeable point in this tale is that according to it, the brother of Raja Sri, in order to save the Raikwars domain, became a Muhammaden and was named Mukhtar-e-Din and his son Ikhtiar-e-Din. A (monument) Sijil by this Qazi Yusuf, dated 438 Hijra (1146 A.D.) is said in the Sharaf-Usmani, to be in the possession of the descendants of the Lal Pir of Gopa Mau."

العثمانی المدنی گازرونی نے ۴۰۹ھ مطابق ۱۰۱۸ء میں سلطان محمود غزنوی کی خاطر فتح کیا[1]۔ قنوج پر محمود کا حملہ ۴۰۷ھ/ ۱۰۱۶ء میں ہوا تھا[2] اس کے بعد وہاں اور اس کے مضافات میں مسلمان مختلف شکلوں اور حیثیتوں سے آباد ہو گئے تھے۔ چنانچہ آزاد کی اس عبارت سے اس طرف اشارہ ہوتا ہے۔ یہ خواجہ عمادالدین کے تذکرہ میں سید شریف بن سید عمر حسنی واسطی بلگرامی کی کتاب "مرأۃ المبتدئین" کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

"از متقدمین است چوں مابین بلگرام و قنوج دریائے گنگ
است بہ لباس طالب علمی از بلگرام بہ قنوج وقت سحر کہ کسے
خبردار نہ شود بر روئے آب می رفت و سبق می خواند و
شام می آمد"۔[3]

کہا جاتا ہے کہ خواجہ عمادالدین اپنی علمی تشنگی دور کرنے کے لیے گنگا اتر کر قنوج پہونچتے اور سیراب ہو کر شام کو گھر واپس ہوتے۔ اگر بلگرام اور اس کے مضافات میں مسلمانوں کے کنبے آباد نہ ہوتے تو ایسا شخص جو وہاں کے مشرکین سے نبرد آزما ہو چکا ہو، اس آسانی سے آمد و رفت جاری نہ رکھ سکتا تھا۔ خود "المتقدمین" کا فقرہ اس بات کی دلیل ہے کہ تقدم میں دوسرے لوگ بھی شریک تھے۔ اور مختلف حیثیتوں میں مسلمان آباد ہو چکے تھے اس جملے کے تمام قضیے مسلمانوں کی موجودگی پر دلالت کرتے ہیں۔

---

[1] The Encyclopedia of Islam : edited by editorial committee consisting of H.A.R. Gibb, J.H. Kramers, E.Leve Provincial, J.Schacht.

[2] روضۃ الصفا: ص ۱۱۴ میں لکھا ہے: و سلطان ورثا من عشر شعبان سنۃ سبع و أربع مائۃ بقنوج رسید (تہران، ۱۳۲۵ شمس ہجری)

[3] مآثر الکرام: ص ۹ و ص ۷۸، و ص ۷۹

قنوج اور بلگرام کے درمیان کا فاصلہ کم و بیش پانچ کوس بتایا جاتا ہے[1]۔

میر عبدالجلیل بلگرامی (۱۱۳۸ھ / ۱۷۲۵ء) نے سادات بلگرام کا نسب نامہ ایک قصیدہ میں نظم کیا ہے جو ۱۵۰ ابیات پر مشتمل ہے۔ اس میں ان کے تمام پرکھوں کے مختصر صفات کا ذکر بڑی خوش اسلوبی سے آگیا ہے۔ اور زبان و بیان کے لحاظ سے بھی بہت دل کش مانا جاتا ہے۔

آزاد بلگرامی نے اپنی تصنیف میں چند اشعار لکھے ہیں، جو محمد صغریٰ کی نصرت و کامیابی اور قیام بلگرام سے متعلق ہیں۔ ان میں سال وفات، مہینہ، دن اور وقت کا جو تعین کیا گیا ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خاندانی طور پر کوئی نوشتہ بڑی اہمیت کے ساتھ محفوظ رکھا گیا تھا[2]۔

جس 'فتح خداداد' کا ذکر آزاد نے کیا ہے، اس کا حوالہ یہاں بھی موجود ہے۔ قریب قریب انھیں خیالات کے راوی غلام حسین ثمین بھی ہیں۔ اگر عام طور پر محمد صغریٰ اور خواجہ عمادالدین کے متعلق بلگرام کا فاتح ہونا مشہور تھا تو اس کی کچھ اصل بھی ہوگی۔ اولیت فتح نہ ثابت ہو تو بھی اس قدر ضرور ہے کہ بزرگانِ دین میں سے انھیں بزرگوں نے اول اول وہاں طرحِ اقامت ڈالی ہوگی۔ خواجہ عمادالدین کے متعلق "شرائف عثمانی" کا یہ جملہ کافی اہمیت کا

---

[1] آزاد نے فاصلہ دو کروہ لکھا ہے۔ بلگرام اور قنوج کے موجودہ فاصلے کو صمدنی صاحب دس میل بتاتے ہیں (حیات جلیل: ۱ : ۶۵) لفظ کروہ کی جو تشریح مختلف فارسی زبان میں کی گئی ہے، اس کی رو سے یہی تخمینہ ہوتا ہے۔

[2] مآثر الکرام: ص ۲۷۰-۲۷۱

| | |
|---|---|
| "جد کاں محمد صغریٰ کہ تیغ او | بر بلگرام یافتہ فتح و مظفری |
| مفتوح گشت در زمن شاہ التمش | تاریخ آں ز لفظ "خداداد" بشمری |
| در سال شش صد و چہل و پنج فوت کرد | آسودہ بر بساط معلائے عبقری |
| شعبان در روز چارھم ضحوۂ ثمنیں | کرد از جہاں بہ ملک مقدس مسافری |
| باشد بہ بلگرام مزار مبارکش | بر مرقدش کنند ملائک مجاوری۔ |

حامل ہے۔

"مشہور است کہ حضرت خواجہ عماد الدین اورا (یعنی بیل دیو) کشتہ و چراغِ اسلام روشن گردانیدہ"

مرأۃ المبتدئین کا حوالہ وہ لوگ بھی دیتے ہیں جو اس کو ساقط الاعتبار کہتے ہیں، "مرأۃ الاسرار" کے حوالے سے جو 'کشف المحجوب' (مصنفہ علی بن عثمان ہجویری) (پیدائش ۴۶۵ھ/ ۱۰۷۵ء) اور روضۃ الصفا (مصنفہ میرخواند: پیدائش ۸۳۸ھ/ ۱۴۳۴ء) سے ماخوذ ہے۔ ان کو خواجہ ابو محمد چشتی کے خلفاء میں شمار کرتے ہیں۔ خواجہ چشتی آپ کے متعلق فرمایا کرتے تھے:

"عماد الدین ما عماد دین است"

اگر ثمین کی بات تسلیم کرلی جائے تو زمانہ کے تفاوت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو مختلف شخصیتیں ہیں۔[1]

عثمانی اور صدیقی شیوخ کو اس سے انکار ہے کہ محمد صغریٰ نے سری رام نام کے راجہ سے جنگ کی اور بلگرام کو فتح کیا۔ یہ قرین قیاس ہے کہ قنوج کے بعد بلگرام کی طرف مسلمان مجاہدین کا رخ ہو گیا تھا۔ کیوں کہ جہاں بھی مسلمان گئے انھوں نے مال و دولت اور عزت و حشمت کو فوقیت نہیں دی مگر شاذ و نادر بلکہ تبلیغ دین کے جذبہ سے اطراف و جوانب میں پھیل گئے۔ یہ صحیح ہے کہ سلطان محمود کے زمانہ میں وہ دینی حرارت باقی نہیں رہی تھی جو قرون اول کے مسلمانوں کی جان تھی، لیکن کسی نہ کسی حیثیت میں اسلام کا علم بردار گروہ باقی تھا۔ انھیں مسلمانوں کے کچھ افراد نے جو اس

---

[1] روضۃ الصفا میں خواجہ عماد الدین کا دو جگہ ذکر آیا ہے۔ لیکن ان میں سے کوئی بھی وہ عماد الدین معلوم نہیں ہوتا، جس کا ذکر آزاد نے کیا ہے۔ ایک کا نام خواجہ عماد الدین کرمانی بتایا گیا ہے (۴/ ۴۹۴ ھجر) جنھوں نے شیراز کو فتح کیا تھا۔ دوسرے بزرگ عماد الدین زنگی بن آقسنقر ہیں۔ محمود بن محمد بن ملک شاہ سلجوقی نے ۵۲۲ ھجر/ ۱۱۲۸ء میں ان کو عراق کا حاکم مقرر کیا تھا۔ (۴/ ۵۹۴ ھجر) ثمین نے جس خواجہ عماد الدین کا حوالہ دیا ہے، کتاب کے تتبع سے نہ مل سکا اور نہ ہندستان میں ان بزرگوں کے ورود کا پتہ چل سکا۔

وقت قصبہ میں داخل ہوئے تھے تب یہیں اپنی ایک حیثیت قائم کرلی ہوگی[1]

شیوخ کے بیانات میں جا بجا تضاد سا محسوس ہوتا ہے لیکن بغور مطالعہ سے یہ قدرِ مشترک ضرور حاصل ہوتا ہے کہ خواجہ عماد الدین اور محمد صغریٰ کی اہمیت اس لحاظ سے یقیناً ہے کہ انھوں نے اسلام اور اسلامی تعلیمات کا گہوارہ بلگرام کو بنایا، اگر محمد یوسف گازرونی نے اپنے قوت بازو سے اس کو فتح کیا تو ان قدسی صفات ہستیوں نے اپنی علمی قوت سے اس کو فتح کیا۔ اور اپنی عملی زندگیوں کے نمونہ سے کفر و ضلالت کو کافور کیا۔ اخلاق کریمہ اور اوصاف حمیدہ جیسی صفات و روایت وہ فطری طریقہ تھا جو بلگرام کی فتح کے سلسلہ میں پیش آیا۔ اس خیال کی تائید آزاد کے مخالفین اور شیوخ کی لکھی ہوئی کتابوں سے بھی ہوتی ہے۔ محمد محمود عثمانی نے 'تنقیح الکلام' صرف اس لیے لکھی تھی کہ 'مآثر الکرام' اور 'سروِ آزاد' سے بعض تاریخی حقایق کے سمجھنے میں جو غلط فہمی ہو سکتی تھی، وہ رفع ہو جائے۔ چنانچہ انھوں نے اپنی انتہائی کوشش صرف کی کہ محمد صغریٰ کو بلگرام کا باشندہ ثابت نہ ہونے دیں، مگر اس کے ساتھ ساتھ جب خواجہ عماد الدین کا تذکرہ کرتے ہیں تو یہ جملہ بھی لکھتے ہیں :

> "ابتدائے اسلام بلگرام میں اوّل اوّل جس نے ولایت کا جھنڈا گاڑا وہ بالاتفاق آپ ہی کی ذاتِ بابرکات تھی۔"[2]

پھر اسی کتاب میں لکھتے ہیں :

> "بلگرام کے تمام خاندانوں میں شروع سے اب تک کوئی ایسا نہیں جو آپ کو مقدم اسلام بلگرام اور یہاں کا شاہِ ولایت نہ مانتا ہو۔"[3]

---

[1] مجلہ علوم اسلامیہ : ص ۱۰۱ ، و ص ۱۰۲

[2] تنقیح الکلام فی تاریخ خطۂ پاک بلگرام : ۱ / ۴۳

[3] ایضاً ص ۱ / ۴۳

ممکن ہے سلطان محمود سبکتگین کی فوجیں سری نگر سے گذری ہوں۔ اور وہاں پر ہندوں سے تصادم ہوا ہو، جس کے نتیجہ میں غارت گری بھی ہوئی ہو، اور کچھ شیوخ وہاں قیام پذیر ہوگئے ہوں۔ لیکن صحیح بات یہی ہے کہ مسلمان جماعتی شکل میں سید سالار کے ساتھ آئے جیسا کہ ملانواں اور گوپامئو میں ہوا تھا۔ اور بلگرام کو صحیح معنوں میں شیخ محمد فقیہ عراقی نے التمش (۶۰۷ھ / ۱۲۱۰ء — ۶۳۳ھ / ۱۲۳۵ء) کے زمانہ میں فتح کیا تھا[1] ریاست اودھ کے نئے گزیٹیر میں بھی انھیں دونوں ناموں کا ذکر ہے کہ سید محمد صغریٰ اور شیخ محمد فقیہ عراقی بلگرام کے تعلقہ داروں کے آباء و اجداد میں سے تھے[2]

---

[1] District Gazetteer U.P. : H.R. Nevell : vol. 41 page 178 - Lucknow Ed. 1922

[2] Gazetteer of the Province of Outh:Vol I A to G B.R. Publishing Corporation, Delhi (1985) page 319.

"The extent to which that half of the Pargana which has not been absorbed by the Sayyeds into their Taluqas, has ben Parcelled out between different clause of Chhattris, and between Brahmins, Kayasthas and others, suggests the inference that the Raikwar Colony at Srinagar had either been unable to clear and occupy, or was too weak to retain a large portion of the pargana upto the time of the Muhammaden conquest. The compaign of Shahab-ud-Din Ghori in 1193 A.D. and the fall of Kanauj must have shattered the power of the petty Rajas on the Hardoi bank of the Ganges, so that when, a generation later, in 1217 A.D.

شیخ محمد فقیہ عراقی کے فتح بلگرام کی روایت کس درجہ کی ہے، حتمی طور پر اس کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا، کیونکہ مختلف مصادر میں مختلف افراد کے نام بتائے گئے ہیں۔ ظاہر ہے نیول (NEVELL) بلگرامی نہیں تھا، اس لیے مقامی عصبیت سے ماورا ہوگا۔

آزاد نے بھی قاضی عبدالمنتخب صدیقی فرشوری کے حالات میں اس حیثیت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ شیوخ کے جدامجد اور محمد صغریٰ خراسان سے ہندستان آئے تھے اور یہیں پر بس گئے۔[1]

مقبول احمد صمدنی نے بھی شیوخ اور سادات کے قیام اور فتح بلگرام کی اولیت اور افضلیت کو پیش نظر رکھ کر مطابقت کی کوشش کی ہے۔ "شرائف عثمانی" کی تالیف کے وقت جو سجل[2] مرقوم ۴۳۸ھ / ۱۰۴۶ء سید اعزازالدین معروف بہ لال پیر گوپاموی کی

---

Shamsud Din Altamash poured in his troops to complete the Subjugation of the Country, only a feeble resistance can have been made. Two Muhammaden captains seem to have reduced Sri Nagar and the country round it, Sheikh Mohammed Faqih of Iraq and Sayyed Muhammed Sughra, ancestors of the Taluqdars of Bilgram. Of the former, the author of "Notes on the Races and Tribes of Oudh", writes (p.66): - "A little later, in the time of Shamsud Din Altamash (614 H-1217 A.D.) Sheikh Muhammed Faqih of Irq with a force took possession of Bilgram. When he and his followers had made themselves secure, they brought their wives and relatives from their native land, so say their descendants now. These Sheikhs acquired no estates, but in later times the legal parts of the Pargana became hereditary in their family."

[1] مآثر الکرام : ص ۱۵

[2] سجل : بکسر سین و جیم و تشدید لام ، چیک جس پر مہر ہو یا کوئی تحریر جس پر قاضی کی مہر اور دستخط ثبت ہوں ۔ قبالہ شرعی یا قاضی کا حکم نامہ۔

اولاد کے پاس تھا، اس کے مطابق بلگرام کی فتح کا سہرا قاضی یوسف کے سر ہے، جو محمود غزنوی کے امیر فوج تھے[1] صمدنی صاحب نے بھی ان باتوں کی طرف اشارہ کیا ہے کہ شیخ محمد فقیہ اور محمد صغریٰ نے تنظیم حکومت کے لیے سلطان التمش کے اثر واقتدار کو بڑھا اور رعایا و باشندگان بلگرام کو مطیع و منقاد کیا[2]

ریاست اودھ کے گزیٹیر میں مغلیہ دور کے ہونے والے مختلف حملوں میں بلگرام پر جو اثرات پڑے، اس پر بحث کی گئی ہے[3] پھر بھی بلگرام کی قدیم تاریخ پر پردۂ خفا پڑا

---

[1] ڈسٹرکٹ گزیٹیر (یو۔پی) ۴۱/ ۱۷۸ (ضلع ہردوئی) لکھنؤ ۱۹۲۳ء

[2] حیات جلیل ص ۴۴، ۴۵

[3] Gazetteer of the Province of Oudh: Vol I p.319-21

"From the Jinudia and Shajra-e-Taibaq family histories of the Bilgram Sayyeds, we learn many facts which possess rather a domestic interest. The Sayyed leader above mentioned was of the same family as the conquerors of Saudi and Unao. We may pass the great battle fought here between the rival claimants for the Delhi throne in 1540 A.D.

Humayun's army is stated at 90,000; Sherkhan at 50,000. Neither army was eager to attack. At length, Muhammed Sultan, the pardoned rebel of Kanauj and Bilgram, again deserted his master ................ Sher Shah mounted the throne of Delhi. In his short but brilliant reign of five years (1540-1545) be reformed the administration of the country to an extra ordinary extent. He is said to have divided all Hindustan (not including Bengal) into 47 Districts, and appointed proper officers for the Government and protection of each ................ , Salim Shah (1545-1553) displayed the same administrative ability as his father................



(مسلسل)

ہوا ہے۔ ہندوؤں کے آثار و شواہد یہاں مکمل مفقود ہیں۔ سلطان اکبر کی وفات سے لے کر اودھ کی جداگانہ سلطنت کے قیام تک بلگرام کے اطراف کی تاریخ بہت کم ملتی ہے، مگر یہ بلگرام خود اس سے مستثنیٰ ہے۔ مسلمانوں کی آمد کے بعد اس کی تاریخ کا نیا دور شروع ہوتا ہے۔ لیکن وہ بھی اکبری دور تک۔ اکثر صرف روایات اور سجلّات کی حد تک سلطان اکبر اور لبعد کے زمانہ کی لکھی ہوئی تاریخی کتابوں میں اس کا تذکرہ بڑے اہتمام سے ملتا ہے۔ یہاں کے علماء و فضلاء مختلف درباروں میں عزت کے مقام پر فائز تھے۔ ان باکمالوں کی وجہ سے بلگرام وقعت اور عزت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا۔ دیگر علماء، فضلاء اور شعراء کی زبانوں پر اس کی توصیف و تعریف تھی۔ غلام علی آزاد بلگرامی نے "سروِ آزاد" میں لکھا ہے:

"و از عہد اکبر بادشاہ سکۂ سخن را رواجی دیگر بہم رسید و اکثر امصار بوجود موزونان معمور گردید۔ ازان جملہ شہر بلگرام حفظ اللہ عن حوادث الایّام"۔ [1]

نعمت خان عالی (۱۱۲۱ھ/ ۱۷۰۹ء) نے لکھا ہے:

"سادات بلگرام فی الواقع ذوی الاحترام اند چوں تختۂ مجد

(مسلسل)

These matters belong more property to the history of India; other facts concerning Bilgram are found under Hardoi.

The family of Sayyeds prospered during the reign of bigot Alamgir; and in 1677 AD/1088 H, one of them, Muhammed Fazil, Conqured pargana Bawan and received from the Emperor one-third of its revenues in Jagir. They still have a good state".

[1] سروِ آزاد: غلام علی آزاد بلگرامی، ص ۲۴۳، ۲۴۴

" ورق قرآن نہ لائقِ سوختنی نہ قابلِ فروختنی "۔ [1]

ان باتوں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ بلگرام ایک شہر تھا اور شہری لوازم سے آراستہ اپنی مرکزیت کی وجہ سے علماء و فضلاء کا مرجع بن گیا تھا۔ خصوصاً اکبری عہد میں اس کی اہمیت میں دن دونی اور رات چوگنی ترقی ہو رہی تھی، دیگر شہروں کی طرح اس کے علمی وقار میں اضافہ ہو رہا تھا، شعر و شاعری کا عام چرچا تھا۔ ساداتِ بلگرام کی دینی و دنیوی وجاہت عوام پر مسلّم تھی اور ان کو گہری عقیدت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ ساتھ ساتھ یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ نظمِ مملکت کے پیچ و خم سے زیادہ واقف نہ تھے، اس لیے سیاست میں دخیل نہ تھے، بلکہ تعلیم و تعلم ان کا ہمزاد تھا اور اسی کے ساتھ زندگی بسر کر رہے تھے۔ درباریوں میں جو معاصرانہ چشمکیں ہوتی ہیں ان سے بلگرامیوں کا دامن پاک معلوم ہوتا ہے۔ ورنہ خان عالی جیسا آدمی بلگرامیوں کو اتنا اونچا نہ چڑھاتا کہ دیکھنے والوں کو حیرت انگیز معلوم ہو۔ [2]

بتایا جاتا ہے کہ بلگرام قدیم دور کی دو عظیم سلطنتوں کے درمیان ہیر پھیر ہوتا رہا۔ کبھی اس پر قبضہ و اختیار ہستناپور کی سلطنت کا ہو جاتا تھا، جو اس کے غرب میں واقع تھی، اور جس کا تذکرہ مہابھارت میں بھی آیا ہے، تو کبھی اجودھیا کی شرقی حکومت سے اس کا تعلق ہو جاتا تھا۔ جس کے کارنامے بالمیکی کے رامائن میں شرح و بسط کے ساتھ مذکور ہیں۔ [3]

بلگرام کی حیثیت قدیم زمانہ سے ہی اہم رہی ہے اور قنوج کے پاس ہونے کی وجہ سے مسلمان غازیوں کی توجہات کا بھی مرکز رہا ہے۔ دلّی اور لکھنؤ کی شاہ راہ میں واقع ہونے کی وجہ سے مغلوں کے دور حکومت میں اس کی اہمیت اور بڑھ گئی تھی۔ انگریزوں کی عملداری میں بھی اچھا خاصا ممتاز رہا۔ حال تک انفرادیت کا حامل رہا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ

---

[1] مجلہ علوم اسلامیہ : ص ۱۰۸

[2] ایضاً ص ۱۰۹

[3] ڈسٹرکٹ گزٹیر سول ۴۱/ ۱۲۷ (ضلع ہردوئی) لکھنؤ ۱۹۲۲ء

اس سے متعلق کچھ افسانوی طرز کی باتیں منسوب کی گئیں۔ " آئین اکبری " (تالیف ۹۹۰ھ/۱۵۸۲ء) کا بیان گو مبالغہ آمیز ہے لیکن دل چسپی سے خالی نہیں۔ لکھا ہے:

" بلگرام قصبہ است خوش ہوا بیشتر مردم آن خوش فہم و سرود سرا در آں جا چاہے است کہ ہر کہ چہل روز آب از او بر آشامد شناسائی و حسن منظر افزاید۔" [1]

ابن خلدون نے لکھا ہے کہ علم و دانش اور فکر و فن کی آماج گاہ وہی مقامات ہو سکتے ہیں جو آب و ہوا کے لحاظ سے لطیف و خوش مزہ اور زرخیزی کے اعتبار سے خوش نمو ہوتے ہیں۔ [2]

یہ حقیقت ہے کہ فارغ البالی، رعنائی کو چار چاند لگا دیتی ہے۔ بلگرام کو یہ تمام چیزیں میسر تھیں۔ اس لیے اس کا حسن زیبا مختلف صورتوں میں جلوہ گر ہوا۔ یہی شاعر کی لَے، مورخ کا قلم، موسیقار کی نَے، ادیب و لغوی کی خامہ فرسائی، اور صوفی کی آہ سحر گاہی کی صورت میں نمودار ہوا۔ مجموعی طور پر اس کا حُسن کمال ہی تھا جس نے ابوالفضل جیسے انسان کو باور کرایا کہ وہ اپنی کتاب میں بلگرام کے متعلق جو کچھ اس نے لکھا ہے، وہ اس لحاظ سے اہم ہے کہ اکبری دربار میں ساز و نغمہ، بربط و رباب کو نہایت متبرک مقام دیا گیا تھا۔ ابوالفضل کی مبالغہ آمیز تحریر کا تاثیر علی جعفری افسوس نے " آرائش محفل " میں بھی ترجمہ پیش کیا ہے۔ ہندستان کے بڑے اور اہم شہروں کے زمرہ میں بلگرام کو بھی شمار کیا ہے۔ [3]

---

[1] ابوالفضل علامی: آئین اکبری ۲: ۷۹، نول کشور، لکھنؤ ۱۸۸۱ء

[2] ابن خلدون نے اپنی تاریخ کے تیسرے مقدمہ میں ان امور سے بحث کی ہے۔ عنوان یہ قائم کیا ہے: " فی المعتدل من الأقالیم والمنحرف وتاثیر الھواء فی الوان البشر الشکر من أحوالھم " (۱: ۱۳۸، دار الکتب اللبنانی، ۱۹۵۱ء)

[3] ایک بڑا قصبہ ہے۔ اکثر وہاں کے لوگ قابل، شاعر، صاحب طبع ہوتے ہیں۔ [illegible] ہے جو کوئی چالیس دن مستقل اس کا پانی پئے خوب ہو نے لگے، سوائے اس کے اکثر اہل کمال [illegible] (آرائش محفل: ۱۲۲، انجمن ترقی اردو ہند ۱۹۴۵ء)

موشیر رایمان فرانسیسی معروف بہ حاجی مصطفیٰ اسیر المتاخرین کے ترجمے (جلد اول صفحہ ۳۵۲) کے تحت میں لکھا ہے کہ:

"باشندگان بلگرام بھی اپنی شجاعت و دلاوری کے لیے ہندستان میں شہرت رکھتے ہیں۔"[1]

بلگرام کی تعریف میں میر عبدالجلیل صاحب نے ایک مثنوی عنفوانِ جوانی میں لکھی تھی ؎

| | |
|---|---|
| آب و گل من کہ فیض عام است | از خطۂ پاکِ بلگرام است |
| سبحان اللہ چہ بلگرامے | کوثر منے و آفتاب جامے |

فضلا شہر کی توصیف فرماتے ہیں:

| | |
|---|---|
| وقت منشاں نکتہ پرداز | در ہر سہ کوچہ اش سخن ساز |
| بشکافتہ ہر یکے بہ تحقیق | از وقت نغز مغز تدقیق |

. . . . . . .

| | |
|---|---|
| ہر فرد یگانۂ اماثل | شیرازۂ نسخۂ فضائل |
| دانائے حقیقت کیانی | اشراقی حکمت یمانی[2] |

بلگرام میں علم بھی تھا، فضل بھی تھا، فقر بھی تھا، اہلِ علم بھی تھے، صاحبانِ عمل بھی تھے، وہاں کی بزمِ سخن میں شمعِ کمال پر ہر طرف سے پروانے تصدق و نثار ہوتے رہتے تھے۔[3]

مآثر الکرام کے مصنف میر غلام علی آزاد بلگرامی نے وہاں کے صوفیاء، علماء و

---

[1] ترجمہ سیر المتاخرین (۱ : ۳۵۲) حاجی مصطفیٰ کے متعلق دیکھیے

Note Manns i.e. Haji Mustafa originally Raymond.

STOREY : Persian Literature (636).

[2] مولوی سید مقبول احمد صاحب صمدنی: تذکرہ علامہ عبدالجلیل بلگرامی، موسوم بہ حیات جلیل : ۱ / ۵۷

[3] ایضاً ص ۸۶

فضلاء کا ذکر تو کیا ہی ہے، ان کی اس تصنیف کے مقدمہ میں بھی بلگرام کے علم و فضل کی سرزمین ہونے کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔

"بلگرام ایک مردم خیز بستی ہے، اور اس معدنِ علم و فضل سے ایسے ایسے بے بہا لعل نکلے ہیں جن کے نام اس سرزمین میں ہمیشہ روشن رہیں گے۔ یوں بھی قصبات اور شہروں کی حالت میں بہت تفاوت ہے۔ آب و ہوا کی خوبی اور صفائی، اخلاق کی سادگی، بے ریائی، تکلفات و تصنع سے بری، مسابقہ اور مناقشہ کی کش مکش سے محفوظ، مسلک کی پختگی، یہ اور بعض اور وجوہ ایسے ہیں کہ جن کے سبب اہلِ قصبات کے جسم و دماغ اہلِ شہر کی نسبت زیادہ صحیح ہوتے ہیں۔ اگرچہ شہر کی ترغیبات ان میں سے اکثر کو ایسی منڈی میں کھینچ لے جاتے ہیں جہاں چند نسلوں کے بعد ان میں انحطاط شروع ہو جاتا ہے۔ اگر علماء و فضلاء اور دیگر مشاہیر پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ اہلِ قصبات کا ملک پر بہت بڑا احسان ہے۔

......... ایک بات تاریخی حیثیت سے اس تذکرہ علمائے بلگرام میں خاص طور پر قابلِ لحاظ ہے، وہ یہ کہ ان علماء و فضلائے بلگرام میں سے جن کا اس میں ذکر ہے، ایک بھی اہلِ تشیع میں سے نہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مذہب شیعہ نے وہاں بعد میں رواج پایا اور اگر ان علماء میں سے بعض کی اولاد بھی وہاں باقی ہے اور وہ مذہب شیعہ پر ہے یا ان کے نسب ناموں میں ان علماء کے نام نکلیں تو یہ خیال اور بھی قوی ہو جائے گا۔ یہ امر واقعی ہے کہ اودھ کی سلطنت نے خاص کر آس پاس کے اضلاع اور قصبات پر اور بعض اوقات دور دراز کے مقامات پر بھی مذہبی لحاظ سے خاص اثر ڈالا ہے۔" [1]

مقبول احمد صمدنی قصبہ بلگرام کے متعلق اپنے مضمون کے اختتام پر لکھتے ہیں:

"وہ بلگرام جو کبھی ایک بڑا قصبہ، علم و فضل کا مخزن اور امارت و

---

[1] مآثر الکرام: مقدمہ از عبدالحق۔ حیدرآباد دکن۔ ص ۶ و ۷، ۱۴

شہریت کے لحاظ سے شہرۂ ہند تھا، آج اس سے علم و عمل،
دولت و اقبال تقریباً رخصت ہو چکا ہے اور اجازت دائمی لے
لیا گیا ہے۔ علمی جوش سرد پڑ گیا اور درس و تدریس کا چرچا
جاتا رہا۔ تعلیم و تعلّم کے مستمرہ طریقے سب مٹ گئے۔ وہ دو
ڈھائی ہزار مکانات ویران و نیم آباد کا ایک مجموعہ رہ گیا ہے۔

پھول بھی تھے، پھل بھی تھے، اس سرزمیں پہ کیا نہ تھا
آج ہے ویران، کبھی آباد ہر ویرانہ تھا۔[1]

عہد شاہی میں چونکہ علم و فضل کا اس مردم خیز خطہ میں کافی چرچہ تھا اس لیے یہاں کتابوں کے ذخائر بھی کثرت سے موجود تھے۔ یہاں ہر ذی علم کتابوں کی قدر کرتا، بڑی احتیاط سے لکھتا اور ضرورت کے اوقات میں بوسیدہ نایاب کتابوں کی نقل کرنا ایک تفریحی مشغلہ سمجھا جاتا تھا۔ اس لیے ہر گھر میں ایک چھوٹا موٹا کتب خانہ موجود تھا۔ علماء بلگرام اپنے شاگردوں کو، جو تحصیل علم کے لیے باہر سے بلگرام آیا کرتے تھے، ان کو سبق کے ساتھ کچھ دیر کتابوں کی نقل کا کام بھی دیا کرتے تھے۔[2]

بلگرام میں کئی کتب خانے بہت مشہور تھے۔ جن میں نہ صرف ہندستان بلکہ دنیا کی مشہور، انمول اور کمیاب کتابیں موجود تھیں۔ لیکن عہد انگریزی میں جب ان کتابوں کی ناقدری کا دور آیا اور عربی و فارسی علوم ماند پڑنے لگے تو پھر ان کتب خانوں کی بھی ناقدری ہونے لگی۔

قصبہ بلگرام (اودھ) میں علم و فضل کی سرگرمیاں قاضی یوسف گازرونی کی ابتدائے حکومت ۶۰۹ھ سے شروع ہوئیں اور صدیوں تک جاری رہیں۔ اس سرزمین میں ایسے عالم، صوفی اور صاحب قلم اٹھے، جنھوں نے علم و معرفت کی دنیا میں بڑا نام پایا۔

---

[1] حیات جلیل: مقبول احمد صمدنی ج ۱

[2] تنقیح الکلام فی تاریخ خطۂ پاک بلگرام: ص ۲۹۹

قاضی ابوالفتح بلگرامی عرف شیخ کمال (متوفی ۱۰۰۱ھ) کے کتب خانہ میں فلسفہ، منطق، فن بلاغت خصوصاً تفسیر کی کتابوں کا بہت بڑا ذخیرہ تھا۔ انھوں نے مختلف موضوعات پر بہت سی کتابیں خود اپنے ہاتھ سے لکھ ڈالیں۔ اس کے علاوہ کتابوں پر جامع اور واضح حاشیے لکھ کر ان کی قدر و قیمت بڑھا دیتے تھے۔

سید عبداللہ بلگرامی تابل (متوفی ۱۱۳۲ھ) کے کتب خانہ میں نایاب و نادر کتابیں موجود تھیں۔ آپ کے کتب خانہ کے متعلق آزاد بلگرامی لکھتے ہیں :

کتب خانہ عظیمے از خط خوش نمط خود یادگار گذاشت۔"

ایسے ہی نایاب کتب خانے سید واحد بلگرامی اور دوسرے اکابرین کے پاس تھے۔ ان میں علامہ سید عبدالجلیل بلگرامی (متوفی ۱۱۳۸ھ) کا کتب خانہ بہت مشہور ہے۔

بلگرام کے کتب خانوں کی کتابیں انقلاب زمانہ کے ہاتھوں برباد ہوگئیں اس کے باوجود انگریزوں کے ابتدائی دور تک نایاب کتابوں کے کچھ ذخیرے باقی رہ گئے تھے جن کی بدولت بلگرام انگریز سیاحوں کی توجہ کا مرکز بنا رہا۔

ابھی تک ہم قصبہ بلگرام کی تاریخی و جغرافیائی حیثیت سے ہی گفتگو کر رہے تھے۔ اس کے بعد ہم اس نکتہ پر آرہے ہیں جو ہمارا بنیادی مرکز و محور ہے۔ اس قصبہ میں مختلف زمانوں میں کون سی عظیم و مشہور شخصیتیں پیدا ہوئیں جن کے علم و عرفان کا فیض اس قصبہ سے آگے بڑھ کر پورے برا عظم ہند میں جاری رہا، بلکہ کچھ ایسی نادر اور غیر معمولی شخصیتیں یہاں پیدا ہوئیں جن کی شہرت و عظمت تمام اسلامی ممالک میں پھیلی۔ بلکہ اسلامی ممالک میں وہ ممالک جہاں کی مادری زبان عربی تھی اور جہاں کے چپے چپے میں ادب و لغت و زبان کے ماہرین موجود تھے انھوں نے بھی اس قصبہ کے ہونہار فرزندوں کے علم و عرفان کے سامنے سر جھکا دیا اور ان سے برابری و مقابلے کے بجائے ان سے کسب فیض اور کسب علم کو باعث فخر سمجھا۔ چنانچہ ہم اس بات کی کوشش کریں گے کہ ان شخصیات کا بہت ہی اختصار کے ساتھ تعارف کرائیں تاکہ ان کی روشنی میں سید مرتضیٰ بلگرامی زبیدی کی تصویر کی صحیح و

مناسب ترجمانی ہو سکے اور ان کا موزوں خاکہ بن سکے۔ دیگر علماء کا ذکر خواہ مختصر ہی ہو، اس لیے لازمی ہے کہ سید مرتضیٰ بلگرامی، جو اس تحقیق کا موضوع و محور ہیں، ان کی شخصیت اس وقت تک پوری طرح جلوہ گر نہیں ہو سکتی، جب تک کہ اس قصبہ کے مشاہیر کا تعارف نہ کرایا جائے۔

شیخ اُدھن بلگرامی عثمانی خاندان سے تھے۔ درس و افادہ میں مشغول رہتے۔ مشہور و معروف لوگ ان کے تلمذ پر فخر کرتے۔ ان کا اصلی نام کچھ اور تھا جو نامعلوم ہے۔ شیخ محمد الحرازی جو علامہ احمد الجندی کے شاگرد تھے، جب ہندوستان آئے تو ان کی مجلس میں حاضر ہوئے اور ان کے شاگرد ہوئے۔[1]

قاضی احمد اللہ بلگرامی عرف محمد عثمان ابن قاضی محمد احسان علم فقہ و حدیث کے ایسے ماہر تھے کہ اس وقت بلگرام میں ان کا کوئی نظیر نہ تھا۔ سنہ ۱۱۹۶ھ مطابق ۸۲-۱۸۸۱ء تک بلگرام کے مسندِ قضاۃ پر متمکن رہے۔[2]

فاضل بزرگ کمال الدین بن مکرم الصدیق بلگرامی ان علماء میں سے تھے جن کو درس و افادہ کی توفیق نصیب ہوئی۔ علوم عربیہ اور معارف حکمیہ میں اپنے دور کے علماء پر فوقیت رکھتے تھے۔ کتب متداولہ، پاکیزہ خط (خط نسخ) میں لکھتے اور ان پر مفید حواشی اور نفیس تعلیقات بھی تحریر کرتے۔ سنہ ۹۶۰ھ تک زندہ رہے۔[3]

مولوی اوحد الدین بلگرامی عالم بے نظیر و بے مثال تھے۔ ان کی تصنیف "نفائس اللغات" ایک ایسی تصنیف ہے کہ اس سے قبل اس قسم کی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی تھی۔ اس کتاب میں اردو زبان کو جو فارسی، عربی، ترکی اور ہندی سے مرکب ہے، اصل لغت قرار دے کر اس کی عربی و فارسی کو بیان کیا گیا ہے۔ اس تصنیف کے علاوہ روضۃ الانصار، مفتاح اللسان، تذکرہ شعراء عرب، شرح قصیدہ بانت سعد، شرح دیوان متنبی اور شرح مقامات حریری بھی ان کی تصنیفات میں شامل ہیں۔ مفتاح اللسان، عربی ادب و انشاء پر بطور

---

[1] نزہۃ الخواطر ج ۴ ص ۳۲ مآثر الکرام ص
[2] تذکرہ علمائے ہند، مولوی رحمن علی، ترجمہ: محمد ایوب قادری، ص ۹۰
Persian Literature : by C.A.Storey Vol 1 past 2 page 1115.
[3] نزہۃ الخواطر ج ۴ ص ۲۷۵، مآثر الکرام، ص

سوال وجواب ایک نادر کتاب ہے۔[1]

سید جان محمد بلگرامی (۱۰۸۳ھ/ ۷۳-۱۶۷۲ء) ابن سید معین الدین حافظِ قرآن تھے۔ علوم متعارفہ میں لیاقت وقابلیت حاصل کی۔ زیارت کے شوق میں بغداد، نجف، سر من رائے، کربلا، طوس اور بیت الحرام پہونچے۔ اور حج کے بعد مدینہ منورہ میں موت کی تمنا میں مقیم ہو گئے۔ آپ خط نسخ خوب لکھتے تھے۔ مسجد نبوی میں قرآن کریم کی تصحیح کرتے تھے۔ اسی مقام مقدس میں (۱۱۴۵ھ/ ۳۶-۱۷۳۲ء) میں آپ کا انتقال ہوا۔ علامہ عبدالحی نے آپ کی تاریخِ وفات ۱۵ رجب ۱۱۴۹ھ تحریر کی ہے۔[2]

حافظ سعداللہ بلگرامی بے بدل فاضل اور بے نظیر عالم تھے۔ ملا عبدالرحیم قاضی مرادآبادی کے شاگرد تھے۔ حرمین شریفین کا بھی آپ نے سفر کیا تھا۔ پھر احمد آباد میں اقامت اختیار کی۔ زہد وعبادت میں مشغول رہتے۔ آپ کی وفات ۱۱۱۲ھ/ ۱۷۰۰-۱ء میں ہوئی۔[3]

سید محمد بلگرامی ابن سید عبدالجلیل الحسینی الواسطی کو علم وادب میں کمال حاصل تھا۔ فنون عربی وادب کی تحصیل اپنے والد سے کی تھی۔ "کتاب الجزء الاشرف من المستظرف" ان کی تالیف ہے۔ آپ کی تاریخ پیدائش ۱۱۰۱ھ ہے۔ تاریخ کے موضوع پر ایک کتاب "تبصرۃ الناظرین" بہ زبان فارسی لکھی۔ آپ کی وفات بلگرام میں ۸ رشعبان

---

[1] تذکرہ علمائے ہند ص ۱۲۶، نزہۃ الخواطر ج، ص ۸۸، ۸۹، منتخب التواریخ ص ، ۴۵ ، الثقافتہ الاسلامیہ فی الہند : از عبدالحی الحسنی، ص ۴۸

[2] تذکرہ علمائے ہند ص ۱۴۸ ، مآثر الکرام ص ۲۷۷-۲۸۴ ،
حدائق الحنفیہ ص ۴۴۱، ۴۴۲ ، ابجد العلوم ص ۱۲۲ ، نزہتہ الخواطر ص ۵۴، ۵۵ ج ۶

[3] تذکرہ علمائے ہند ص ۲۱۳
نزہتہ الخواطر : از عبدالحی الحسنی، ج ۶ ص
مآثر الکرام، ص ۲۹۳

۱۱۸۵ھ/ ۷۲-۱۷۷۱ء میں ہوئی۔[1]

حافظ ضیاء اللہ بن خان محمد بن عبد الغفار بن تاج الدین الحسینی الواسطی سادات میں سے تھے۔ بلگرام کے ممتاز فاضل تھے۔ قرآن مجید کے حافظ و قاری اور عالم کامل تھے۔ عربی، فارسی نظم و نثر میں بلند مرتبہ رکھتے تھے۔ ان کو انشاء اور مراسلات میں دست رس حاصل تھی۔ ان کی تاریخ وفات میں اختلاف ہے۔ یہ ۱۱۰۹ھ/ ۱۶۰۰-۱ء میں فوت ہوئے۔ مگر آزاد نے ان کا سال وفات ۱۱۰۴ھ/ ۱۵۹۵-۶ء لکھا ہے۔[2]

مولوی حافظ عبد اللہ بن آل احمد بلگرامی کی پیدائش ۲۱ رجمادی الاول ۱۲۴۸ھ مطابق ۱۸۳۲ء میں بلگرام میں ہوئی۔ گورنمنٹ کالج بنارس میں عربی کے مدرس مقرر تھے۔ اعلیٰ تصنیفات ان کی یادگار ہیں۔ ان میں رسالہ عین الافادہ فی کشف الافاضہ، تشریح النحو، مکاتیب عربی اور قطعات تواریخ عربی و فارسی قابل ذکر ہیں۔ علم صرف میں "فیض الصرف" نامی ایک رسالہ بھی آپ نے تصنیف کیا۔[3]

سید عبد الجلیل بن میر احمد حسینی واسطی بلگرامی کی ولادت ۱۳ رشوال ۱۰۷۱ھ/ ۱۶۶۱ء میں بلگرام میں ہوئی۔ اپنے ہم عصروں میں بہت ممتاز تھے۔ تفسیر، حدیث، تاریخ، لغت، ادب اور شعر گوئی میں کامل مہارت رکھتے تھے۔ عربی، فارسی، ترکی اور ہندی زبانوں میں بڑا ملکہ تھا۔ اور ہر زبان میں ان کی اعلیٰ تصنیفات و تالیفات موجود ہیں۔

---

[1] تذکرہ علمائے ہند ص ۲۲۹، مآثر الکرام ص ۲۹۳-۲۹۶، نزہۃ الخواطر ج ۶ ص ۲۶۱، بحر ذخار ص ۹۱،

Persian Literature : by C.A. Storey Vol 1 part 2 page 1115.

[2] تذکرہ علمائے ہند ص ۲۵۶، مآثر الکرام ص ۲۳۹-۲۴۲، بحر ذخار ص ۲۵۵۴، سرو آزاد (مخطوط) مفتاح التواریخ ص ۲۸۷-۲۸۹ ایضاً، تذکرہ بے نظیر ص ۱۸، نزہۃ الخواطر ج ۷ ص ۱۱۸، الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند ص ۲۱، ۲۵ ایضاً

[3] تذکرہ علمائے ہند ص ۲۶۷

ان زبانوں میں انتہائی فصاحت کے ساتھ گفتگو کرتے تھے اور ہر زبان میں اچھے اشعار کہتے تھے۔ معانی، بیان، بدیع، سیر و اسماء الرجال نیز تاریخ میں بھی کامل تھے۔ سنیچر کی شب ۲۳ شوال ۱۱۳۸ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔[1]

شیخ عبدالواحد بن ابراہیم بن قطب الدین حسینی واسطی بلگرامی شاہدی مخلص، فضائل و کمالات، ریاضت و عبادت کے مالک اور معارف الہند کے ممتاز علماء میں سے تھے۔ ان کی تصنیفات حقائق و معارف سے عبارت ہیں۔ شرح نزہتہ الارواح اور سبع سنابل تصوف کے موضوع پر ہیں۔ ان کی سب سے زیادہ مشہور تصنیف قصّۃ الاخوۃ الاربعۃ کی شرح ہے۔ انھوں نے دیوان حافظ کے مصطلحات کی شرح بھی کی۔ ان کے عجیب و غریب مولفات میں حقائق و تصوف کی زبان پر کافیہ ابن حاجب کی شرح غیر منصرف کی بحث تک ہے۔ ان کی عمر ۸۰ سے متجاوز ہوگئی تھی۔ انتقال شب جمعہ سوم رمضان ۱۰۱۷ھ / ۱۶۰۸ء میں بلگرام میں ہوا۔[2]

میر عبدالواحد بلگرامی، ذوقی تخلص رکھتے تھے۔ انھوں نے دیوان کے انداز پر ایک کتاب "شکرستان خیال" مرتب کی جس میں نظم و نثر دونوں شامل ہیں۔ ان کا انتقال ۱۱۳۴ھ / ۱۷۲۱-۲۲ء میں ہوا۔[3]

---

[1] تذکرہ علمائے ہند ص ۱۰۸، ۱۰۹ ، مآثرالکرام ص ۲۵۷، ۲۷۰ ، مفتاح التواریخ ص ۳۱۰، ۳۱۱ ، سرو آزاد ص ، حدائق الحنفیہ ص ۴۳۷ ، خزانۂ عامرہ ص ۳۵۲، ۳۶۱ ، سبحۃ المرجان ص ۲۰۵ ، ابجد العلوم ص ۹۰۷، ۹۰۸ ، حیات جلیل : مقبول احمد صمدنی ، تذکرۂ بے نظیر : ص ۹۰، ۹۵ ، قضاء الادب من ذکر علماء النحو والادب ص ۲۰۵، ۲۰۶ ، قاموس المشاہیر ج ۱ ص ، الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند ص ۸۵ ، نتائج الافکار ، بحر ذخار ص ۲۶۸ ، نزہتہ الخواطر ج ۶ ص ۱۳۹

Persian Literature : by C.A. Storey Vol I part I page 712.

Brokelmann, Dr. C - Geschichle Der Arabischen Litteratur.

(مسلسل)

حسان الہند غلام علی آزاد بن نوح حسینی واسطی بلگرامی ۲۵ صفر ۱۱۱۶ھ / ۵-۴-۱۷۰۴ء میں بلگرام میں پیدا ہوئے۔ لغت و سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم، احادیث اور عربی و فارسی اشعار کی سند اپنے نانا میر عبدالجلیل بلگرامی سے حاصل کی۔ عربی میں ان کی تصنیفات اوضوءالدراری شرح صحیح بخاری (تا کتاب الذکر)، تسلیۃ الفواد (قصائد) تراجم علماء، دو عربی دیوان ہیں، اور دونوں میں تین ہزار اشعار ہیں۔ کتاب سبحۃ المرجان میں سات سو عربی اشعار بطور مثال درج کیے ہیں۔ نحو، لغت، شعر، تاریخ، فن بدیع، سیر، انساب میں ان کے دور میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا، ان کی تصنیفات میں سب سے زیادہ مشہور تصنیف " سبحۃ المرجان فی آثار الہندوستان " ہے۔ ان کی دوسری معروف و مفید تصنیفات شفاء العلیل۔ غزالان الھند۔ سرو آزاد۔ ید بیضا۔ اور خزانۂ عامرۃ ہیں۔ ان کی تصنیف مآثر الکرام فی تاریخ بلگرام، بلگرام کے علماء و مشائخ کے حالات میں بہت مفید کتاب ہے۔ جس پر " شرائف عثمانی " میں غلام حسین بلگرامی نے تعقب کیا ہے۔ ایک کتاب سادات بلگرام کے نسب میں الشجرۃ الطیبہ ہے۔ السبحۃ السعادۃ ان کے سات دواوین کا مجموعہ ہے۔ آپ کا انتقال اورنگ آباد

---

(مسلسل)

۵۲ تذکرہ علمائے ہند ص ۳۲۹، مآثر الکرام ص ۲۵، ۳۳ ایضاً۔ منتخب التواریخ ص ۶۲۴، انوار العارفین ص ۴۵۹، ۴۶۰، اصح التواریخ ج ۱ ص ۹۸، ۲۵۰ ایضاً، کاشف الاستار (قلمی) از شاہ حمزہ مارہروی ص ۴۱، ۴۲، گلشن ابرار (قلمی) از ریاض الدین سہوانی ص ۱۸، ۱۹، ہدایت المخلوق (قلمی) سرو آزاد (قلمی)، نفائس المآثر، از علاء الدولہ قزوینی، گلزار الابرار از محمد بن الحسن مندوی، نزہۃ الخواطر: ج ۵ ص ۲۶۳-۲۶۴

۵۳ تذکرہ علمائے ہند: ص ۳۳۰، مفتاح التواریخ ص ۳۰۸، بحر ذخار ص ۲۵۷

میں ۱۲۰۰ھ/۱۷۸۵-۸۶ء میں ہوا۔ آپ کے دوستوں نے انھیں کے نام سے تاریخ وفات نکالی ۔ "آہ غلام علی آزاد" ۔ [1]

سید محمد یوسف بلگرامی ابن سید محمد اشرف الحسینی الواسطی بلگرامی، سید عبد الجلیل کے نواسے اور حسان الہند میر غلام علی آزاد بلگرامی کے خالہ زاد بھائی تھے۔ عقلی و نقلی علوم کے جامع اور فروع واصول کے عالم تھے۔ آپ کی پیدائش کی تاریخ ۱۱۱۹ھ/ ۱۷۰۵ء ہے۔ عربی اور فارسی زبان میں اشعار کہتے تھے۔ شعر اور تصوف کے ممتاز عالم تھے۔ ہیئت اور ہندسہ کی تعلیم بھی آپ نے حاصل کی تھی۔ ان کی اعلیٰ تصنیفات میں سے ایک کتاب "الفرع النابت من الاصل الثابت" توحید شہودی کے ثبات میں ہے، جو انھوں نے ۱۱۶۲ھ/۱۷۴۹ء میں تصنیف کی، آپ کی وفات ۲ رجادی الآخر بروز پنجشنبہ ۱۱۷۲ھ / ۱۷۵۹ء میں بلگرام میں ہوئی۔ [2]

---

[1] تذکرہ علمائے ہند ص ۳۶۲، مقالات شبلی : ج ۵ ۔ ص ۱۱۲، از مولانا شبلی نعمانی، مآثر الکرام ص ۱۶۱، ۱۶۴ ایضاً، ص ۳۰۳ ایضاً، ص ۳۱۱ ایضاً ۔ حدائق الحنفیہ : ص ۴۵۴، قاموس الاعلام : حصہ اول: ص ۳۲ ۔ ۳۵، نزہۃ الخواطر : ج ۶ ص ۲۰۱، ص ۲۰۵ ایضاً خزانۂ عامرہ ص ۱۲۳، ص ۱۴۵ ایضاً ۔ سبحۃ المرجان فی آثار الہندوستان ص ۱۱۸، روضۃ الاولیاء : از میر غلام علی آزاد بلگرامی ص ۵۴، ص ۶۸ ایضاً ۔ تذکرۂ بے نظیر ص ۲، ص ۱۵ ایضاً ۔ اتحاف النبلاء، ص ۳۲، ص ۳۳۵ ایضاً ۔ قاموس المشاہیر ۔ مرتبہ نظامی بدایونی، مسلم ثقافت ہندستان میں : عبد المجید سالک، الثقافۃ الاسلامیہ فی الھند : از عبد الحی حسنی ص ۴۵، ۴۷، ۱۴۸ ایضاً

Persian Literature, by C.A. Storey vol. I part 2 page 414

The Encyclopedia of Islam - vol. I AB, page 1218.

[2] تذکرہ علمائے ہند ص ۲۸۳، مآثر الکرام ص ۲۹۶، ص ۲۹۸ ایضاً ۔ مفتاح التواریخ، ص ۳۳۹، ص ۳۴۰ ایضاً ۔ سبحۃ المرجان ص ۲۵۰ ۔ ابجد العلوم ص ۹۱۸، نزہۃ الخواطر ج ۶ ص ۴۲۴ ۔

سید احمد بن عبد اللطیف بلگرامی بن محمود اصغر حسینی واسطی بلگرامی بہت سے فضائل کے حامل، اچھی عادات و اطوار کے، خوش رقم اور حساب میں ماہر تھے۔ یہ بالعموم تحریر و کتابت میں مشغول رہتے۔ مورخہ ۱۴ جمادی الاول ۱۰۹۶ھ/ مراد آباد میں آپ نے وفات پائی اور بلگرام میں مدفون ہوئے۔[1]

سید اسمٰعیل بن قطب عالم حسینی واسطی بلگرامی عالم بلگرام ہیں۔ معقولات اور منقولات میں اپنے ساتھیوں میں ممتاز تھے۔ جلال دوانی کی کتاب 'شرح التہذیب' پر آپ کا حاشیہ بھی ہے۔ اہلِ بلگرام میں سب سے پہلے انھوں نے ہی تشیّع اختیار کی تھی آپ کا انتقال ۱۰۸۸ھ میں ہوا۔[2]

بزرگ عالم و فقیہہ قاضی الهداد حنفی بلگرامی علم و فضل میں معروف فقہا میں سے ایک تھے۔ درس و تدریس میں مشغول رہتے تھے۔ تہذیب المنطق پر ان کی تعلیقات ہیں۔ بلگرام میں عہدۂ قضا پر متمور تھے۔ فقہ اور اصول فقہ میں انھوں نے مہارت حاصل کر لی تھی۔ شیخ غلام حسن نے سید غلام علی مذکور کو "شرائف عثمانی" میں بہت برا بھلا لکھا ہے اور ان پر یہ الزام لگایا ہے کہ ان کے دل میں عثمانیوں کی جانب سے کدورت تھی اسی لیے ان کے محاسن سے "مآثر الکرام" اور دوسری تصنیفات میں آنکھیں بند کر لی ہیں۔[3]

بزرگ عالم و فقیہہ بایزید بن کمال بن عبد الدائم عثمانی حنفی بلگرامی فقہ اور اصول فقہ کے ماہرین میں سے تھے۔ تمام عمر درس و افادہ میں گذاری۔ نزہتہ الخواطر کے مصنف لکھتے ہیں کہ میں نے اپنے بزرگوں سے سنا کہ ان کے شہر اور ان کے زمانہ

---

[1] نزہتہ الخواطر ج ۵ ص ۵۴ ، مآثر الکرام

[2] نزہتہ الخواطر ج ۵ ص ۲۷، ۳۰ ، مآثر الکرام ، تبصرۃ الناظرین ، الثقافتہ الاسلامیہ فی الہند : عبد الحی الحسنی ، ص ۲۵

[3] نزہتہ الخواطر ج ۵ ص ۸۲ ، ۸۳ ، مآثر الکرام ، شرائف عثمانی

میں ان جیسا کوئی نہ تھا۔ ۱۰۶۶ھ تک آپ بقید حیات رہے۔[1]

سید حسن بن نوح بن محمود حسینی بلگرامی بزرگ عالم و فقیہہ تھے۔ قدوری نامی کتاب پر ان کا حاشیہ ہے۔ آپ ۸۰۱ھ تک زندہ رہے۔ شعبان میں ان کا انتقال ہوا مگر ان کا سنہ وفات معلوم نہ ہو سکا۔[2]

سید حسین بن ابراہیم بن نظام الدین حسینی واسطی بلگرامی مشہور بزرگوں میں سے تھے۔ آپ نے تصوف و طریقت میں کمال حاصل کیا۔ حتیٰ کہ مشائخ کے درجہ تک پہونچ گئے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہے۔ وہ پہلے ہندستانی مسلمان تھے جو سکریٹری آف اسٹیٹ آف انڈیا کونسل کے ممبر منتخب ہوئے۔ [illegible] کے بعد آپ کا انتقال ہوا۔[3]

بزرگ و صالح عالم حسین بن نوح بن محمود حسینی واسطی بلگرامی فقیہہ اور اپنے علم و فضل میں ممتاز تھے۔ گوشہ نشین تھے اور عبادت و کتابت میں مشغول رہا کرتے تھے۔ [illegible]ھ تک بہ قید حیات رہے۔[4]

فاضل بزرگ شیخ رفیع الدین بن بدر الدین بن تاج الدین حسینی واسطی بلگرامی عربی کے ممتاز عالم تھے۔ نفیس کتابیں اپنے قلم سے لکھتے تھے۔ اور ان پر مفید حواشی چڑھاتے تھے۔ غلام علی آزاد بلگرامی لکھتے ہیں کہ میں نے "المطول والتلویح"

---

[1] نزہتہ الخواطر ج ۵ ص ۸۸، ۸۹ ۔ شرالف عثمانی

[2] نزہتہ الخواطر ج ۵ ص ۱۳۲ ۔ مآثر الکرام ، قاموس المشاہیر: از نظامی بدایونی

[3] مرأۃ المبتدئین : از شریف بن عمر بلگرامی ، نزہتہ الخواطر ج ۵ ص ۱۳۳، ۱۳۴

The Encyclopeadia of Islam

edited by - H.A.R. Gibb, J.H.Kramers, E.L. Provencial, J.Schacht

vol. I A-B, page 1218.

[4] نزہتہ الخواطر ج ۵ ص ۱۳۴ مآثر الکرام

اور اس کے علاوہ کتب بھی ان کے قلم سے لکھی ہوئی خود دیکھی ہیں۔ انھیں فضائل وکمالات میں امتیازی درجہ بھی حاصل تھا۔[1]

سید طیب بن عبدالواحد حسینی الواسطی بلگرامی بہت بڑے بزرگ، عالم اور صالح تھے۔ ۹ ربیع الثانی بروز یکشنبہ ۹۸۶ھ میں پیدا ہوئے۔ درسی کتابوں کے مشکل مسائل حل کرتے تھے۔ "ھدایۃ الفقہ وتفسیر البیضاوی" پر انھوں نے تعلیق کی ہے۔ ۵ ربیع الاول ۱۰۶۶ھ میں ۸۰ سال کی عمر میں انتقال ہوا۔[2]

بزرگ عالم وفقیہ عبدالحی بن ابوالفتح بن عبدالدائم عثمانی بلگرامی، عربی، فقہ، اصول فقہ کے ایک ممتاز عالم تھے۔ ان کی ایک کتاب "خلاصۃ الفقہ" ہے۔ سفر میں جو کچھ پیش آتا یا آنا چاہئے، قرآن وحدیث سے اس کو جمع کر دیا ہے۔[3]

فاضل بزرگ عنایت اللہ بن قاضی الهداد صدیقی بلگرامی فضل وصلاح میں ایک معروف فرد بلگرام تھے۔ مختلف کمالات وفضائل سے متصف تھے۔ شیخ عبدالحق بن سیف الدین بخاری دہلوی نے آپ کو حدیث کی سند اجازت سے نوازا تھا۔[4]

عالم وفقیہ بزرگ فیروز بن عبدالواحد بن ابراہیم بن قطب حسینی واسطی بلگرامی علم کے مختلف فضائل سے متصف تھے۔ درس وافادہ، فقراء ومساکین کی خدمت اور مسافروں کی آسائش میں مشغول رہتے تھے۔ سو سال تک زندہ رہے ۱۰۶۶ھ میں ان کا انتقال ہوا۔[5]

سید اسمٰعیل بن ابراہیم بن شاہ میر بن نعمت اللہ حسینی واسطی بلگرامی، ربانی

---

[1] نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۱۴۹ ، مآثر الکرام

[2] ایضاً ج ۵ ص ۱۸۹ ، ۱۹۰ ، مآثر الکرام ، مرأۃ المبتدئین

[3] ایضاً ج ۵ ص ۲۱۲ ، شرائف عثمانی

[4] ایضاً ج ۵ ص ۲۹۰ ، مآثر الکرام

[5] ایضاً ج ۵ ص ۳۰۹ ، بحر زخار ص ۸۵۲ ، مآثر الکرام

علماء میں سے تھے۔ ایک فاضل اور متبحر تھے۔ آپ نے بہت سے علماء سے استفادہ کیا۔ اور طریقت حاصل کی۔ مسولی میں مسندِ ارشاد پر متمکن ہوئے۔ ملا نظام الدین سہالوی اور دوسرے بہت سے لوگوں نے آپ سے استفادہ کیا۔ ۱۴ ذی الحجہ ۱۱۶۴ھ مطابق ۱۵۔۰۵۔۱۷۵۱ء میں مسولی میں آپ نے وفات پائی۔[1]

سید یحییٰ بن عبدالواحد بن ابراہیم بن قطب الدین حسینی بلگرامی، ربانی علماء میں سے ایک تھے۔ آپ کی پیدائش کی تاریخ ۲ ذی قعدہ ۹۸۵ھ ہے۔ درس و افادہ میں مشغول رہے۔ ان کی ایک لطیف تصنیف میزان الأعمال و معیار الاحوال فنِ سلوک پر ہے۔[2]

قاضی یوسف بن ابوالکلام بن ابوالفتح بن عبدالدائم عثمانی بلگرامی حنفی فقہا میں سے تھے۔ ان کے عربی اور فارسی میں دو رسالے ہیں۔ داراشکوہ بن شاہ جہاں کے سولہ سوالوں کے جوابات اپنے رسالہ مسمّیٰ "الهدية السلطانية" میں دیئے تھے۔ ۵ ذی قعدہ ۱۰۸۴ھ کو وفات پائی۔[3]

شیخ بہاء الدین نحوی بلگرامی شیخ عبداللہ انصاری ہروی کی نسل سے تھے۔ یہ سید عبدالجلیل بلگرامی کے چچازاد بھائی تھے۔ ۱۱ ربیع الاول ۱۰۸۳ھ آپ کی تاریخِ پیدائش ہے۔ آپ نے خصوصیت کے ساتھ فنِ نحو میں مہارت حاصل کی۔ بہت سے لوگوں نے آپ سے استفادہ کیا۔ آپ کا سنِ وفات ۱۱۱۱ھ ہے۔[4]

شیخ جمال اللہ حنفی بلگرامی شیخ الہداد صدیقی کی نسل سے تھے۔

---

[1] نزہۃ الخواطر ج ۶ ص ۳۳۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۱۱۱۔ مآثر الکرام ص ۱۶۰-۱۵۹
منتخب التواریخ ص ۴۵۰۔ بحر ذخار ص ۲۰۶۲

[2] نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۴۳۸ ۔ مآثر الکرام

[3] ایضاً ج ۵ ص ۴۴۰ ۔ شرائف عثمانی

[4] ایضاً ج ۶ ص ۴۸ ۔ مآثر الکرام

درس و افادہ میں مشغول رہے۔ کتابوں کا مطالعہ بہت کرتے تھے۔ آخر عمر میں احمد آباد کا سفر کیا اور شہر بڑودہ میں ۱۱۳۷ھ میں انتقال کیا۔ انتقال کے وقت ان کی عمر ۵۵ سال کی تھی۔[1]

شیخ العالم و صالح سید خیر اللہ بن عبد الحمید بن طیب بن عبد القادر بن ابو القاسم بن سید خان محمد بن محمود اکبر حسینی واسطی بلگرامی علم و طریقت کے فردِ فرید تھے۔ جن کا اس زمانہ میں اور اس شہر میں فنونِ عربیہ، لغت و انشاء، شعر، حقایقِ معنوی کی معرفت میں کوئی ہم سر نہ تھا۔ پوری زندگی افادہ اور عبادت میں گذاری۔ ۵ر شوال ۱۱۴۰ھ میں ناگہانی موت سے وفات پائی۔[2]

سید درگاہی بن عبد الخیر بن درویش بن حاتم بن بدر الدین حسینی واسطی بلگرامی فقہاء احناف کے ایک فردِ فرید تھے۔ علم طریقت و علم معرفت کا وافر حصہ پایا تھا۔ مسندِ درس و افادہ پر متمکن تھے۔ اور اسی میں اپنی عمر کھپا دی۔ ۱۱۱۰ھ کے بعد بلگرام میں وفات پائی۔[3]

مولانا روح الامین بن محمد سعید بن محمد عثمانی بلگرامی ایک بڑے عالم و بزرگ تھے۔ فنونِ عربی، انشاء و شعر میں مہارت حاصل کی۔ کتابوں کے مطالعہ، کتابت، تصحیح و تحشیہ میں مشغول رہتے تھے۔ "صحیح بخاری" اور "صحیح مسلم" کی اپنی عمر کے ساتویں سال میں کتابت کی تھی۔ اور اس پر مفید حواشی لکھے تھے۔ ان کا ایک دیوان فارسی میں ہے۔ جس کے اشعار کی تعداد سات ہزار ہے۔ ان کا ایک "کشکول" بھی ہے جس کا نام "عقل کل" رکھ چھوڑا تھا۔ ان کے لطیف اشعار میں ایک شعر یہ بھی ہے ؎

---

[1] نزہۃ الخواطر ج ۶ ص ۸۵ ، مآثر الکرام

[2] ایضاً ج ۶ ص ۸۱ ، مآثر الکرام

[3] ایضاً ج ۶ ص ۸۳ ، مآثر الکرام

موشگافانِ گرہ زلف تو از دل بستند
چہ کند ناخنِ تدبیر کہ مشکل بستند

آپ نے ۱۵ ذی قعدہ منگل کے دن ۱۱۵۱ھ میں وفات پائی[۱]

بزرگ عالم و فقیہ سعد الدین بن جمال الدین حسینی واسطی بلگرامی معروف علماء میں سے تھے۔ آپ نے وطن ہی میں نشوونما پائی۔ امراء اور بادشاہوں کی خدمت کی۔ طلبا کو پڑھانے اور کتابوں کے مطالعہ میں مشغول رہے[۲]

سید طیب بن نعمت اللہ بن طیب بن عبدالواحد حسینی واسطی بلگرامی علماء عاملین میں سے تھے۔ ابن حاجب جامی کی "کافیہ" کی شرح لکھی۔ شیخ یحییٰ بن ابی بکر عامری یمنی کی "بھجۃ المحافل" کی تیس دن میں نقل کی۔ بہترین کتابوں کا ذخیرہ چھوڑا۔ درس و افادہ میں مشغول رہتے تھے۔ سیر و سوانح میں ایک کتاب "الجامع الطیبی" ہے۔ ایک کتاب فقہ کے موضوع پر بھی ہے۔ ۱۱۵۴ھ میں وفات پائی۔[۳]

مولانا عبدالغفور حنفی بلگرامی فضل و کمال میں اپنے بھائی شیخ عبدالکریم صدیقی حنفی ہی کی طرح تھے۔ بہت لوگوں نے ان سے تعلیم حاصل کی۔ انھیں کے شاگردوں میں سید طفیل احمد اترولوی بھی تھے۔ حکماء کے طریقہ کی طرف مائل ہونے کے سبب اللہ تعالیٰ نے خواب میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف فرمایا[۴]

مولانا عبدالکریم حنفی صدیقی بلگرامی فقہ و اصول کے ممتاز علماء میں سے تھے۔ حافظ قرآن تھے۔ درس و افادہ میں مشغول رہتے تھے۔ مقامات حریری پر فارسی

---

۱؎ نزہۃ الخواطر ج ۶ ص ۹۰ ، شرائف عثمانی

The Encyclopeadia of Islam. vol I AB page 1218.

۲؎ نزہۃ الخواطر ج ۶ ص ۹۵ ، مآثر الکرام
۳؎ ایضاً ج ۶ ص ۱۱۹ ، مآثر الکرام
۴؎ ایضاً ج ۶ ص ۱۵۵ ، مآثر الکرام

میں شرح تحریر کی۔ اسی طور پر خود ان کے کئی مقامے ہیں۔ "الشمسیہ" پر ایک شرح نسخ طفیل احمد اترولوی کے لیے تین دن میں تصنیف کی۔ اس کے علاوہ بھی ان کی بعض تصنیفات ہیں۔ اوائل بارہویں صدی میں انتقال کیا۔[1]

مولانا عبداللہ حسینی بلگرامی فقہا احناف میں سے تھے۔ انھیں فن خطاطی میں سات طرز کی کتابت میں مہارت حاصل تھی۔ بڑے بڑے عہدوں پر فائز رہے۔ اور اسی درمیان مشہور زمانہ بزرگوں اور علماء سے بھی فیض حاصل کرتے رہے۔ سنہ ۱۱۳۲ھ میں بلگرام میں وفات پائی۔[2]

سید عبدالواحد بن محمد خلیل بن محمد اعظم بن محمود حسینی واسطی بلگرامی سنہ ۱۰۹۵ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کو فن تجوید کی کتاب "الشاطبی" حفظ تھی۔ کتابوں کے مطالعہ اور ان کی کتابت، تلاوت قرآن و عبادات میں مشغول رہتے تھے۔ بہت ہی پرہیزگار اور عبادت گذار تھے۔ کبائر تو کبائر صغائر مشتبہات سے بھی دور رہتے تھے۔ ۲۳ رمضان یوم چہارشنبہ سنہ ۱۱۶۱ھ میں وفات پائی۔[3]

مولانا عبدالہادی بن عبدالواحد بن طیب بن عبدالواحد حسینی واسطی بلگرامی بڑے علماء میں سے تھے۔ شہنشاہ اورنگ زیب عالم گیر کے لشکر گاہ میں گئے تو انھوں نے صوبہ الہ آباد کی خدمت پر مقرر کر دیا۔ عرصہ تک اس خدمت پر مامور رہے پھر ملازمت ترک کر کے اپنے وطن بلگرام میں درس و افادہ میں مشغول ہو گئے۔ ۲۰ ربیع الاول سنہ ۱۱۴۳ھ میں انتقال کیا۔[4]

قاضی عثمان احمد بن قاضی احسان اللہ عثمانی بلگرامی فضل اصلاح

---

1. نزہتہ الخواطر ج ۶ ص ۱۶۱ ، مآثر الکرام
2. ایضاً 〃 ص ۱۶۶ ، ایضاً
3. ایضاً 〃 ص ۱۷۳ ، ایضاً
4. ایضاً 〃 ص ۱۷۵ ، ایضاً

میں معروف تھے۔ تفسیر و حدیث کی سند حاصل کرنے کے لیے مختلف جگہوں کا سفر کیا۔ پھر وطن واپس آ گئے۔ صحیح بخاری، صحیح مسلم اور تفسیر بیضاوی کا علم حاصل کیا۔[1]

عارف باللہ شیخ عظمت اللہ بن لطف اللہ حسینی واسطی بلگرامی ممتاز شعراء میں سے تھے۔ انبیاء کرام کے قصص میں ان کی ایک مبسوط کتاب ہے۔ فارسی شعراء کے تذکرہ میں ان کی ایک کتاب "سفینہ سنجر" ہے۔ ان کا ایک دیوان بھی ہے اس میں تقریباً سات ہزار اشعار ہیں۔ یوم دوشنبہ ۲۴ ذی قعدہ ۱۱۴۲ھ دہلی میں وفات پائی۔[2]

سید عنایت اللہ بن عبد الستار بن حاتم بن بدر الدین حسینی واسطی بلگرامی حنفی فقیہ اور حافظ قرآن تھے۔ فقہ اور طب میں مہارت حاصل تھی۔ افتاء، مطالعہ کتب اور شعراء کے دواوین میں ہمیشہ مشغول رہے۔ فن افتاء انھیں پر تمام ہوتا تھا۔ فقہی مسائل کے استخراج میں وہ منفرد حیثیت کے حامل تھے۔ ۱۱۳۰ھ میں آپ نے وفات پائی۔[3]

شیخ عنایت اللہ بن عبد الکریم حنفی صدیقی بلگرام کے صالح لوگوں میں سے تھے۔ ہندستان میں مروج زبانوں، عربی، فارسی، سنسکرت، بھاکا وغیرہ کے ماہر تھے۔ ہندستان میں مروج موسیقی اور فن خطاطی میں سات طرز کی تحریر کے ماہر تھے۔ "رباعیات السعابی النجفی" کی لطیف شرح لکھی۔ سنہ گیارہ سو کے دوسرے دہے میں انتقال کیا۔[4]

شیخ غلام نبی بن محمد ارشد بن خضر بن کمال الدین الحسینی الواسطی بلگرامی نیک علماء میں سے تھے۔ فقہ، منطق اور فلسفہ کا علم حاصل کیا۔ سید غلام علی حسینی صاحب سبحۃ المرجان کے معاصرین میں سے تھے۔ ۱۱۶۸ھ میں اورنگ آباد اور

---

[1] نزہۃ الخواطر ج ۶ ص ۱۷۷، مآثر الکرام، شرائف عثمانی

[2] ایضاً " ص ۱۸۲، سرو آزاد

[3] ایضاً " ص ۱۹۳، مآثر الکرام

[4] ایضاً " ص ۱۹۳، ایضاً

۱۱۶۹ھ میں ارکاٹ چلے گئے۔[1]

شیخ غلام اخی بن محی الدین بن محمد امجد عثمانی بلگرامی فقہ کے ممتاز عالم تھے۔ ان کی تصنیفات میں " غنیۃ العلم " فقہ اور حدیث کا مجموعہ ہے۔ فرائض میں " السراجی " کا ترجمہ بھی انھوں نے کیا۔ انھوں نے ۱۱۶۱ھ میں وفات پائی۔[2]

مولانا فخر الدین بن بہاء الدین حنفی بلگرامی فضل وصلاح سے متصف ایک ممتاز بزرگ تھے۔ سید مرتضیٰ بن محمد حسینی زبیدی کے دادا سید قادری بن ضیاء اللہ حسینی بلگرامی سے سلسلہ قادریہ حاصل کیا۔ درس وتدریس میں مشغول رہے ۱۱۴۰ھ کے وسط میں انتقال کیا۔[3]

سید فرید الدین بن معین الدین بن عبد الوہاب حسینی واسطی بلگرامی فقہ اور اصولِ فقہ میں ممتاز تھے۔ درس وافادہ میں مشغول رہے۔ حج وزیارت کے لیے بھی گئے۔ ۱۱۲۰ھ کے وسط میں وفات پائی۔[4]

سید قادری بن ضیاء اللہ حسینی واسطی بلگرامی قادری بزرگوں میں سے ایک تھے۔ ملک شام کے مقام حماۃ میں صاحب سجادہ سید یٰسین سے سلسلۂ قادریہ حاصل کیا۔ دہلی میں عرصہ تک درس وافادہ میں مشغول رہے پھر بلگرام میں آکر گوشہ نشین ہو گئے سید مرتضیٰ بن محمد بن قادری زبیدی صاحبِ تاج العروس شرح قاموس، ان کے پوتے تھے۔ ربیع الاول ۱۱۴۵ھ میں بلگرام میں وفات پائی۔[5]

---

[1] نزہۃ الخواطر ج ۶ ص ۲۱۲ ، مآثر الکرام

Persian Literature (Storey) vol. I, part 2 page 1115.

[2] نزہۃ الخواطر ج ۶ ص ۱۹۸ ، شرائف عثمانی

[3] ایضاً " ص ۲۱۷، ۲۱۸ ، مآثر الکرام

[4] ایضاً " ص ۲۲۳ ، ایضاً

[5] ایضاً " ص ۲۲۸ ، ایضاً

سید کرم اللہ بن معین الدین بن عبد اللطیف بن محمود حسینی واسطی بلگرامی لغت اور نحو کے ماہر علماء میں سے تھے۔ آپ ۱۰۸۷ھ میں پیدا ہوئے۔ سیرت اور حدیث کی کتابوں کے مطالعہ میں مشغول رہتے تھے۔ ادھیڑ عمری میں قرآن پاک حفظ کیا۔ شہر سیال کوٹ میں کافروں کے ہاتھوں جمعہ کے دن بعد نماز عصر ۱۱۳۴ھ میں شہید ہوئے[1]

شیخ مبارک بن فخر الدین حسینی بلگرامی باعمل عالم اور اللہ کے نیک بندوں میں سے تھے۔ ۶ر شعبان ۱۰۳۳ھ آپ کی تاریخ پیدائش ہے۔ درس و تدریس میں مشغول رہے۔ اور بڑے بڑے لوگوں نے ان سے تعلیم حاصل کی۔ پر رعب، پر وقار، بلند مرتبت، لطیف الطبع، کریم الاخلاق، خوش گفتار بزرگ تھے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہتے تھے۔ ۲۰ر ربیع الثانی دوشنبہ کے دن ۱۱۱۵ھ میں وفات پائی[2]

شیخ محمد بن پیر محمد عمری بلگرامی صوفی علماء میں سے ایک ہیں۔ شیخ حبیب اللہ قنوجی سے سند حاصل کی۔ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کتاب "روضۃ النبی" پر فارسی میں شرح لکھی اور اس کا نام "مدینۃ العلم" رکھا[3]

شیخ اللہ یار عثمانی بھی بلگرام کے ممتاز علماء میں سے تھے۔ وہ ۱۱۴۲ھ میں پیدا ہوئے۔ تاریخ کے موضوع پر ان کی مشہور کتاب "حدیقۃ الاقالیم" ہے جس سے بہت سے مورخ استفادہ کرتے ہیں۔ ایلیٹ نے بھی ان کا اور ان کی کتاب کا ذکر کیا ہے[4]

---

[1] نزہۃ الخواطر ج ۶ ص ۲۳۹، ص ۲۴۰ ایضاً، مآثر الکرام

[2] ایضاً " ص ۲۴۸، ص ۲۴۹ ایضاً، تذکرہ علماء ہند ص ۴۰۳، بحر ذخار ص ۱۲۵۸

[3] نزہۃ الخواطر ج ۶ ص ۲۵۶، ص ۲۵۷ ایضاً

[4] The History of Islam by H.M.Elliot, vol VIII page 180:

"Murtaza Husain, known as Sheikh Illah Yar Usmani of Bilgram (1142 1187 H.) (i.e. 1729 to 1773 A.D.) was the author of the famous historical work 'Hadikat-ul-Akalim'".

سید محمد اشرف بن عبد الدائم بن احمد بن عبد الفتاح بن فرید بن محمد حسینی بلگرامی صالح علماء میں سے تھے۔ ۱۰۷۴ھ میں پیدا ہوئے۔ تلاوت قرآن، مطالعۂ حدیث و تفسیر و تصوف کے عاشق تھے۔ "شرح الوقایہ" پر انھوں نے حاشیہ لکھا۔ ۹ صفر ۱۱۶۵ھ میں آپ نے انتقال کیا۔[1]

سید محمد باقر بن داؤد بخش بن ابی الفتح بن عبد الباقی بن الحسین بن فضل اللہ حسینی واسطی بلگرامی حنفی فقہاء میں سے تھے۔ تمام علوم میں مہارت حاصل کی خصوصاً ادبی فنون میں خوش رقم تھے۔ پوری عمر درس و افادہ میں صرف کی۔ ساٹھ سال کی عمر میں ۱۱۶۱ھ میں انتقال کیا۔[2]

قاضی محمد حافظ بن محمد فضیل بن القاضی محمد یوسف عثمانی حنفی بلگرامی صالح لوگوں میں سے تھے۔ معقولات و منقولات میں تمام درسی کتابوں کا مطالعہ کیا۔ حافظ قرآن تھے۔ درس و افادہ میں مشغول رہتے۔ ۲۸ محرم ۱۱۲۳ھ کو بمقام موہان انتقال کیا۔[3]

حکیم محمد صدیق بن قاضی احسان اللہ عثمانی بلگرامی مشہور شاعر تھے۔ حافظ قرآن تھے۔ ان کی کئی تصنیفات ہیں۔ جس میں ایک "تحقیق السواد فی الانتقاد علی آزاد" ہے۔ فارسی میں ایک رسالہ ہے جس میں انھوں نے سید غلام علی آزاد بلگرامی کے دیوان کا تعاقب کیا ہے۔ خود ان کا ایک فارسی دیوان بھی ہے۔[4]

---

۱۔ نزہۃ الخواطر ج ۶ ص ۲۷۴، ص ۲۷۵ ایضاً، مآثر الکرام
۲۔ ایضاً ″ ص ۲۸۹ مآثر الکرام
۳۔ ایضاً ″ ص ۲۹۵، ۲۹۶ شرائف عثمانی
۴۔ ایضاً ″ ص ۳۲۳ شرائف عثمانی

سید محمد فیض بن محمد صادق بن صدر جہاں بن حاتم بن بدر الدین حسینی واسطی بلگرامی حدیث و فقہ کے ممتاز عالم تھے۔ "شمایل ترمذی" کی شرح اور "الحصن الحصین" کی شرح انھوں نے فارسی میں لکھی۔ ساٹھ سال کی عمر میں سنہ ۱۱۳۰ھ میں ان کا انتقال ہوا۔[1]

سید مربی بن عبد النبی بن طیب بن عبد الواحد حسینی واسطی بلگرامی اللہ کے نیک بندوں میں تھے۔ حافظ قرآن تھے۔ بلگرام میں درس و افادہ میں مشغول رہے۔ ان سے شیخ محمد عاقل اترولوی اور سید طفیل محمد بلگرامی نیز دوسرے لوگوں نے پڑھا۔ دوشنبہ کے دن سنہ ۱۱۱۵ھ میں انتقال کیا۔[2]

سید نعمت اللہ بن زاہد بن عبد الواحد بن الطیب حسینی واسطی بلگرامی صالحین علماء میں سے ایک تھے۔ فرید تھے و مناظرہ میں جد و جہد کی۔ علوم حکمتیہ میں اپنے اقران پر فوقیت حاصل کی۔ درس و افادہ میں مشغول رہے۔ ۵ رمضان سنہ ۱۱۲۰ھ میں انتقال ہوا۔[3]

سید نور اللہ بن کرم اللہ بن لطف اللہ بن حسن بن نوح بن محمود حسینی واسطی بلگرامی نیک علماء میں سے ایک فردِ فرید تھے۔ درس و افادہ میں مشغول رہتے تھے۔ قرآن اپنے بڑھاپے میں حفظ کیا۔ ۱۳ شعبان سنہ ۱۱۱۳ھ میں انتقال کیا۔[4]

سید حسن عسکری بن نوازش بلگرامی کی سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر تصنیفات ہیں۔ "فعل الخیرات" تصنیف انھیں کے نام سے منسوب ہے۔[5]

---

[1] نزہتہ الخواطر ج ۶ ص ۳۴۴ ، مآثر الکرام
[2] ایضاً " ص ۳۶۸ ، ایضاً
[3] ایضاً " ص ۳۸۷ ، ایضاً
[4] ایضاً " ص ۳۹۳ ، ایضاً
[5] الثقافتہ الاسلامیہ فی الہند از عبد الحی حسنی

مولوی محمد ادریس بن عبدالعلی حنفی بلگرامی نے فقہ حنفی اور فتاوی و مجامع پر کتابیں تصنیف کی ہیں۔ ان تصنیفات کے نام "تحفۃ النبلاء فی آداب الخلاء"، "القول الموطا فی الصلوٰۃ الوسطیٰ"، "مواھب القدوس فی احکام الجلوس"، "تحفۃ الحبیب فی تحقیق الصلوٰۃ والکلام بین یدی الخطیب"، نفحۃ الشمائم لأهل العمائم"، "البرهان علی حکم تقبیل الإبهامین عند الأذان" ہیں۔[1]

شیخ سعد اللہ بن مرتضیٰ بن فیروز بن عبدالواحد حسینی واسطی بلگرامی نیک علماء میں سے ایک تھے۔ بلگرام میں درس و افادہ میں مشغول رہے۔ بہت زیادہ عبادت گذار تھے۔ شب بیدار تھے۔ ان کا انتقال ۱۱ر شوال ۱۱۱۹ھ احمد آباد میں ہوا۔[2]

بزرگ فاضل اللہ یار بن اللہ یار عثمانی بلگرامی مصنف "حدیقۃ الاقالیم" ہیں۔ غلام نبی نام تھا۔ پشاور میں ۱۱۳۰ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ انشاء، شعرگوئی، کتابت، تیراندازی، شہسواری، سیاست اور دوسرے علوم وفنون کے ماہر تھے۔ ان کی کئی تصنیفات ہیں، مگر زیادہ شہرت "حدیقۃ الاقالیم" اور "اللوح المحفوظ" کو حاصل ہوئی ہے۔[3]

بزرگ عالم مفتی امیر حیدر بن نور الحسنین بن علی حسینی واسطی بلگرامی مشہور علماء میں سے تھے۔ ۱۹ر جمادی الاول ۱۱۶۵ھ میں پیدا ہوئے۔ عبدالجلیل بلگرامی آپ کے دادا کے ماموں تھے اور آپ کے دادا علامہ غلام علی آزاد تھے۔ ان کے دو رسالے صرف و نحو میں ہیں۔ ۱۲۱۷ھ میں انتقال ہوا۔[4]

---

[1] الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند از عبدالحی حسنی

[2] نزہۃ الخواطر ج ۶ ص ۱۵۰

[3] ایضاً " ص ۲۷ ، تاریخ فیروز آبادی

[4] ایضاً " ص ۸۱ ، ذیل الوفیات

بزرگ و فاضل اوحدالدین بن علی احمد عثمانی بلگرامی، معروف کتاب "نفائس اللغات" کے مصنف بڑے علماء میں سے تھے۔ آپ کی کئی تصنیفات ہیں مختلف فنون میں ایک کتاب "روضتہ الازہار" ایک کتاب عربی میں ہے۔ اسالیب و امثال میں "مفتاح اللسان" نامی تصنیف ہے۔ ایک کتاب "تذکرۃ شعراء العرب" ہے۔ قصیدہ "بانت سعاد" اور "دیوان متنبیؔ" کی شرح بھی ہے۔ اسی طرح مقاماتِ حریری کی بھی شرح ہے۔ عربی و فارسی کے مکتوبات کا ایک مجموعہ بھی ہے۔ ان کتابوں کے ساتھ ساتھ ان کی معروف کتاب فارسی میں "نفائس اللغات" ہے جس کو نصیرالدین حیدر کے عہد نوابی میں تصنیف کیا تھا[1]

بزرگ اور فاضل جمیل احمد بن اسلم بن غلام حسن صدیقی بلگرامی اپنے زمانہ کے مشہور ادیبوں میں سے تھے۔ ۱۲۳۴ھ میں پیدا ہوئے۔ سیدنا علی بن حسین رضی اللہ عنہ کی شان میں فرزدق کے قصیدے کی شرح لکھی۔ چھپرا میں ۱۹ رجب ۱۲۹۴ھ میں انتقال کیا[2]

شیخ فاضل غلام نبی الحسینی بلگرامی منطق اور حکمت کے مشہور علماء میں سے تھے۔ علم کے حصول کے لیے فرخ آباد کا سفر کیا۔ آپ کا انتقال بلگرام میں ۱۲۱۱ھ میں ہوا[3]

بزرگ اور فاضل محمد اسلم بن غلام حسن صدیقی بلگرامی مشہور علماء میں سے تھے۔ ادبی علوم میں ان کو دسترس گاہ حاصل تھی۔ ان کا تذکرہ مفتی ولی اللہ بن احمد علی حسینی نے اپنی تاریخ میں کیا ہے۔ ان کی مہارت کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

---

[1] نزہتہ الخواطر ج ۷، ص ۸۸

[2] ایضاً ج ۷، ص ۱۲۴، تذکرۃ النبلاء

[3] ایضاً ج ۷، ص ۳۶۲، تاریخ فرخ آباد

"وہ شاعر تھے بہترین شعر کہتے تھے، ان کے اشعار میں
قدیم اساتذہ کا رنگ جھلکتا ہے۔" [1]

مندرجہ بالا صفحات سے اس قصبہ کی اہمیت اور عظمت کا پوری طرح اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ آئندہ ہم تفصیل کے ساتھ اس قصبہ کے فرزند ارجمند، جس کی علمی اور ادبی صلاحیتوں نے اپنے زمانہ کے مشرق اور مغرب کے اہلِ فکر اور فن کو متاثر کیا اور آنے والی نسلیں بھی اس کو کبھی فراموش نہیں کر سکتیں، وہ فرزند سید مرتضیٰ بلگرامی ہیں، کا تذکرہ تفصیل کے ساتھ کریں گے۔

سید مرتضیٰ بلگرامی کی پیدائش کے حقایق کے متعلق مختلف آراء ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا کی ہر عظیم شخصیت کو ہر علاقہ کے لوگ اپنا فرزند بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ بلکہ ہر علاقہ کے لوگ اس کی نسبت کو اپنی طرف منسوب کرنے میں اپنی عزت اور عظمت تصور کرتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ سید مرتضیٰ بلگرامی زبیدی کے صحیح وطن کے تعین و تحدید میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ آئندہ صفحات میں ہماری پوری کوشش ہوگی کہ ہم ان کے صحیح سلسلۂ حسب و نسب کا تعین کر سکیں اور ان کی زندگی کے مختلف مراحل کا تعین کرتے ہوئے ان کی عظمت کی صحیح تصویر کشی کر سکیں۔

نیز ان کے علمی کارنامے، جو مختلف موضوعات کے تحت آتے ہیں، ان کا جائزہ لیتے ہوئے ان کے مقام کا تعین اور ان کی اہمیت کی تصویر، اس کے ساتھ ساتھ ان کے معاصرین کے آراء، و اقوال کی روشنی میں ان پر پوری طرح تبصرہ و تحقیق کا احاطہ کر سکیں۔ یوں تو کسی ادیب یا محقق کے علم و فن کے ہر گوشہ پر تفصیلی جائزہ ممکن نہیں لیکن ایک سرسری جائزہ جس سے اس کی شخصیت نگاہوں کے سامنے پوری طرح اُبھر کر آ سکے، یہ ممکن ہے۔ آئندہ کے صفحات میں ان کی شخصیت کو معکوس کرنے کی ہماری یہی کاوش ہوگی۔

---

[1] نزہۃ الخواطر ج ۷ ص ۴۲۵-۴۲۶

# بابُ الثانی

# علّامہ سیّد مرتضیٰ بلگرامی زبیدی

## حیاتؔ اور علمی کارنامے

ہندستان کی جب بھی علمی اور ادبی تاریخ مرتب کی جائے گی اُس وقت سید مرتضیٰ زبیدی بلگرامی کا نام نامی سرفہرست ہوگا۔ ان کی عظمت و منزلت کا مظاہرہ ان کی ہر کتاب کی توصیف و تحقیق کر کے کیا جاسکتا ہے لیکن ان کی معرکۃ الآرا کتاب "تاج العروس" نے انھیں علم و تحقیق کی اس منزل پر پہونچا دیا جو دنیا کے کم لوگوں کو نصیب ہوتی ہے۔ ان پر عربی کا یہ شعر پوری طرح صادق آتا ہے ؎

**لیس علی اللہ بمستنکر**
**ان یجمع العالم فی واحد** [1]

ہندستان کے ایک محقق و فاضل، علامہ زبیدی کے متعلق فرماتے ہیں :۔

"فإن الامام الحجة المقتدی محمد بن محمد الحسینی الزبیدی الواسطی البلجرامی الشہیر بالعلامۃ الشریف أبی فیض مرتضیٰ الزبیدی ثم المصری، رحمہ اللہ رحمۃ

[1] ابو نواس، حسن ابن ہانی

واسعة ، أحد مشاهير المحققين و فحول الادباء المؤلفين وأضراب الأئمة السابقين يساجلهم منقبة و قدرا و إن تأخر عنهم طبقة وعصرا ، جمع الله فى شخصه الفذ محاسن الفضائل وأحاسن الفواضل بصفوفها الجمة حتى طبق العالم على الاعتراف بغرر مناقبه وقلما وجد له نظير فى الأعلام من ابناء جيله ، كنت عثرت على رسالتين منظومتين له فى آداب الطريقة النقشبندية ، مكللتين بإجازته الموثوقة فى ختامها بإمضائه الشريف ورسم خاتمه المنيف "۔[1]

[ امام و مقتدی محمد بن محمد بن محمد حسینی زبیدی واسطی بلگرامی جو علامہ شریف ابو الفیض مرتضیٰ زبیدی مصری کے نام سے مشہور ہیں ، بڑے نامور محقق اور بلند پایہ ادیب ہیں ۔ اگرچہ زمانہ کے لحاظ سے وہ بہت بعد کے لوگوں ( متاخرین ) میں سے ہیں ، لیکن قدر و منزلت ، فضائل و مناقب میں اسلاف کے ہم پلّہ و ہم رتبہ ہیں ۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کی ذات کو جامع کمالات و فضائل بنایا تھا ۔ یہاں تک کہ پوری دنیا نے ان کے زندہ و تابندہ کارناموں کو سراہا ہے ۔ ان کے معاصرین میں ان کی نظیر نہیں ملتی ہے ۔ سلسلۂ نقشبندیہ کے اصول وآداب میں ان کے دو منظوم رسالے ہیں جن کے اخیر میں انھوں نے اپنے مبارک دستخط سے اس کی اجازت دی ہے اور مہر کا نقش

---

[1] مجلہ ، المجمع العلمی الهندی : رجب ۱۴۰۰ھ / یونیو ۱۹۸۰م ، ابو محفوظ الکریم معصومی : العلامة مرتضى الحسينی البلجرامی الزبیدی ، حیاته وآثاره ۔

بھی موجود ہے ]

آپ کا نام سید محمد مرتضیٰ اور کنیت ابوالفیض تھی۔ نسبی تعلق مشہور بلگرامی واسطی سادات[1] سے ہے۔ ان کا لقب محی الدین تھا[2] آپ محدث، فقیہ، لغوی، ادیب اور علوم عقلیہ و نقلیہ کے جامع تھے۔ ۱۱۴۵ھ/ ۳ ـ ۱۸۳۲ء میں قصبۂ بلگرام میں پیدا ہوئے[3] سید مرتضیٰ کی نسبت عام طور پر زبید کی طرف کی جاتی ہے۔ لیکن درحقیقت

---

[1] سادات بلگرام حضرت ابوالفرح واسطی کی اولاد میں ہیں، علامہ عبدالواحد بلگرامی کا اسی اسناد پر یہ مشہور شعر ہے ؎

دانی کہ خوش نویسی ما از برائے چیست
مائیم واسطی ، و قلم نیز واسطی

سید ابوالفرح واسطی امام زید شہید بن سید الساجدین امام العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے خانوادۂ شرافت و سیادت کے مشہور بزرگ ہیں۔ آپ نے خود ہندستان کو اپنے قدوم سے شرف نہیں بخشا لیکن آپ کے تین صاحبزادے یہاں تشریف لائے اور انھیں کی اولاد ہندستان میں پھیلی، سید مبارک محدث اور میر عبدالجلیل بلگرامی سے شجرۂ طیبہ میں علامہ غلام علی آزاد بلگرامی نے یہ عبارت نقل کی ہے:۔

" ازانجملہ سید ابوالفراس کہ جد سادات بلگرام است در جاجیز رسید و سید ابوالفضائل در جہاتر و سید داؤد در تھن پور وطن گرفتند۔"

انھیں ابوالفراس کی نسل میں ایک بزرگ علی بن حسین تھے جن کے چار بیٹے تھے، ان میں ایک بلگرام میں آکر بسے، شجرۂ طیبہ میں ہے:۔

" سید محمد در بلگرام و سید جعفر در مدولی و سید احمد در دہرسو، و سید معزالدین در جاجیز بوطن گرفتند۔" (مسلسل)

آپ کی ولادت ہندوستان کے مشہور و مردم خیز قصبہ بلگرام میں

(مسلسل)

جاجیزی سادات کا ایک خاندان صوبہ بہار کے بارہ گانواں میں آباد ہوا۔

۲ بحر زخار: ملاّ وجیہہ الدین اشرفؒ، ص ۱۳۴۲ :-

"وہ کہ جن کا حال و قال محبوب میں مستغرق ہے، وہ منبر نشین واعظ کہ جن کا کلمہ حق دین و ملت کا حامی ہے، یگانہ روزگار حضرت سید مرتضیٰ محدث یمنی بلگرامی سادات بلگرام سے ہیں۔"

۳ تذکرہ علمائے ہند: مولوی رحمٰن علی،

PERSIAN LITERATURE : C.A. Storey
Vol. I part I page 142 -
"Murtaza Husain Bilgrami - 1132/1719-20."
THE ENCYCLOPAEDIA OF ISLAM (Brockelmann) : S,II:620
"Sayyid Murtaza-al-Zabidi author of the "Tadj-al-Arus",
was also a native of Bilgram.

معجم المؤلفین: عمر رضا کحالہ: الجزء الثانی عشر، ص ۱۲ :- "محمد مرتضیٰ الحسینی متوفی ۱۲۰۵ھ/۱۷۹۰ء ام البلجرامی، صوفی، محدث، من آثارہ: برنامج، اجازہ امالی الحنفی، مجالس الشیخونیہ و تخریج احادیث خیر الانام،"

دار الکتب المصریۃ: فہرس الخزانۃ التیموریۃ: الجزء الثالث، ص ۱۱۸ :-

"الزبیدی۔ العلامۃ السید محمد بن محمد بن محمد بن عبد الرزاق الشھیر بمرتضیٰ الزبیدی الحسینی الحنفی، المولود سنۃ ۱۱۴۵ھ"۔

علامۃ شریف عبد الحی بن فخر الدین الحسنی: نزھۃ الخواطر و بھجۃ المسامع والنواظر: الجزء السابع: ص ۴۷۰ :- (مسلسل)

ہوئی تھی لے ہندستانی بالعموم اور عرب بالخصوص یہ سمجھتے ہیں کہ سید مرتضیٰ بلگرامی یمن کے خوش آئند شہر زبید میں پیدا ہوئے تھے۔ شام کے ایک صاحب طرز ادیب علی طنطاوی کے مضامین کے ایک مجموعہ میں ایک مضمون زبیدی پر بھی ہے۔ سید مرتضیٰ بلگرامی کی تعریف و توصیف میں اس طرح رطب اللسان ہیں :۔

"قاموس کے شارح زبیدی ایسے شخص تھے جو علماء میں نادرۂ روزگار، اور ایک ایسے "شیخ" تھے جس نے "مشیخیت" کو تجارت و صورت کے ساتھ ساتھ جود و سخا کا اس عالم کے لیے نمونہ بنا دیا تھا، جن کا اعزاز اس درجہ تھا کہ وہ اپنے زمانہ میں اس ربع مسکون کے مشہور علماء میں سے تھے، عام و خاص ملوک و

---

(مسلسل)

" الشیخ الامام العالم المحدث مرتضیٰ بن محمد بن قادری بن ضیاء اللہ الحسینی الواسطی البلگرامی نزیل مصر و دفینہا المشہور بالزبیدی وھو صاحب " تاج العروس" شرح قاموس، ولد بمحروسہ "بلگرام" سنۃ خمس وأربعین مأئۃ وألف۔"

لے حیات جلیل : مقبول احمد صمدنی، ج ۱ ص ۲۳ ــ " ابو الفیض محمد مرتضیٰ حسینی واسطی جس کا خمیر اسی بلگرام کی خاک سے تھا، مگر زبید (یمن) میں اور مصر جا کر پیوند زمین ہوا۔"

ایڈورڈ ولیم لین Edward William Lean. نے اپنی انگریزی کی لغت "مدّ القاموس" کی تمہید میں آپ کا برائے نام ذکر کیا ہے اور اس احسان اور اعانت کا تشکر و اعتراف کیا ہے جو ان کو اپنی کتاب کی ترتیب میں تاج العروس سے پہونچی تھی۔

(مسلسل)

امراء میں مقبولیت کا وہ درجہ حاصل کیا تھا جو اقلِ قلیل علماء کو حاصل ہوا۔ جن کی ہر علم، ہر فن پر نظر تھی۔ لغت، حدیث، تاریخ کے امام تھے۔ ادیب و شاعر بھی تھے، اس کے باوجود انتہائی باوقار اور پُر رعب، ہنس مکھ، خندہ جبیں، اپنے رعب وداب اور وقار کے ساتھ ساتھ نرم خو، شیریں نکات، عجیب نوادر ان کو مستحضر تھے، پُرگو، قلیل النظیر تھے۔" [1]

لیکن آپ کی جائے پیدائش کے متعلق اس عالم نے غلط اندازہ لگایا ہے۔ لکھتے ہیں:۔

"ولد فی الیمن سنة ۱۱٤۵ھ قبل مئتین وثلاثین سنة ونشأ بھا۔"

[۱۱٤۵ھ میں یمن میں پیدا ہوئے دو سو تیس برس قبل، اور وہیں پلے بڑھے] [2]

---

(مسلسل) معجم المطبوعات العربية والمعرّبة: یوسف الیان سرکیس، الجزء العاشر: ص ۱۷۳۶:۔ "ابو الفیض محمد بن محمد بن عبد الرزاق الشهیر بالسید مرتضیٰ الحسینی الیمانی الزبیدی الحنفی صاحب تاج العروس نشأ ببلاده۔"

[1] رجال من التاریخ: علی الطنطاوی: ص ۲۳۰:۔ "الزبیدی شارح القاموس عن الرجل الذی کان طرازًا نادرًا فی العلماء، والذی کان نموذجًا للشیخ الذی جعل (المشیخة) تجارة، وصورة للعالم المقرف الشرقی، والذی بلغ من قدره أنه کان من أشهر علماء الأرض فی زمانه۔ وقال من الحظوة عند العامة والخاصة، وعند الملوك والامراء، مالم ینله إلّا الأقل الأقل من العلماء۔ والذی کان مشارکًا فی کل علم، مسلمًا بکل فن، امامًا فی اللغة وفی الحدیث وفی التاریخ، وکان ادیبًا شاعرًا، وکان مع ذلك وقورًا مهیبًا، بشوشًا بسّامًا، وکان مع هیبة ووقارة، خفیف الروح، عذب النکتة، مستحضرا للنوادر العجیبة، متحدثًا قلیل النظیر۔"

[2] رجال من التاریخ: علی الطنطاوی، ص ۲۳۰

علامہ شیخ الجبرتی نے سید مرتضیٰ کے وطن ہی میں پلنے بڑھنے کا ذکر کیا ہے مگر یہ بہت واضح نہیں ہے۔ لکھتے ہیں :-

" ونشأ ببلادة وارتحل فی طلب العلم " [1]

[ اپنے ہی ملک میں ان کی نشو ونما ہوئی اور طلبِ علم کے لیے سفر کیا ]

منجد کے قاموسِ اعلام میں بھی ان کے متعلق " ولد بالیمن " قلم بند ہوا ہے۔ اکثر پڑھے لکھے لوگ وقتاً فوقتاً تاج العروس کا ذکر کرتے وقت اپنی گفتگو سے مترشح کرتے ہیں کہ وہ بلگرامی کو زبید کا باشندہ سمجھتے ہیں [2]

مسلمانانِ ہند میں سبھی انھیں جانتے ہیں لیکن عجیب بات یہ ہے کہ جس حیثیت سے جاننا چاہیے ہندستان کے مسلمان اس نقطۂ نظر سے بہت کم جانتے ہیں۔[3] اگرچہ کئی علماء نے تو ان کی شخصیت اور ان کی عظیم کتاب تاج العروس کو مستند اور ہندستان کے عربی ادب و زبان کے لیے ناگزیر بتایا ہے [4]

---

[1] "تاریخ عجائب الآثار فی التراجم والاخبار : للعلامۃ الشیخ عبدالرحمٰن الجبرتی، ص ۱۰۳

[2] برہان : جلد ۸۲ شمارہ ۲، فروری ۱۹۷۹ء ص ۸۲

[3] معارف : نمبر ۲، جلد ۱۹، ۱۹۲۷ء مولانا سید مناظر احسن گیلانی

[4] مآثر الکرام : میر غلام علی آزاد بلگرامی : مقدمہ : عبدالحق۔ حیدر آباد دکن ص ۲۰

" خاکِ بلگرام میں یہ ایک ایسے جید فاضل گذرے ہیں جنھیں فخرِ علمائے ہند کہنا بجا ہوگا۔ علماء کے حالات میں اس وقت تک کوئی کتاب مکمل نہیں ہوسکتی جب تک کہ اس میں علامہ سید مرتضیٰ صاحبِ تاج العروس کا تذکرہ نہ ہو۔"

نواب صدیق حسن خاں مرحوم نے آپ کے تذکرہ میں سچ لکھا ہے :-

"اکثر اہلِ علم چوں کہ ان کے حالات سے ناواقف ہیں ، اس لیے میں نے علامہ موصوف کی سوانح کو ذرا طویل کر دیا ہے ۔ علامہ موصوف نے اپنی پوری زندگی مصر میں علم و تدریس کی مشغولیت میں گزار دی ۔ والعلم عنداللہ سبحانہ وتعالیٰ ۔" [1]

اور پھر ان کی جائے پیدائش کے متعلق رقم طراز ہیں :-

"سید علامہ مرتضیٰ کی اصل قصبہ بلگرام کے واسطی سادات سے ہے ۔ یہ قصبہ قنوج شہر سے پانچ فرسخ کی دوری پر گنگا ندی کے پیچھے واقع ہے ۔" [2]

پھر ان کے زبیدی کہے جانے کی وجہ بیان کرتے ہیں :-

"علامہ مرتضیٰ نے زبید میں اتنی مدت تک قیام کیا کہ وہ زبیدی کہے جانے لگے ۔ اور اسی سے مشہور ہو گئے ۔ لوگوں کی نظروں سے یہ بات مخفی رہی ہے کہ آپ ہندستانی اور بلگرامی ہیں ۔" [3]

اور یہی بات انھوں نے اپنی دوسری تصنیف جو کہ بہ زبان فارسی ہے اس میں بھی لکھی ہے ۔ [4]

علامہ زرکلی بھی مرتضیٰ بلگرامی کا مولد ہندستان کو ہی مانتے ہیں ۔ اور لکھتے ہیں :-

---

[1] و [2] و [3] ابجد العلوم : سید صدیق بن حسن بن علی الحسینی القنوجی البخاری ، ص ۱۲ ،

[4] اتحاف النبلاء والمتقین باحیاء مآثر الفقہاء المحدثین : نواب سید صدیق حسن خاں ، ص ۷ ، ۴۰ :-

"محمد مرتضیٰ الحسینی الواسطی بن السید محمد بن السید قادری الزبیدی نزیل مصر اصلش از خطۂ بلگرام است کہ قصبۂ ایست بر پنج کردہ از قنوج کہ بلدۂ مشہورۂ ہندستان است ..... گویم وی بعد کسب علوم و سماع حدیث ہم در زبید مدتی دراز ماند تا آنکہ بہ زبیدی شہرت گرفت ، ہیچ کس اورا از ہند نمی داند ۔"

"محمد بن محمد بن محمد بن عبد الرزاق الحسینی الزبیدی ،
ابو الفیض ، الملقب بمرتضیٰ : علامة باللغة والحدیث
والرجال والأنساب ، من کبار المصنفین أصله
من واسط (فی العراق) ومولده بالہند (فی بلجرام)
ومنشاہ فی زبید (بالیمن) رحل الی الحجاز ، وأقام
بمصر ..... " [1]

[ ابو الفیض محمد بن محمد بن محمد بن عبد الرزاق حسینی زبیدی ملقب بہ مرتضیٰ لغت ، حدیث کے عالم ، رجال وانساب کے سب سے زیادہ جاننے والے ، بڑے مصنفین میں سے تھے ۔ اصل وطن عراق کا شہر واسط تھا اور ہندوستان میں بلگرام ان کی جائے پیدائش ہے ۔ تربیت یمن کے شہر زبید میں پائی ۔ پھر حجاز کا سفر کیا اور پھر مصر میں قیام اختیار کیا ۔ ]

سید مرتضیٰ اپنے وطن اور خاندان میں محمد مقتدیٰ کے نام سے مشہور ومعروف تھے [2] معصومی صاحب نے آزاد کی کتاب کا حوالہ بھی اس سلسلے میں دیا ہے :-

" ولذلک سماہ آزاد بذینک الإسم واللقب
فی ختام ترجمة جدہ السید محمد قادری " [3]

[ اسی لیے سید آزاد نے ان کے دادا سید محمد قادری کی سوانح حیات کے آخر میں ان کا نام ولقب دونوں بتلایا ہے ]

---

[1] الاعلام ، قاموس تراجم لأشہر الرجال والنساء من العرب والمستعربین والمستشرقین : خیر الدین الزرکلی . الجزء السابع ، ص ۲۹۷

[2] مجلہ : المجمع العلمی الہندی : رجب ۱۴۰۰ھ / یونیو ۱۹۸۰م : ص ۱۷، ص ۱۸ ایضاً

[3] مآثر الکرام : مولوی غلام علی آزاد بلگرامی : ص ۱۴۹

اسی طرح سید محمد نے "تبصرۃ الناظرین" میں ۱۱۶۴ھ کے حوادث کے سلسلے میں لکھا ہے :-

"فی هذه السنة تشرف السید محمد مقتدی بن السید محمد بن میر سید قادری بزیارة الحرمین الشریفین زادهما الله تشریفا وقد رحل إلی زبید الیمن وأسند الحدیث من الشیخ عبد الخالق الزبیدی ۔" [1]

[ اسی سال سید محمد مرتضیٰ بن سید محمد بن میر سید قادری کو حرمین شریفین کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ (جملہ دعائیہ لکھتے ہیں) اور انھوں نے سفر کیا زبید کا (جو یمن میں واقع ہے) جہاں انھیں شیخ عبد الخالق زبیدی کی جانب سے حدیث کی سند دی گئی ]

اسی وجہ سے علامہ نواب صدیق حسن خاں اپنی تصنیف "تقصار الجهود الأحرار" میں سید قادری کے سوانح کے آخر میں لکھتے ہیں :-

"........ وقال إنه حصل الآداب العربية ووفق لزيارة الحرمين الشريفين ........... وقلما اتفق لأحد من علماء الهند أن يتاح له في العلم والفضل والفقه واللغة وغيرها ما أتيح له من القدمية والسمعة والقبول من عند الله تعالیٰ" [2]

[ سید مرتضیٰ، صاحبِ تاج العروس جن کی سوانح ہم نے "ابجد العلوم" میں بیان کی ہے، وہ سید محمد بن سید قادری کی اولاد میں ہیں۔ میر آزاد نے بھی "مآثر الکرام" میں سید محمد مقتدیٰ ہی کے نام سے ان کا ذکر کیا ہے۔ اور کہا

---

[1] تبصرۃ الناظرین (مخطوط) : الورقه اله ۲۹۲/ ظ

[2] تقصار الجهود الاحرار من تذکار جنود الابرار : ص ۲۲۳

ہے کہ انھوں نے عربی ادب کی تعلیم حاصل کی پھر ۱۱۶۴ھ میں ان کو جوانی ہی میں حرمین شریفین کی زیارت کی سعادت حاصل ہوگئی۔ انھوں نے علم حدیث مبارک و مقدس مقامات پر حاصل کیا اور وہ اس وقت زبید۔ یمن میں مقیم ہیں۔ اور شیخ عبدالخالق زبیدی: اللہ ان کی عمر میں برکت دے اور ان کو دین میں بلند مقام عطا فرمائے: سے علم حدیث حاصل کر رہے ہیں۔ پھر اس کے بعد وہ کہتے ہیں کہ نواب نے کہا جس کا مطلب یہ ہے کہ انھوں نے محدث شاہ ولی اللہ دہلوی رح کے سامنے بھی زانوئے تلمذ تہ کیا تھا۔ اور کہتے ہیں کہ میں نے ان کے قلم سے یہ لکھا ہوا دیکھا ہے کہ "حضرت بمنزلہ فی دھلی" کہ دہلی میں ان کے مکان پر حاضر ہوا۔ ان کی وفات قاہرہ۔ مصر میں ہوئی۔ لوگ کہتے ہیں کہ وہ زبیدی مصری تھے۔ کوئی بھی یہ نہیں جانتا کہ قنوج کے قریب بلگرام کے تھے۔ علمائے ہند میں سے بہت کم لوگوں کو علم و فضل، فقہ و لغت اور دیگر علوم و فنون میں وہ مقام و مرتبہ، خدا کے نزدیک وہ عزت و شہرت حاصل ہوئی ہوگی جو ان کو حاصل ہوئی ]

لیکن مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی نے علامہ مرتضیٰ پر اپنے مضمون میں بھی ظاہر کیا ہے کہ مقتدیٰ نام غلط ہے ــــ لکھتے ہیں کہ ــــ بدقسمتی تو دیکھو کہ خود مآثر الکرام میں سید علامہ کا جہاں تذکرہ ہے، کاتب اور مصحح کی مہربانی سے وہاں نام غلط درج ہوگیا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آزاد کی کامل کتاب مولوی عبدالحق صاحب کو ناقص نظر آئی[1] واقعہ یہ ہے کہ علامہ سید مرتضیٰ، آزاد بلگرامی مؤلف "مآثر الکرام" کے

---

[1] جدید طبقہ کے ایک ممتاز رکن مولوی عبدالحق صاحب معتمد انجمن ترقی اردو، صدر کلیہ عثمانیہ اورنگ آباد نے حسب ذیل الفاظ مآثر الکرام کے مقدمہ میں لکھے ہیں ــ "علمائے ہند کے حالات میں کوئی کتاب اس وقت تک کامل نہیں ہوسکتی جب تک اس میں علامہ سید مرتضیٰ صاحب تاج العروس کا تذکرہ نہ ہو۔ یہ آزاد بلگرامی کے ہم عصر تھے۔ ہمارے دل نے ہرگز

(مسلسل)

زمانہ میں نو عمر تھے۔ اس لیے آزاد نے آپ کا کوئی مستقل ذکر نہیں کیا ہے۔ لیکن آپ کے جد امجد سید قادری کے حالات میں انھوں نے اتنا لکھا ہے:[1]

"در ابنائے او سید مقتدیٰ بن سید محمد ....... سند می کند حق تعالیٰ او را عمر بہ افزاید و ترقیات دینی کرامت نماید۔"[2]

پھر مناظر گیلانی صاحب لکھتے ہیں — "کاتب نے بجائے مرتضیٰ کے "مقتدیٰ" لکھ دیا، اور صرف اس ایک غلطی نے ہماری نگاہوں سے اس یگانۂ عصر فاضل کو چھپا لیا۔ ورنہ آزاد مرحوم نے اپنے مختصر و مفید جملوں میں ان کے متعلق سب کچھ لکھ دیا تھا۔"[3]

یہ بعید ہے کہ "محمد مقتدیٰ" کو جیسا کہ مآثر الکرام" کے نسخہ میں آیا ہے، تحریف پر محمول کیا جائے۔ جیسا کہ بلند پایہ مقالہ نگار دکتور محمد یوسف[4] نے دعویٰ کیا ہے۔

"امیر السید مرتضیٰ عن نفسہ باسم محمد بن محمد بن محمد الحسینی العلوی۔"[5]

---

(مسلسل)، گوارا نہ کیا کہ یہ کتاب جس میں علمائے ہند اور خصوصاً علمائے بلگرام کا تذکرہ ہے، اس فاضل بیدل کے حالات سے خالی رہے۔ لہٰذا یہ تذکرہ آخر کتاب میں اضافہ کر دیا گیا ہے، جس سے اس شخص کے تبحر اور کمالاتِ علمی کا حال معلوم ہوتا ہے —" (مقدمہ: مآثر الکرام: ص ۲۰) —— لیکن مولوی صاحب کے اس وعدے کے باوجود جتنے نسخے بھی نظر سے گذرے کسی میں یہ اضافہ نہیں پایا گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ کسی خاص سبب کی بنا پر ایفائے وعدہ کا موقع انھیں نہ مل سکا — واللہ اعلم۔

[1] معارف: فروری ۱۹۲۷ء نمبر ۲، جلد ۱۹، ص ۱۰۰

[2] مآثر الکرام: مولوی غلام علی آزاد بلگرامی: ص ۱۴۹

[3] معارف: فروری ۱۹۲۷ء نمبر ۲، جلد ۱۹، ص ۱۰۱

[4] مقالۃ الشیق: المرتضیٰ کا لمھند لاینکر معدنہ، فی مجلۃ مجمع اللغۃ العربیۃ بدمشق المجلد الہ ۴۳ ص ۳۶-۹۲۰

[5] تاج العروس: سید مرتضیٰ بلگرامی زبیدی: ج ۴، ص ۹۵ (آخر حرف الزای)

دکتور محمد یوسف پھر رقم طراز ہیں کہ ________ جہاں تک ان کی مؤلفات مجھے مل سکیں، ان میں سے کسی میں بھی ان کے قلم سے ان کا پورا نسب نہیں مل سکا۔ انھوں نے ان حضرات کا بڑے بلیغ و دل چسپ انداز میں رد کرتے ہوئے، جو سید مرتضیٰ زبیدی کا مولد ہندستان نہیں بتاتے ہیں، بلکہ اس کا انکار کرتے ہیں۔ انھوں نے ان کے نسب کے متعلق جو ذکر کیا ہے وہ خود ان کی ایجاد ہے۔ اس سلسلے میں انھوں نے مختلف نسبوں پر اعتماد کیا ہے۔ جس کا ذکر آزاد نے مختلف سیرت کی کتابوں میں کیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ دکتور نے عمر بن زید الثانی کے درمیان نسب سے ساقط ہو جانے کی وجہ نہیں بیان کی ہے۔ نیز انھوں نے اس کی تحقیق بھی نہیں کی کہ زبیدی کا خاندان آیا احمد المختفی کے خاندان سے تعلق رکھتا ہے یا ان کے بھائی محمد کے خاندان سے۔ اس سلسلہ میں انھوں نے کوئی بحث نہیں کی ہے۔ حاشیہ پر ایک معمولی سے اشارہ پر اکتفا کر لیا ہے۔[1]

سید مرتضیٰ کی صراحت کے مطابق وہ ۱۱۴۵ھ میں بلگرام میں پیدا ہوئے۔ جہاں تک ان کے دادا محمد (الرابع) کا تعلق ہے، تو جیسا کہ سید مرتضیٰ نے تاج العروس میں خود ہی لکھا ہے کہ وہ سوانح نگاروں کے یہاں "عبدالرزاق" کے نام سے جانے جاتے ہیں۔[2] شیخ عبدالشکور نے اپنی دل چسپ تالیف "تحفۃ الفضلاء" میں جہاں سید مرتضیٰ کا ذکر ہے، وہیں پر ایک عجیب و غریب بات کہہ دی ہے کہ ان کا نام عبدالرزاق ہے اور ان کا لقب محی الدین ہے اور کنیت

---

[1] مجلہ مجمع اللغۃ العربیۃ: ج ۴۳، ص ۹۳۰ - ۹۳۱ (ح ۳)

[2] فہرس الفہارس والاثبات، الکتانی: ج ۱ ص ۳۹۸ — ۴۱۳ (ط: الجدیدۃ: ۱۳۴۶)، نور الابصار فی مناقب آل بیت النبی المختار: سید مومن الشبلنجی: ص ۲۲۹ — ۲۴۶ (ط: العثمانیہ، سنۃ ۱۳۰۴ھ)، ابجد العلوم: نواب صدیق حسن خاں: ص ۲۰۸ — ۲۱۷، عجائب الآثار: الجبرتی، ج ۲، ص ۲۰۸ — ۲۲۳

ابو الفیض ہے۔[1] یہ بہت ہی نادر بات ہے۔ اس لیے کہ عبد الرزاق ان کے ایک دادا کا نام ہے جیسا کہ عبد روسی کی "تمیق الاسفار" میں مذکور ہے۔ کتانی نے بھی ان سے یہی نقل کیا ہے۔ شاید یہ عبد الرزاق، سید ضیاء اللہ (متوفی ۱۱۰۴ھ) ہوں یا ان کے اوپر کوئی اور ہو جیسا کہ دکتور محمد یوسف کی رائے ہے۔

ان کے لقب محی الدین کی بات ممکن ہے صحیح ہو، مگر صاحب "التحفہ" کے وہاں صرف یہ بات ملتی ہے۔ رحمان علی کی تصنیف "تذکرہ علمائے ہند" میں بھی محی الدین لقب لکھا ہے۔ بعض جگہوں پر اس لقب کی جگہ "محب الدین" آیا ہے۔ جیسا کہ "تاج العروس" کے دسوں جلدوں کے سرورق پر محب الدین لکھا ہوا ہے۔ اس سلسلے میں "توتل فردینان"[2] اور "جرجی زیدان" اور دیگر بہت سے اشخاص نے ان کی اصل یمن بتائی ہے۔ تابع اور متبوع دونوں نے یہی غلطی کی ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ "توتل فردینان" نے زُبیدی اور زُبید ضمہ کے ساتھ دونوں کو ضبط کیا ہے۔ جب کہ زُبید، ضمہ کے ساتھ عصر صحابی کا مشہور قبیلہ تھا۔ اور دوسرا زَبید، زَ، فتحہ کے ساتھ یمن کا ایک شہر ہے، جس کو محمد بن زیاد، جو کہ مہدی کا آزاد کردہ غلام تھا، اس نے ہارون رشید کے زمانہ میں آباد کیا تھا۔[3]

سید مرتضیٰ فطری طور پر ایک ایسے گھرانے میں پلے بڑھے جو اپنے دینی سرمایہ کی وجہ سے ممتاز و مشہور تھا۔ ان کو بھی نسل در نسل منقول تہذیب و ثقافت ورثہ میں ملی۔ ان کا خاندان علوم اسلامیہ اور ظاہری و باطنی آداب کے بڑے بڑے علماء

---

[1] تحفۃ الفضلاء فی تراجم الکملاء: ص ۲۲۴، ۲۲۶ (طبعۃ: نول کشور، ۱۸۹۴ء)

[2] المنجد فی الادب والعلوم (ملحق المنجد فی اللغۃ تالیف معلوف الیسوعی)۔ ص ۱۱، ۲۲۲ ایضاً، ۴۹۰ ایضاً: بیروت ۱۹۵۶

[3] "تاج العروس: ج ۲، ص ۳۶۱ – ۳۶۲ ایضاً۔

و فضلاء کا مرکز تھا[1] آپ کی پیدائش کے زمانہ میں قصبۂ بلگرام کی آبادی دو حصوں میں منقسم تھی۔ ایک حصہ کو سید واڑہ اور دوسرے حصہ کو سیدان پورہ کہتے تھے۔ میر غلام علی آزاد بلگرامی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ سید مرتضیٰ کے آباء و اجداد کا موروثی مکان سید واڑہ میں تھا لیکن سسرالی تعلقات کی وجہ سے آپ کے سلسلے کے ایک بزرگ سید عبد الغفار سیدان پورہ کے محلہ میں رہ پڑے اور اسی محلہ میں سید مرتضیٰ کی ولادت ہوئی۔[2]

سید مرتضیٰ بلگرامی زبیدی کے نسب کے متعلق ابو محفوظ الکریم معصومی صاحب اس طرح رقم طراز ہیں:-

"الأشراف الواسطية قاطبة، ذرية محمد بن عيسى مؤتم الأشبال، مع ذلك فإن السلالات الزيدية في (بلگرام) لعلها لم تكن تنحصر فيهم بل إنها اشتملت أيضا على بقية انحدرت من سلالة اخيه أحمد المختفي بن عيسى (١٥٨ـــ ٢٤٠ھ) وكان المختفي على ما صرح الداودي، عالما كبيرا وفقيرا زاهدا، وامه عاتكة بنت الفضل بن عبد الرحمن بن العباس بن ربيعة بن الحارث بن عبد المطلب الهاشمية، وقد أعقب من رجلين محمد المكفل وعلي. وقد أشار الداودي إلى بعض ذرار بهما۔"[3]

---

[1] مجلہ المجمع العلمی الہندی: رجب ۱۴۰۰ھ/ یونیو ۱۹۸۰ء: العدد المزدوج ۱-۲: ج ۵ ص ۲۰۔ ۱۲ الیفاً

[2] مآثر الکرام: غلام علی آزاد بلگرامی: ص ۱۳۹

[3] مجلہ المجمع العلمی الہندی: ص ۱۶

[4] راجع عمدة الطالب في أنساب آل أبي طالب (ط۔ الدكتور نزار رضا): ص ۲۳۰۔ ۲۳۱ بيروت۔ دون التاريخ۔

[ تمام واسطی اشراف محمد بن عیسٰی مؤتم الاشبال کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اس کے باوجود بلگرام میں زبیدیہ خاندان شاید صرف انھیں کے خاندان میں منحصر نہیں ہے۔ بلکہ وہ ان کے بھائی احمد المختفی بن عیسٰی (۱۵۸ — ۲۴۰ ہجری) کے بقیہ نسل سے بھی تعلق رکھتے ہیں۔ داؤدی کی صراحت کے مطابق احمد المختفی بہت بڑے عالم، فقیر اور زاہد تھے۔ ان کی ماں عاتکہ بنت الفضل بن عبد الرحمٰن بن العباس بن ربیعہ بن الحارث بن عبد المطلب ہاشمی تھیں۔ اور دو آدمیوں میں سے محمد المکفل اور علی جانشین ہوئے۔ داؤدی نے ان کی بعض اولاد کی طرف اشارہ کیا ہے ]

احمد المختفی کی نسل میں نیچے چل کر سید مرتضٰی زبیدی بلگرامی کا خاندان مل جاتا ہے۔ جیسا کہ خود ان کے قلم سے اس کی صراحت موجود ہے[1] متداول مراجع میں سے کوئی مرجع ایسا نہیں ملتا جس میں مختفی پر ان کے نسب کے مکمل ہو جانے کی صراحت موجود ہو۔ زبیدی خود نہایت اختصار کے ساتھ مختفی کی طرف اشارہ کرتے ہیں، مجد پر استدراک کرتے ہوئے، لیکن ان کی طرف اپنی نسبت نہیں کرتے ہیں۔ کہتے ہیں :

" والمختفی لقب أحمد بن عیسٰی بن زید الشهید۔" [2]

جہاں تک عیسٰی مؤتم الاشبال سے ان کے نسب کا تعلق ہے تو ان کے مقالہ کے متن سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اس میں کسی طرح کا کوئی شک نہیں ہے کہتے ہیں:-

" ومؤتم الأشبال لقب عیسٰی بن زید بن علی بن الحسن والیه نعتزی فی النسبة۔" [3]

---

[1] فہرس الفہارس والاثبات والمعجم المعاجم والمشیخات والمسلسلات : ج ۱، ص ۳۹۸ سنہ ۱۳۴۶۔

[2] تاج العروس (المستدرک) : ج ۱، ص ۱۱۸ (خفی)

[3] المرجع السابق (المستدرک) : ج ۷، ص ۳۸۷ (شبل)

کچھ کہتے ہیں :-

"ومؤتم الأشبال لقب عیسیٰ بن زید بن علی بن الحسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وإلیہ ینتھی نسبنا وقد تقدم ذکرہ فی ش ب ل" اھ[1]

نیز انھوں نے جہاں زید بن علی[2] کا ذکر کیا ہے وہاں زید شہید کے بعد تین لوگوں کا ذکر کیا ہے۔ عیسیٰ مؤتم الاشبال، حسین صاحب "العبرۃ" اور یحییٰ[3]۔

اور پھر کہتے ہیں کہ الحمد للہ میرا نسب عیسیٰ مؤتم الاشبال سے متصل ہے۔ اور اس کو میں نے "شجرۃ الانساب" میں بیان کر دیا ہے۔ یہ شجرۂ نسب باوجود اپنے زمانہ کے متأخر ہونے کے سب سے زیادہ قابل اعتماد مصدر تھا، جس کی طرف ان کے نسب کے سلسلے میں رجوع کیا جا سکتا تھا۔ ممکن ہے کہ اس میں ان کے خاندان کے حالات کے سلسلے میں بعض قیمتی چیزیں بھی موجود ہوں۔

مآثر الکرام سے آپ کا کامل نسب نامہ اس طرح مرتب ہوتا ہے :-

"سید مرتضیٰ بن سید محمد بن سید قادری بن سید ضیاء اللہ بن سید خان محمد بن سید عبد الغفار بن سید تاج الدین بن سید دولارہ بن سید حسین بن سید محمد بن سید محمد بدھن بن

---

[1] نفس المرجع (المستدرک): ج ۱ ص ۱۱۴ (یتم)

[2] نفس المرجع (المستدرک): ج ۲ ص ۳۶۸ (زید)

[3] کذا ذکر الداودی أن أحد الثلاثۃ محمد بن زید الشھید (عمدۃ الطالب ص ۲۱۰، ۲۳۰، ۲۳۹ ایضًا) وھو أصغر ولد أبیہ، أمہ أم ولد سندیۃ ولہ عقب کثیر بالعراق وأما یحیی فھو ابن الحسین ذی العبرۃ وفی ولدہ البیت والعدد

بن سید جمال الدین بن سید ابراہیم بن سید ناصر بن سید حسین بن سید علی عراقی بن سید حسین بن سید علی بن سید محمد بن محمد عیسیٰ مؤتم الأشبال بن امام زید شہید بن امام ہمام سیدنا وسید المسلمین امام زین العابدین بن شہیدِ کربلا امام حسین علیہ السلام بن اسد اللہ الغالب علی بن ابی طالب وسیدہ فاطمۃ الزہراء بضعۃ رحمۃ للعٰلمین امام المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین"۔ [1]

اکثر غیر ہندی سوانح نگاروں نے سید مرتضیٰ کی اصل و مولد وغیرہ بیان کرنے کے سلسلے میں تصریح کے بجائے مبہم انداز اختیار کیا ہے۔ اسی لیے اکثر لوگ سید مرتضیٰ کو زبیدی ثم مصری سمجھتے ہیں۔ اور ان کے ہندی اور بلگرامی ہونے کا ان کے دل میں خیال بھی نہیں گذرتا۔ سید مرتضیٰ کے خاص تلامذہ نے ہی یہ طریقہ اپنایا تو بعد کے لوگوں سے یہ کیسے توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ اس کو وضاحت و صراحت کے ساتھ بیان کریں گے۔

"جرجی زیدان" ان کی سوانح بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں :۔

"ھو أبو الفیض محمد بن محمد بن محمد بن عبد الرزاق الشہیر بمرتضیٰ الحسینی الزبیدی ولد سنۃ ۱۱۴۵ھجـ ونشأ بالیمن وارتحل فی طلب العلم ثم جاء مصر سنۃ ۱۱۶۷ھجـ"۔ [2]

[وہ ابو الفیض محمد بن محمد بن محمد بن عبد الرزاق جو مرتضیٰ حسینی زبیدی کے نام سے مشہور ہیں، وہ ۱۱۴۵ھ میں پیدا ہوئے۔ یمن میں نشو و نما ہوئی۔ طلب علم میں انھوں نے اسفار کیے پھر ۱۱۶۷ھ میں وہ مصر آئے۔]

---

[1] مآثر الکرام : ص ۱۳۹

[2] تاریخ آداب اللغۃ العربیہ : جرجی زیدان، ج ۳، ص ۲۸۸-۲۸۹، ط، الہلال ۱۹۳۱ء۔

اس بیان میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے لیکن فطری طور پر پڑھنے والے اس کو پڑھ کر اس مغالطہ میں پڑ جائیں گے کہ سید مرتضٰی کی اصل بحیثیت ان کی جائے تربیت (منشاء) زبید (یمن) ہے۔ اور ان کی نگاہیں اس طرف نہیں جائیں گی کہ ان کے بعض معاصرین نے ان کو صراحتاً ہندی الاصل بتایا ہے۔ جیسے شیخ محمد عابد سندھی (متوفی ۱۲۵۷ھ)[1] نے "حصر الشارد"[2] میں لکھا ہے۔ اسی طرح کے اور بھی دیگر نقلی شواہد ہیں جن کو "کتانی" نے اپنی بہترین تصنیف "فہرس الفہارس"[3] میں جمع کر دیا ہے۔ اور اسی طرح "تاج العروس" کی دسویں جلد[4] کے آخر میں ان کی سوانح میں صراحتاً یہی لکھا ہوا ہے اور ان سب سے بڑھ کر یہ کہ سید مرتضٰی نے خود اپنے قلم سے "عمر بن حمودہ الصغار التونسی" کے اجازت نامہ کے آخر میں یہ لکھا ہے کہ ان کی اصل بلگرام کی ہے۔ یہ نسخہ سید کتانی مولف "فہرس الفہارس" کو مل گیا۔ باوجود اس کے کہ سید مرتضٰی کے خطوط اور اجازت ناموں کی کثرت ہے، وہ اس بات کا اہتمام نہیں کرتے تھے کہ سوائے شاذ و نادر، اپنی اصل کو بتلائیں۔ یہیں سے ان کے بعض معاصرین کو یہ راستہ مل گیا کہ وہ ان کی جائے ولادت ہندستان میں ہونے کا انکار کر دیں۔ یا کم از کم اس قول میں شک پیدا کر دیں[5]

---

[1] نزہۃ الخواطر ۷، ص ۴۴۶ ـ ۴۴۹، رقم ۸۳۶

[2] حصر الشارد (مخطوط): الورقۃ الـ ۴۲/ب نسخۃ العامۃ بعلی کرہ

[3] فہرس الفہارس: الکتانی۔ ج ۱ ص ۳۹۸ ـ ۴۱۳ ایضاً

[4] تاج العروس: سید مرتضٰی بلگرامی زبیدی۔ ج ۱۰ ص ۴۶۹ ـ ۴۷۰ ایضاً۔ وممن یذکر مولدہ (بلجرام) نشالس ریو، فی فہرس المخطوطات العربیۃ فی خزانۃ المتحف البریطانی، التکملۃ: ص ۵۹۲ ـ ۵۹۳، سنۃ ۱۸۹۴۔ ثم الزرکلی فی أعلامہ (ج ۷/ص ۲۹۷ ـ ۲۹۸)، وکحالہ فی معجم المؤلفین (ج ۱۱/ص ۲۸۲) وأمثالہم۔

[5] مجلہ المجمع العلمی الہندی: العدد المزدوج ۱ ـ ۲: المجلد الخامس: رجب ۱۴۰۰ھ ص ۲۱، ۲۲ ایضاً۔

ہندستان میں ان کے مولد ہونے کے منکرین میں مصر کے محقق عبدالستار احمد فراج بھی ہیں۔ جو اپنی عجیب رائے کو اس دلیل سے مدلل کر کے پیش کرتے ہیں کہ دکتور یوسف نے زبیدی کے تاج العروس میں بلگرام کا تذکرہ نہ کرنے پر تعجب کا اظہار کیا ہے۔ یہاں تک کہ انھوں نے یہ بھی کہہ دیا ہے :-

"نحن لا نجد نصا واضحا فی کلامہ یدل علی أنہ من الھند" [1]

[ ہم ان کے کسی قول کے بارے میں، جس سے یہ پتہ چلتا ہو کہ یہ ہندی الاصل ہیں، کوئی واضح نص ہی نہیں پاتے ہیں ]

استاد یوسف نے استدلال کے اس طریقہ کی توجیہہ مختصراً کی ہے۔ سارے وجوہ کا ذکر نہیں کیا ہے۔ اور بعض سے اعراض کیا ہے اور کہا ہے :-

"کان الزبیدی التزم بذکر مولدہ، مع انہ لم یعن بالإشارۃ الی أصلہ من (واسط) حینما عدد الأماکن المسماۃ من مادۃ وسط — إلی أن قال — وھل یخفی علی الباحث السلیم أن الزبیدی إنما تعرض لذکر الأمکنۃ التی یکثر ذکرھا فی الآداب العربیۃ ولیست بلجرام منھا کألوف من بلاد الھند وأنھارھا وجبالھا؟" [2]

[ زبیدی کے اپنے مولد کے ذکر کو لازم قرار دیا ہے باوجودیکہ انھوں نے اپنی اصل "واسط" کی طرف اشارہ نہیں کیا ہے جہاں انھوں نے "وسط" مادہ کے اسماء والے مقامات کا شمار کرایا ہے۔ یہاں تک کہ

---

[1] مجلہ مجمع اللغۃ العربیہ : ج ۴۴ ، ص ۹۳۵

[2] نفس المرجع السالف : ج ۴۴ ، ص ۹۳۵

وہ کہتے ہیں کہ کیا کسی سلیم الفطرت محقق پر یہ بات پوشیدہ رہ سکتی ہے کہ زبیدی ان مقامات کا ذکر کریں گے جن کا ذکر آداب العربیۃ میں کثرت سے آچکا ہے اور آتا رہتا ہے۔ اور اس میں بلگرام نہیں ہے جیسے ہندستان کے ہزاروں شہر، نہر اور پہاڑ۔ ]

بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں مختلف رائے رکھنے والے اپنی اپنی جگہ پر صحیح ہیں۔ لیکن فی الواقع وہ دونوں غلطی پر ہیں۔ منکر تو اس وجہ سے ہیں کہ اس نے تنہا بلگرام کے ذکر پر اکتفا کیا۔ اور مثبت اس وجہ سے کہ اس نے صرف الزامی طریقہ پر رد کرنے پر اکتفا کیا۔ اور اس الزامی طریقہ پر واقعہ کے ایک پہلو میں ظن پیدا ہو گیا مگر وہ اسے قطعی حتمی سمجھ رہا ہے۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ اس الزام کے ساتھ ساتھ اس کا بھی اضافہ کریں جس کے ذریعہ بات کو سمجھنے کرنے اور اس کے قبول کرنے میں کوئی دشواری نہ ہو۔ لہٰذا زبیدی نے تنہا اس مآخذ کے ساتھ ساتھ ہندستان، اس کے بہت سے مقامات، اس کی بہت ساری شخصیات، وہاں کے ثقافتی وتہذیبی حالات اور تاریخی واقعات یہاں تک کہ بعض قومی خصوصیات تک کو بیان کیا ہے۔ اور یہ ساری چیزیں یہ یقین دلاتی ہیں کہ صاحب تاج العروس اپنی اصل کے اعتبار سے بر اعظم ہندستان سے تعلق رکھتے تھے نہ کہ یمن یا دیگر ممالک سے۔

یہاں تاج العروس (طبعۃ الخیریۃ، سنۃ ۱۳۰۶ھ) سے نقل کر کے بعض اہم مثالیں پیش کرنے پر اکتفا کی جا رہی ہے ——— [1]

**اجین** [2] : کقبیط مدینۃ بالھند (مستدرک التاج: ۹/ ۱۱۸)

[بروزن قبیط، ہندستان کا ایک شہر ہے ]

**براون** : بفتح الباء وضم الواو مدینۃ بالھند منھا الشیخ العارف باللہ تعالیٰ محمد بن احمد الخالدی الشھیر بنظام

---

[1] مجلۃ المجمع العلمی الھندی: ج ۵ ص ۲۲ : ۲۳ ایضاً (رجب ۱۴۰۰ھ)

[2] ابن بطوطہ: بضم الھمزہ وفتح الجیم ویاء ونون (الرحلۃ: ۲/ ۱۰۴، معجم الأمکنۃ التی لھا ذکر فی نزھۃ الخواطر: ص ۵-۶ (ط، دائرۃ المعارف دکن ۱۳۵۳ھ

الأولياء [1]، نفعنا الله تعالیٰ ببرکاته (مستدرک ۱۳۷/۹)
[ ہندستان کا ایک شہر ہے۔ شیخ عارف باللہ محمد بن احمد خالدی جو نظام الاولیاء کے نام سے مشہور ہیں، وہ یہیں کے تھے ]

برن : محرکة مدينة بالهند، منها الإمام ضياء الدين المحتسب مؤلف كتاب الاحتساب وغيره (المستدرک التاج ۹/ ۱۳۷) كذا قال وفيه تخليط فإن المنسوب إلى (برن) هو ضياء الدين المؤرخ الشهير "تاريخ فيروز شاهی" بالفارسية من أوثق المراجع التاريخية القديمة۔ وأما محتسب فهو القاضی ضياء الدين السنامی [2] عمر بن محمد بن عوض الحنفی. سمی كتابه فی الحسبة (نصاب الاحتساب) وقد طبع فی كلكتا فی سنة ؟، وهناك ثالث هو ضياء الدين النخشی البداونی من شعراء الصوفية والثلاثة متعاصرون رحمهم الله يراجع [3]
[ یہ بھی ہندستان کا ایک شہر ہے۔ ضیاء الدین محتسب مؤلف "کتاب الاحتساب" وغیرہ یہیں کے ہیں۔ انھوں نے اسی طرح کہا ہے۔ لیکن اس میں کچھ الٹ پھیر ہو گئی ہے۔ اس لیے کہ جو ضیاء الدین برن کی طرف منسوب ہیں وہ ضیاء الدین

---

[1] ذكره ايضاً فی ترجمة دهلی، تاج العروس : ۷/ ۳۲۷ — ۳۲۸
[2] معجم الأمكنة : ص ۳۳
[3] اخبار الاخيار : ص ۱۰۳، ۱۰۵، ۱۰۹ ـ تحفة الفضلاء : ص ۹۷ ـ ۹۸ ـ نزهة الخواطر (الطبعة الثامنة) ص ۹۷ ـ ۹۸، رقم الترجمة ـ ۱۴۶ (ط، دكن، ۱۳۵۰ھ)

برهمن : (استدركه على المجد نقلا عن الأزهري) تاج العروس ۹/ ۱۳۹ (انظر ایضاً ج ۸، ص ۲۰۱

[ یہ انھوں نے ازہری سے نقل کرتے ہوئے مجد الدین کے قول پر استدراک کیا ہے ]

بروج : کجوهر مدينة عظيمة بالهند ـ وبرائج بالفتح أخرى بها (مستدرک التاج : ج ۲، ص ۱۸۲) کأنه اراد (بهرائچ)

[ بروزن جوہر ـ یہ بھی ہندستان کا ایک بڑا شہر ہے۔ اور برائج دوسرا شہر ہے۔ شاید اس سے ان کی مراد بہرائچ ہے ]

البسارة[1] : قال الصغاني وبالشين تصحيف ـ وهم يسمون البرماة كما هو مشهور على السنتهم (تاج العروس، ۳/ ۱۴۲ بسر)

[ صغانی نے کہا کہ بڑی شین سے پڑھنا غلطی ہے وہ برساۃ کہتے تھے جیسا کہ ان کی زبانوں پر مشہور تھا ]

---

[1] ابن بطوطہ : (بشکال) الرحلۃ : ج ۱، ص ۱۱۴، ۱۱۹ ایضاً

بلبن : كجعفر اسم و غياث الدين بلبن ملك الهند له آثار معروفة (مستدرك التاج ۹/۱۴۳)

[بروزن جعفر غیاث الدین بلبن ہندستان کا مشہور بادشاہ گذرا ہے۔ اس کے زندہ جاوید آثار ونقوش ہیں]

بنكالة : بالفتح ويقال ايضًا بالجيم[1] بدل الكاف. كورة عظيمة من كور الهند، لها سلطان مستقل و مملكة واسعة (مستدرك التاج ۷/۲۳۷)

[بنگالہ: جیم کے ساتھ بنجالہ بھی کہا جاتا ہے۔ یہ بھی ہندستان کا ایک بڑا صوبہ ہے، جس کا بادشاہ الگ تھا۔ اور جس کی وسیع وعریض سلطنت تھی]

بنور : كتنور[2] بلد بالهند منها الشيخ آدم[3] البنوري تلميذ أبي العباس احمد بن عبد الأحد الفاروقي (مستدرك التاج ۳/۶۰)

[بروزن تنور۔ یہ بھی ہندستان کا ایک شہر ہے۔ یہیں کے شیخ آدم بنوری تھے جو ابوالعباس احمد بن عبدالاحد فاروقی کے شاگرد تھے]

---

[1] ضبطها ابن بطوطه بجيم معقود فقط (الرحلة : ج ۲ ص ۱۴۷)

[2] أغفلها السندوي في معجم الأمكنة : وتقدم أن الأصول السنسكرتي (بھنی پور)

[3] له ترجمة ضيافة في معجم المصنفين : ج ۳، ص ۱۰-۱۴ (طبعة بيروت) سنة ۱۳۴٤هجـ. و ترجمة أبو سعيد بزمي الأنصاري في دائرة المعارف الأسلامية (بالأنكليزية) — الطبعة الحديثة — ج ۱، ص ۱۰۲۲-۱۰۲۳ و قرأت في بعض المراجع أن أصله من (سودره) ثم نزح إلى (بنور) توفي المدينة المنورة و دفن البقيع عند ضريح سيدنا عثمان رضي الله عنه.

بھار : للتاب مدينة عظيمة بالهند۔ (مستدرک التاج : ۳/ ۶۴)

[ بروزن کتاب۔ یہ بھی ہندستان کا ایک بڑا شہر ہے ]

بنجاب : والاسکندریة ستة عشر موضعها ....... وفی مجاری الأنهار وهی خمسة الأنهار وتعرف بنج آب وهی کورة متسعة (تاج العروس : ۳/ ۲۶۶)

[ اور اسکندریہ میں سولہ موضع ہیں ....... اور یہ پانچ نہریں ہیں اور پنجاب سے مشہور ہیں اور یہ بھی وسیع صوبہ ہے ]

التنبولی : (التنبل والتنبول والتانبول[1] والتامول) هندیة الأصل دخلت فی العربیة منذ أوائل الفتوح ولکن مما تفرد به السید مرتضیٰ قوله : ومما یستدرک علیه (التنبولی) بائع التنبول (مستدرک التاج : ۷/ ۲۴۲)

[ یہ لفظ ہندی الاصل ہے۔ فتوحات شروع ہونے کے دور سے یہ کلمہ عربی میں داخل ہوگیا۔ لیکن سید مرتضیٰ اپنے اس قول میں منفرد ہیں۔ جن الفاظ پر انھوں نے استدراک کیا ہے اس میں سے ایک "التنبولی" بھی ہے جس کے معنی پان بیچنے والے کے ہیں ]

الجوکیة[2] : طائفة من البرهمة یقولون بتناسخ الأرواح (مستدرک التاج : ۷/ ۱۱۶)

[ یہ برہمنوں کا ایک گروہ ہے جو تناسخ ارواح کا قائل ہے ]

---

[1] بزرگ بن شہریار، عجائب الهند : ص ۱۱۵، ۱۱۸، ۱۴۸

[2] الرحلة : ابن بطوطہ : ۲/ ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳

جغتائی[1] : (حکی المؤلف اولا ما أورده المقریزی عن نسخة الیاسا أو بساق لجنکزخان وعن ابنه جغتائی هذا هو جد ملوک الهند الآن (المستدرک التاج : ۷/ ۱۱۲

[ مؤلف نے پہلے وہ چیز بیان کی ہے جس کو مقریزی نے یاسا یا بساق کے نسخے سے نقل کر کے بیان کیا ہے۔ چنگیز خاں اور اس کے بیٹے جغتائی کے بارے میں۔ پھر انھوں نے اس پر حاشیہ لکھا ہے کہ " میں کہتا ہوں کہ جغتائی، یہ اس وقت ہندستان کے بادشاہوں کا دادا پردادا گذرا ہے ]

خیراباد : مدینة کبیرة بالهند، منها شیخنا الإمام المحدث المعمر صفة الله[2] بن الهداد الحنفی، روی عن الشیخ عبدالله بن سالم البصری وغیره (مستدرک التاج : ۳/ ۱۹۷)

[ ہندستان کا ایک بڑا شہر ہے۔ ہمارے شیخ امام و محدث صفت اللہ بن الهداد الحنفی یہیں کے ہیں۔ انھوں نے شیخ عبداللہ بن سالم البصری وغیرہ سے روایت کی ہے ]

---

[1] بجیم معقودة مفتوحة مات حوالی سنة ۱۲٤۲م وانظر دائرة المعارف الاسلامیة الطبعة الحدیثة : ج ۲، ص ۲ — ۳

[2] طبعة التاج : صنعة الله (مصحفا) وعجائب الآثار (ج ۱/ ۱۷۴) : صبغة الله (محرفا ایضاً)، والصواب ما أثبتناه، ترجم له آزاد فی مآثر الکرام (ص ۳۰۱، ۳۰۲) وذکر رحلته إلی الحجاز فی سنة ۱۱۲٤ هجر وقد سمع الحدیث من الشیخ محمد طاهر المدنی (کذا ولعل الصواب أبو طاهر بن إبراهیم الکردی) وقد رآه آزاد فی بلکرام سنة ۱۱۳۲ عند جده لأمه السید عبدالجلیل ثم فی رحلته الحجازیة أدرک علماء الحرمین یثنون کثیرا علی الشیخ صفة الله، توفی سنة ۱۱۵۷ هجریة۔

دکن : بفتح فکسر کاف مشددة[1] کورة عظیمة بالهند (مستدرك التاج : ۹/۲۰۱)
[ ہندستان میں ایک بڑا صوبہ ہے ]

دھلی : (یصفها وصفا ممتعا إلی أن یقول) : ...... ومن المتأخرین الإمام المحدث أبو محمد عبد الحق بن السیف الدین البخاری الدهلوی من کبار أئمة الحدیث شرح المشکاة، عربی وفارسی[2] ومدارج النبوة فارسی ترجم فیه المواهب الدینة وأخبار الأخبار وغیرها، وقد إلی الحرمین فأخذ عن الشهاب احمد بن حجر المکی وطبقته کالشیخ عبد الوهاب المتقی وملا علی القاری وغیرها (تاج العروس : ۷/۳۲۷، ۳۲۸)
[ اس کی بہترین انداز میں تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ متاخرین میں بہت سے علماء یہیں پیدا ہوئے، مثلاً امام محدث ابو محمد عبد الحق بن سیف الدین بخاری دہلوی جو بڑے پایہ کے محدث ہیں، مشکاۃ کی شرح عربی وفارسی میں لکھی ہے۔ "مدارج النبوۃ" فارسی میں ہے جس میں انھوں نے "المواہب الدینہ" اور "اخبار الاخیار" وغیرہ کتابوں کا ترجمہ کیا ہے۔ وہ پھر حرمین شریفین تشریف لے گئے اور وہاں انھوں نے شہاب الدین احمد بن حجر مکی اور ان کے معاصرین جیسے شیخ عبد الوہاب متقی اور ملا علی قاری وغیرہ سے حدیث روایت کی ]

---

[1] الأصل بالهندیة (دکهن) بالکاف مع الهاء، مخففة مفتوحة أو مثقلة مکسورة أو مشددة مفتوحة وبالتخفیف، نقط فی معجم الأمکنة : ص ۲۵

[2] کذا : ویعنی اللمعات واشعة اللمعات

رانا : (رانك كصاحب) أهمله الجوهري وقال الأزهري: الرانكية نسبة إلى الرانك ولا أعرف الرانك وقال ابن عباد هو (حي) كما في الحباب ولم يبين أهم من العرب أم من العجم ولا إخالهم إلا من العجم، وفي الهند طائفة من ملوكها الكفار يقال لهم رانا فربما تكون هذه نسبة اليهم بزيادة الكاف على قياس لغتهم فتأمل ذلك (تاج العروس : ۷/۱۳۷)

[ (رانک بروزن صاحب) جوہری نے اس کو مہمل پڑھا ہے اور ازہری نے کہا ہے کہ رانکیہ، رانک کی طرف نسبت ہے۔ اور رانک کو میں نہیں جانتا۔ ابنِ عباد نے کہا ہے کہ وہ ایک محلہ ہے اور یہ بیان نہیں کیا ہے کہ آیا عرب کا محلہ ہے یا عجم کا۔ لیکن میں اس کو عجم کا ہی محلہ سمجھتا ہوں۔ ہندستان میں غیر مسلم بادشاہوں کی ایک جماعت رانا کہی جاتی تھی تو کبھی کبھی کاف کی زیادتی کے ساتھ ان کی طرف یہ نسبت ہوتی تھی۔ ان کی زبان پر قیاس کرتے ہوئے]

سنبل[1] : کجعفر مدينة عظيمة بالهند منها الشيخ العارف زكريا العثماني السنبلي أحد مشائخ نقشبندية، توفى بمكة سنة الف (مستدرک التاج : ۷/۳۸۳)

[ بروزن جعفر ہندستان کا ایک بڑا شہر ہے۔ شیخ عارف زکریا عثمانی سنبھلی جو سلسلۂ نقشبندیہ کے ایک شیخ ہیں، یہیں کے رہنے

---

[1] الأصل (سنبھل) بالباء مع الهاء مفتوحة وأغفلها الحاج معين الدين الندوی فی معجم الأمكنة۔

والے تھے۔ مکہ میں سنہ ۱۰۰۰ھ میں وفات ہوئی ]

سندان[۱] : بالفتح قصبة بلاد الهند مقصودة للتجارة (مستدرک التاج : ۳۸۸/۲)

[ ہندستان کا ایک تجارتی شہر ہے ]

سندلة[۲] : بالفتح مدينة بالهند منها شيخنا العلامة أبو العباس أحمد بن علی السنديلی أحمد المحققين فی المعقولات۔
(مستدرک التاج : ۷/ ۳۸۳)

[ یہ بھی ہندستان کا ایک شہر ہے۔ ہمارے شیخ علامہ ابو العباس احمد بن علی سندیلی جو معقولات کے بلند پایہ محقق تھے، یہیں کے تھے ]

اس ضمن میں ابو محفوظ الکریم معصومی صاحب رقم طراز ہیں :-

" ترجمة الشيخ عبد الشكور للقاضی أحمد علی بن السيد فتح محمد السنديلی تلمذ العلامة حمد الله السنديلی وختنه ، كانت إليه وظيفة القضاء فی سنديلة، وله حاشية علی رسالة ميرزاهد ، وأخری علی حاشية ميرزاهد علی ملاجلال ، وحواش علی شرح المواقف ، وشرح علی سلم العلوم ، ثم تعليقة علی شرح السلم له ، ورسالة فی الفرائض علی مذهب

---

۱ عجائب الهند : بزرک بن شهريار : ص ۱۱۸ ، ۱۴۴ ، ۱۶۵

۲ بالفتح و سكون النون وكسر الدال فسكون التحتية و فتح اللام مع هاء السكنة : معجم الأمكنة : ص ۱۳۳ـ ۱۳۴

الحنفية ، توفى فى آخر القرن الثانى عشر ودفن فى
حسينية السيد غلام حسين ( تحفة الفضلاء : ص ۲۰ )
فلعل القاضى أحمد على هذا ، هو شيخ العلامة مرتضى
بلجرامى صاحب التاج ـ" ۱؎

[ شیخ عبدالشکور نے قاضی احمد علی بن سید فتح محمد سندیلی جو علامہ
حمد اللہ سندیلی کے شاگرد اور ان کے داماد تھے ، کی سوانح لکھی
ہے ۔ سندیلہ میں وہی قاضی تھے ۔ میر زاہد پر ان کا حاشیہ ہے
اور دوسرا حاشیہ میر زاہد کے اس حاشیہ پر ہے جو ملّا جلال پر ہے
اور شرح المواقف پر بہت سارے حاشیے ہیں ۔ سلم العلوم پر ایک
شرح ہے پھر شرح سلم پر ایک حاشیہ ہے ۔ مذہب حنفی کے فرائض
کے سلسلے میں ایک رسالہ ہے ۔ ان کی وفات بارہویں صدی ہجری
کے آخر میں ہوئی ۔ سید غلام حسین کے قبرستان میں مدفون ہوئے
( تحفۃ الفضلاء : ص ۲۰ ) شاید قاضی احمد علی شیخ علامہ مرتضیٰ
بلگرامی صاحب تاج العروس ہوں ]

**عين الديك** ۲؎ : نبات يقارب شجرة شجر الفلفل ، يكثر بجبال
الدكن وأهل الهند تصطنعه لنفسها ( مستدرك
التاج : ۹/۲۹۳ )

[ یہ ایک پودا ہے ۔ اس کا درخت مرچ سیاہ کے درخت کے

---

۱؎ مجلہ المجمع العلمی الهندی : العدد المزدوج ۱ ـ ۲ ، المجلد الخامس رجب ۱۴۰۰ھ
یونیو ۱۹۸۰م ، ص ۲۷

۲؎ يقال له بالفارسية ( چشم خروس ) وهى حبة حمراء رأسها أسود تسمى بالهندية
( گھنگچی ) وانظر غياث اللغات : ص ۳۵۴ ـ ۳۵۵

قریب ہوتا ہے۔ یہ دکن کے پہاڑ میں کثرت سے پایا جاتا ہے۔
ہندستانی اس کو اپنے کام میں لاتے ہیں ]

فور : (نورد بساحل الهند معرب پور) وهو اليوم بيد النصارىٰ ( تاج العروس : ۴/۴۰۰ ) لعل المجد أراد (پور بندر) من موالىٰ سورت أو كا نهبا دار القديمة۔[1]
[ یہ ہندستان کے ساحل پر واقع ہے اور پور کا معرب ہے ) اور آج یہ عیسائیوں کے قبضہ میں ہے۔ شاید مجدالدین نے پور بندر مراد لیا ہے۔ جو سورت یا کاٹھیاواڑ کے قدیم بندرگاہوں میں سے ہے۔ ]

قبولة : بالفتح حصن[2] منيع بالهند و إليه ينسب شيخنا العلامة المحدث الشيخ نور الدين محمد القبولى، مات بدهلى سنة ۱۱۶۰ (مستدرك التاج : ۸/۴۷)
[ یہ ہندستان کا ایک مضبوط قلعہ ہے۔ ہمارے شیخ علامہ محدث نورالدین محمد القبولی اس کی طرف منسوب ہیں، دہلی میں ۱۱۶۰ھ میں وفات ہوئی ]

ابو محفوظ الکریم معصومی صاحب لکھتے ہیں :-

" و لعل هذا الحصن سمى باسم بعض الأمراء الولاة وقد ذكر ابن بطوطة الأمير قبولة الملقب بالملك الكبير

---

[1] راجع لها مقالة السيد أبى ظفر الندوى فى مجلة ( معارف ) ج ۲۸، ص ۱۹ — ۲۰ ( دار المصنفين اعظم گڈھ سنة ۱۹۵۱ )

[2] هذا الحصن محدود فى مديرية دبيالپور فى عصر الامبراطور ( آئین اکبری : ج ۱ ص ۳۸۲، ط، سنة ۱۸۷۲ )

(الرحلة : ۱/۹۶) کماذکر ایضاً الشیخ العارف قبولة الهندی من کبار الصالحین (ایضاً الرحلة : ۱/۱۵۵)"۔ [1]

[ یہ قلعہ شاید بعض حکاموں کے ناموں پر ہے۔ ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامہ میں حاکم قبولہ کا ذکر کیا ہے جو ملک کبیر کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ اور انھوں نے شیخ عارف قبول ہندی جو صالحین امت میں سے تھے، ان کا بھی ذکر کیا ہے ]

قص : بلدة علی ساحل بحر الهند وهو معرب (کج) وذکرالمصنف فی السین (مستدرک التاج : ۴/۴۲۴ وقارن ۴/۲۱۷) والظاهر أنه أراد (کچھ)

[ بحر ہند کے ساحل پر ایک شہر ہے اور کج معرب ہے۔ مصنف نے اس کو سین میں ذکر کیا ہے۔ بظاہر اس سے انھوں نے کچھ مراد لیا ہوگا ]

کش [2] : ایضاً مدینة عظیمة بالهند وهو قص (مستدرک التاج : ۴/۳۴۵)

[ یہ بھی ہندستان کا ایک عظیم شہر ہے اور وہ قص ہے ]

کشوشه : (ذکرعقب کش) : وکشوشه أخری بها (مستدرک التاج : ۴/۳۴۵) ولعله أراد (کچھوچھه)

[ کش کے بعد ہی اس کا ذکر کیا ہے۔ یہ کشوشہ اس سے مختلف دوسری جگہ ہے۔ اور شاید انھوں نے اس سے مراد کچھوچھہ لیا ہے ]

---

[1] مجلہ المجمع العلمی الهندی : المجلد الخامس : رجب ۱۴۰۰ھ، ص ۲۸

[2] عجائب الهند : بزرک بن شهریار : ۱۲۳ وضبطها ابن بطوطه بکسر الکاف (رحلة : ۲/۱۰۲)

کلیر : کجعفر مدینة عظیمة بالهند (مستدرك التاج : ۳/ ۵۲۸)

[ بروزن جعفر، ہندستان کا ایک بڑا شہر ہے ]

کنبایت : مدینة عظیمة بالسواحل الهندیة (تاج العروس ۱/ ۵۷۹)

[ ہندستان کے ساحلی علاقوں پر ایک بڑا شہر ہے ]

الکهك : بالهاء لغة فی اللعك نقله أبو نصر الفراهی[1] فی کتاب الصبیان وهی مصریة (مستدرك التاج : ۷/ ۱۷۲)

[ ہ کے ساتھ ایک لغت کہک بھی ہے۔ ابونصر فراہی نے اس کو "نصاب الصبیان" میں نقل کیا ہے۔ یہ مصری زبان ہے ]

لکنو[2] : مدینة عظیمة بالهند هی بید الأفرنج الیوم (مستدرك التاج : ۱۰/ ۳۳۶)

[ یہ بھی ہندوستان کا ایک عظیم شہر ہے جو اس وقت برطانوی حکومت کے زیر اقتدار ہے ]

لهور : کجعفر ویقال لاهور کساجور ویقال لهاور، مدینة عظیمة بالهند، بها ولد الصاغانی صاحب العباب وإلیه ینسب جماعة من المحدثین (مستدرك التاج : ۳/ ۵۳۳)

---

[1] أبو نصر مسعود بن ابی بکر بن حسین بن جعفر الفراهی من رجال القرن السابع له ایضاً أرجوزه فی الفقه الحنفی تنطوی علی الجامع الصغیر للإمام محمد الشیبانی ـــ دائرة المعارف الاسلامیه (ط. القدیمه) ج : ۲، ص : ۵۶، سنة ۱۹۲۷ وأغفلوه فی الطبعة الحدیثة. وانظر تاج العروس (ج ۱/ ۳۰۲) والبلغة فی أصول اللغة للنواب : ص ۱۳۸ (طبعة بهوپال)

[2] معجم الأمکنة : ص ۴۹

[ بروزن جعفر اسی کو لاہور بھی کہتے ہیں بروزن ساجور، اس کو لہاور بھی کہتے ہیں۔ ہندستان کا ایک بڑا شہر ہے۔ یہیں پر صاغانی صاحب العباب کی ولادت ہوئی۔ محدثین کی ایک جماعت انھیں کی طرف منسوب ہوتی ہے ]

المهو[1] : والمهو شجر سهلی أکبر ما یکون، له ثمر حلو یؤکل وفیه رائحة طیبة، یکون بأرض الهند۔

(مستدرک التاج : ۱۰/۳۵۷)

[ یہ ترائی علاقہ کا ایک بہت بڑا درخت ہے۔ اس کا پھل میٹھا ہوتا ہے، جو کھایا جاتا ہے۔ اس میں بہتر بن خوشبو ہوتی ہے۔ ہندستان میں پایا جاتا ہے ]

ناکور : بفتح الکاف[2] مدینة بالهند ومنها حمید الدین الصوفی الناکوری الملقب بسلطان التارکین من قدماء الشیوخ (مستدرک التاج : ۳/۵۸۵)

[ یہ بھی ہندستان کا ایک شہر ہے۔ حمید الدین صوفی ناکوری ملقب سلطان الدین التارکین جو پرانے شیوخ میں سے ہیں، یہیں کے ہیں ]

---

[1] ابن بطوطہ : ج ۲، ص ۱۱، ۱۲ ۔ وکان شدید الاعجاب بالمهو الهندی۔

[2] الکاف معقودة وأما الشیخ فراجع له أخبار الأخیار للشیخ عبد الحق : ص ۲۹ ـ ۳۷؛ تقصار جیود الاحرار ص ۱۳۱ ـ ۱۳۲، وکان من ذریة سعید بن زید العدوی أحد العشرة رضی الله عنهم وعن سائر الصحابة وهو اول مولود وضعته أمه علی فور احتلال المسلمین مدینة دهلی ثم توفی سنة ثلاث وسبعین وستمائة۔

هجويرة : والإمام ابوالحسن علی الهجويری بالضم مؤلف كشف المحجوب والمدفون بلاهور من قدماء المشائخ، كأنه إلى (هجويرة) قرية من مضافات (غزنين) فلينظر (مستدرك التاج : ۲/ ۶۱۵)

[ امام ابوالحسن علی ہجویری صاحب "کشف المحجوب" جولاہور میں مدفون ہیں، اور پرانے بزرگوں میں سے ہیں۔ گویا "ہجویرہ" یہ "غزنین" کے مضافات کی کوئی بستی ہے ]

مذکورہ بالا شواہد کی تلخیص کے سلسلے میں جناب معصومی صاحب لکھتے ہیں :-

" فلكم النقف بجماعها بل على تفاريقها تؤدينا إلى نتيجة حاسمة، هي أن صاحب تاج العروس وإن فاته أن يذكر مولده (بلكرام أو بلجرام) في هذا الكتاب فلم يفته بعد أن يحدثنا عن غيرها من أماكن الهند وما إليها كما تلونا عليكم فقرا من نصوصه مع هذا الضبط الذي لا يتوقع من غير أهلها" [1]

[ مذکورہ بالا تمام شواہد مجموعی طور پر یا علیحدہ علیحدہ ہم کو ایک قطعی نتیجہ کا پتہ دیتے ہیں۔ وہ یہ کہ صاحب "تاج العروس" نے باوجودیکہ اپنے مولد بلکرام یا بلگرام کا تذکرہ اپنی کتاب میں نہیں کیا ہے، لیکن اس کے علاوہ انھوں نے ہندستان کے بہت سارے علاقوں اور دیگر بہت ساری چیزوں کا تذکرہ پورے ضبط کے ساتھ کیا ہے۔ جن کی بعض مثالیں میں نے ابھی اوپر پیش کی ہیں۔ اس ضبط کے ساتھ تذکرہ کی کسی غیر ہندستانی سے توقع نہیں کی جا سکتی ]

---

[1] مجلہ المجمع العلمی الہندی : المجلد الخامس : ص ۹۹

پھر معصومی صاحب آگے لکھتے ہیں :۔

" هل يتوقع من عربي ـــ ولو دوخ القطر الهندي في تحواله ـ أن ينقل شيئا في اللغة من كتاب الصبيان للفراهي ؟ وهو تاليف لغوي منظوم باللغة الفارسية على مختلف البحور والقوافي ويحتوي طائفة غير قليلة من مفاريد اللغة العربية مع مترادفاتها الفارسية واستمروا بهتمون بتحفيظه[1] صبيان المكتب بالهند حتى رابع العقود من هذا القرن وكان هذا الكاتب المقصد نفسه حفظ كتاب نصاب الصبيان للفراهي في بدء الطلب ۔" [2]

[ کیا کسی عربی سے ، اگرچہ اس نے ملک ہندستان کی سیاحت کی ہو یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ فنِ لغت میں فراہی کی کتاب " نصاب الصبیان " سے حوالہ دے سکتا ہے ۔ اور یہ کتاب مختلف بحور و قوافی میں فارسی زبان میں منظوم لغت ہے ۔ یہ کتاب فارسی زبان کے مترادفات کے ساتھ ساتھ عربی زبان کے مفردات کے ایک بڑے

---

[1] هناك انصبة أخرى عديدة والطبوا على تحفيظها للصغار كما صرح العلامة عبد الأعلى بن بحر العلوم عبد العلي اللكنوي في الرسالة القطبية ـــ نزهة الخواطر ( ج ۔ ، ص ۲۳۲ ) أما هذا العاجز فقد حفظ بعد نصاب الصبيان للفراهي ، قبل الأدب في مثلثات العرب للحسن قويدر الخليلي مع كفاية المتحفظ لابن الاجدابي وذلك حسب منهج خاص اختاره وارتضاه سيدي الوالد رحمه الله وجعل الجنة مثواه

[2] مجلة المجمع العلمي الهندي : ص ۲۰

حصے کو شامل کیے ہوئے ہے۔ اور اساتذہ ہندستان کے مکاتب میں
بچوں کو اس کتاب کے یاد کرانے کا بڑا اہتمام کرتے ہیں۔ یہاں تک
کہ اس صدی کی چوتھی دہائی تک، لہٰذا اس کاتب یعنی مرتضیٰ نے
بھی فراہی کی اس کتاب کو پہلے پہل یاد کیا ہوگا ]

اسی ضمن میں معصومی صاحب اپنی رائے پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ کم سے کم اس سلسلے میں جو بات کہی جا سکتی ہے وہ یہ کہ فراہی کی یہ کتاب جس طرح ہندستان کے مکاتب میں حفظ کی جاتی تھی اسی طرح ایران و افغان کے ملکوں میں بھی اس کو حفظ کیا جاتا تھا۔ لیکن یہ بات سب کو معلوم ہے کہ مرتضیٰ زبیدی ایرانی یا افغانی نہیں تھے جیسے وہ کرد یا ترک بالاتفاق نہیں تھے، بلکہ منکرین کا اصل تنازع ان کے ہندی الاصل ہونے میں ہے۔ اپنے زعم فاسد کی وجہ سے وہ عربی المولد ہیں۔ پھر ان میں سے کوئی بھی یہ نہیں کہتا کہ ان کو کبھی ہندستان آنے کا اتفاق بھی ہوا تھا۔ پھر یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ فراہی سے اس حوالہ کی وہ کیا توجیہہ کرتے ہیں۔ حالاں کہ تنہا یہی دلیل ان کی رائے کو واضح کرنے والی ہے، چہ جائے کہ دوسرے پختہ دلایل و شواہد کی طرف نظر کی جائے۔[1]

کسی ہندستانی سے ہی یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ ہندستانی کلمات کی تہ تک پہونچ جائے گا (ان کی تعداد خواہ کتنی ہی کم کیوں نہ ہو) لغت میں منتخب کلمات کی وضاحت و تائید کے لحاظ سے جیسے ——— البرساۃ۔ التنبولی۔ الجوکیۃ۔ دانا۔ المھو، یا مثلاً دکن کو اس باریکی سے ضبط کرلے گا۔ اور بلبن۔ بنور۔ جغتائی۔ لکنئو کو ان کے اہم تاریخی اشارات کے ساتھ بیان کرے گا۔ یا وہ خیراباد اور سندیلہ اور قنولہ جیسے مقامات کا ان شیوخ کے ناموں کے ساتھ ذکر کرے گا جو ان مقامات میں پیدا ہوئے

---

[1] مجلہ المجمع العلمی الھندی : ص ۳۰

یا وہ دہلی کے صدیوں پر حاوی تہذیبی و ثقافتی مقام کو متعین کرے گا۔ یہاں تک کہ وہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا اور ان کی فارسی تصنیفات تک کا بھی ذکر کرے گا۔ یا بداون۔ برن۔ بنگالہ۔ بہار اور پنجاب اور دیگر مقامات کا بھی تذکرہ اس سے نہیں چھوٹے گا۔ کیا ان سب میں اور انھیں جیسی اور چیزوں کے تذکرہ میں اس کے قطعی دلائل نہیں ہیں کہ ان کی اصل اور ان کا مولد ہندستان ہے اور وہ ہندستان کے جگر کے ٹکڑے ہیں۔[1]

کسی کہنے والے کو یہ کہنے کا حق نہیں ہے کہ شاید ان غریب و نادر معلومات کو انھوں نے مختلف سیاحوں جیسے ابن بطوطہ اور ان کے آگے پیچھے کے سیاحوں کے مؤلفات میں پڑھ لیا ہوگا۔ اس لیے کہ ان کے ہمارے علامہ موصوف کے درمیان کے موازنہ (مقارنہ) سے ان وساوس و شبہات کی تردید ہو جاتی ہے، جیسے خیرآباد، سندیلہ اور قبولہ کی بلند پایہ شخصیات کا تذکرہ پھر ان خالص ہندستانی الفاظ کا ذکر۔ ان سب شبہات و شکوک کو ھباءً منثوراً کر دیتے ہیں۔

یہ بہت عجیب بات ہے کہ ایک بلند پایہ محقق استاذ عبدالستار احمد فراج تاج العروس پر مقدمہ لکھتے ہوئے اس کے شروع میں اپنے غلط اور بے بنیاد خیالات کے مطابق مؤلف کتاب کے حالات زندگی لکھتے ہیں لیکن اس میں کتانی اور دیگر محققین و باحثین کے طرزِ عمل کے متعلق غور و فکر نہیں کرتے ہیں۔ اور خود مؤلف نے کتاب کے درمیان جگہ جگہ جو واضح حقایق بیان کیے ہیں، جس سے ان کے اصل اور مولد کا پتہ چلتا ہے، اور اپنے اندر مبتداء کی صحیح خبر رکھتے ہیں، ان میں بھی بحث و تحقیق نہیں کرتے ہیں۔ تعجب یہ ہے کہ

---

[1] مجلۃ المجمع العلمی الہندی: ص ۳۰-۳۱

THE ENCYCLOPAEDIA OF ISLAM vol.I AB, p 321, 1359. "Sayyid Murtaza-al-Zabidi, author of Tadj-al-Arus, was also a native of Bilgram".

سکر اپنی کوشش میں کامیابی کے ساتھ ساتھ زبیدی کے نصوص میں پھیلے ہوئے واضح و روشن شواہد کی طرف بھی نہیں دیکھتا اور اس میں غور و فکر نہیں کرتا۔ یہیں سے ان کے دلائل کی کمزوری اور قلّتِ عمق ظاہر ہو جاتی ہے۔ اور ضعف و ضلالت کی نشانیاں ان کے مقالہ کے دیباچہ پر عیاں ہو جاتی ہیں [1]

سید مرتضیٰ بلگرامی زبیدی کی ابتدائی تعلیم و تربیت کے مدارج وطن میں طے ہوئے۔ بلگرام میں ان کے بسر کیے ہوئے ابتدائی زمانہ کے متعلق اگرچہ کوئی مستند تاریخی ثبوت موجود نہیں ہے، تاہم قرائن کا اقتضا یہ ہے کہ فارسی اور عربی کی ابتدائی تعلیم سید علامہ نے بلگرام میں پائی، کیوں کہ ابًا عن جدٍ یہ خاندان علم و فضل کی روشنی سے معمور تھا۔ آپ کے جدِّ امجد سید قادری کا تعلق اکابرِ سلف کے ان بلند ہمّت نفوس سے تھا جن کو علم و عرفان کی تلاش نے ہر قسم کی وطنی خصوصیات و مالوفات سے بالکل آزاد کر دیا تھا۔

"مآثر الکرام" میں ہے کہ سید قادری نے علم طب میں نہ صرف ہندستان بلکہ عرب و عجم کی باضابطہ سیر کی۔ آخر میں "حما" (شام) کی خانقاہ قادریہ کی تعلیم حاصل کی۔ پھر بغداد میں رہے۔ علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل کے بعد دہلی پہونچے۔ بالآخر خلوت گزینی کا جذبہ آپ پر غالب آیا اور عمر کا بقیہ حصّہ بلگرام کے گوشۂ عافیت میں ختم کیا۔ ساداتِ بلگرام پر آپ کی جلالت شان کا جو اثر تھا، اس کا ثبوت ان تاریخی اشعار سے ملتا ہے ؎

رحل القادری سیدنا
صاحب الکشف والکرامات
اللھم بحق عام رحلتہ
ان نلتقی لحسنات

میر غلام علی آزاد بلگرامی نے ان کو خود دیکھا تھا۔ ان کا بیان ہے کہ

---

[1] مجلۃ المجمع العلمی الھندی : ص ۔ ۲۱

سید قادری نہ صرف سیر و سلوک، تصوف و حقایق میں شیخ کامل تھے، بلکہ فقہ و تفسیر اور حدیث میں بھی ان کا پایہ بلند تھا۔ قرآن مجید کے حافظ تھے۔ تجوید و قرأت کے ماہر تھے۔ مشہور ہندستانی فاضل ملّا جیون ان کے ہندستانی استاد تھے۔ اور بیرونِ ہند میں ان کے سب سے بڑے استاد مولانا سلطان بن ناصر بن احمد خابوری تھے۔ صحاح، سند اور تجوید کی سند انھوں نے انھیں سے حاصل کی تھی۔

غالبًا سید قادری کی یہی اولوالعزمیاں تھیں جو ان کے پوتے کی طلبِ علم میں مشعلِ راہ ثابت ہوئیں۔ دادا کا نقشِ قدم سامنے تھا لہٰذا اس میں کوئی شک نہیں کہ سید مرتضیٰ نے ہندستان میں بعض مشاہیر سے علم حاصل کیا ہے۔ اس سے پہلے وہ ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں اپنے آباء و اجداد کی زیرِ نگرانی حاصل کر چکے تھے۔ ہندستان میں ان کے طلبِ علم کے ابتدائی مقامات سندیلہ و خیر آباد ہیں۔ اور شاید وہ جب شیخ کبیر صفت اللہ خیر آبادی کے پاس تعلیم حاصل کر رہے تھے، اس وقت ان کی عمر بارہ سال سے زیادہ نہیں تھی۔ اس کا قرینہ و دلیل یہ ہے کہ شیخ کی وفات ذی قعدہ ۱۱۵۷ھ میں ہوئی۔ اسی مدت کے درمیان ان کی ملاقات علامہ احمد بن علی سندیلی سے ہوئی، جو کہ معقولات کے محقق تھے، اگرچہ ان کے سوانح نگاروں میں سے کسی نے بھی ان کے ہندستانی مشائخ کے ضمن میں ان کا تذکرہ نہیں کیا ہے سوائے شیخ عبد الشکور صاحب مؤلف "تحفۃ الفضلاء" کے کہ وہ علامہ سید مرتضیٰ کے جامع بین المعقول والمنقول ہونے پر تعریف کرتے ہیں اور اس مذکورہ بالا نص کی صراحت کی وجہ سے علامہ مرتضیٰ اس تعریف کے مستحق بھی ہیں۔[2]

---

[1] رسالہ معارف : مرتبہ سید سلیمان ندوی ، فروری ۱۹۲۷ء

[2] مجلہ المجمع العلمی الہندی : ص ۳۲

کئی کتابوں میں اسی بات کی صراحت ملتی ہے کہ سید مرتضیٰ بلگرامی زبیدی نے اپنی ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں حاصل کی، اور بعض نے یہ بھی لکھا ہے کہ اپنے شہر کے معروف اساتذہ سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد سندیلہ اور خیرآباد میں آکر وہاں کے اساتذہ سے پڑھا۔[1]

مقبول احمد صمدنی بھی اپنی تصنیف میں لکھتے ہیں کہ ابتدائی تربیت وتعلیم کے مدارج وطن میں طے ہوئے۔ صاحبِ برنامجہ نے تین سو شیوخ واساتذہ کے نام تحریر کیے ہیں، جن سے سید مرتضیٰ نے استفادہ کیا تھا۔ محدث علامہ محمد فاخر بن یحییٰ الہ آبادی المتخلص بہ زائر اور شیخ ولی اللہ دہلوی صاحبِ "حجۃ اللہ البالغۃ" اور مولوی خیرالدین سورتی کے نام نامی ان میں ممتاز ہیں ...... خانوادۂ قادریہ میں سید لٰسین حموی کے مرید تھے۔ شیخ جعفر علوی مدنی سے بھی سندِ اجازت پائی

---

[1] برہان: جلد ۸۲، شمارہ: ۲، فروری ۱۹۷۹ء ص ۸۲ ـ نزہۃ الخواطر: ج ۷، ص ۹ معجم المطبوعات العربیہ والمعرّبہ: یوسف الیان سرکیس: ج ۱، ص ۱۲۶ ـ بحرِ ذخار: ملا وجیہہ الدین اشرف، ص ۱۳۴۲ ـ تاریخ عجائب الآثار فی التراجم والاخبار: علامہ الشیخ عبدالرحمٰن الجبرتی، ص ۱۰۳،

The Contribution of India to Arabic Literature.
by Dr. Zubaid Ahmad, page 87:

" Sayyid Mohammad Murtada, the Commentator was a native of Bilgram, who after receiving his education from eminent scholars, like Shah Wali- ullah and others went to HIJAZ for further studies."

تھی، یہ بزرگ دمشق سے ہندستان آئے تھے[1]

سید مرتضیٰ بلگرامی کے تعلیمی سفر سے متعلق سید سلیمان ندوی اپنے مقالہ میں لکھتے ہیں کہ :

"سید مرتضیٰ نے وطن کو خیرباد کہا ۔۔۔ اور شروع شروع میں وہ الہ آباد پہونچے، یہاں اس وقت ملّا فاخر الہ آبادی المتخلص بہ زائر کے درس و تدریس کا طوطی بول رہا تھا۔ کچھ ان سے پڑھتے رہے"۔[2]

مجلة میں ابو محفوظ الکریم معصومی صاحب نے بھی الہ آباد کے انھیں مذکورہ شیخ کا ذکر مرتضیٰ بلگرامی کے اساتذہ کے ضمن میں کیا ہے۔ انھوں نے ان کا سنہ وفات ۱۱۶۴ھ لکھا ہے۔ آگے وہ ایک نئی بات لکھتے ہیں :-

" وذلك فيما يبدو لنا بعد عودة الشيخ من رحلته الحجاز به الثانية فى أخريات سنة تسع وخمسين ومائة والف ......"[3]

یعنی یہ کہ ان کی ملاقات بہ ظاہر شیخ فاخرؒ سے حجاز کے دوسرے سفر سے واپسی کے بعد ہوئی جو ۱۱۵۹ھ کے آخر میں ہوا تھا۔ پھر معصومی صاحب نے آپ کے ایک دوسرے شیخ کا ذکر کیا ہے کہ اس کے بعد علامہ مرتضیٰ اکبر آباد پہونچے، اور وہاں شیخ یٰسین عباسی سے ملاقات ہوئی۔ پھر دہلی آئے وہاں علامہ محدث نورالدین محمد القبولی (متوفی ۱۱۶۰ھ، نہ کہ ۱۱۹۰ھ ) سے ملاقات ہوئی۔ نیز

---

[1] حیات جلیل : مقبول احمد صمدنی، ص ۳۲

[2] رسالہ معارف : فروری ۱۹۲۷ء ص ۹۹ ــ ۱۱۸

[3] مجلہ المجمع العلمی الہندی: ص ۳۲

[4] راجع لہ النواب، اتحاف النبلاء ص ۴۰۵ ، تقصار جیود الاحرار : ص ۱۱۵ ، ۱۱۶ ایضاً ، نزہتہ الخواطر: ج ٦ ص ۲۴۰ ــ ۲۴۱

وہاں انھوں نے شیخ القدوۃ ولی اللہ[1] الدہلوی (متوفی ۱۱۷۶ھ) سے علم حاصل کیا اور شاید وہاں دونوں نادرۂ روزگار شیوخ کے پاس انھوں نے حدودِ مراہقت کو پار کیا یعنی بلوغ کے قریب قریب پہونچے۔ ان دونوں حضرات کے پاس وہ برابر ۱۱۶۰ھ تک علم حاصل کرتے رہے۔ اس وقت ان کی عمر پندرہ سال کی تھی[2]

جناب سید سلیمان ندوی صاحب نے اپنے مقالہ میں سید مرتضیٰ زبیدی کے دہلی جانے کے متعلق لکھا ہے:

"الہ آباد کے بعد وہ دہلی پہونچے۔ دلی اس زمانہ میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی دلی تھی حکیم الہند کے درس میں تحقیق و تدقیق کا دریا موجیں مار رہا تھا۔ سید مرتضیٰ زانوئے تلمذ تہہ کرکے بیٹھ گئے۔ اپنی ایک یادداشت میں نہایت جوش و مسرت کے ساتھ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہونے کا ذکر کیا ہے۔ صحیح طور پر اگرچہ یہ معلوم نہیں ہے کہ دہلی کے علمی حلقہ میں سید علامہ کب تک رہے، تاہم ان کی تالیفات میں جو تحقیق و جامعیت کا رنگ پایا جاتا ہے، اس میں "ولی اللہی" مذاق کا بہت کچھ دخل ہے"[3]

نواب صدیق حسن خاں اس ضمن میں رقم طراز ہیں:۔

"علامہ مرتضیٰ زبیدی نے اپنی اس ڈائری میں جس کو انھوں نے سید باسط علی بن سید علی بن سید محمد بن سید قادری کے لیے مصر میں لکھا اس میں تقریباً تین سو مشائخ کا ذکر کیا ہے جن سے انھوں نے علم حاصل کیا۔ ان میں ہندستان کے علماء و مشائخ میں یگانۂ روزگار

---

[1] تحفۃ الفضلاء: ص ۲۵۰ — ۲۵۲

[2] مجلہ المجمع العلمی الہندی: ص ۳۲

[3] رسالہ معارف: فروری ۱۹۲۷ء، نمبر ۲، جلد ۱۹

فاضل محدث شیخ ولی اللہ دہلوی مؤلف "حجۃ اللہ البالغہ" بھی ہیں۔
علامہ مرتضیٰ خود کہتے ہیں ـــــ "میں دہلی میں شیخ ولی اللہ دہلوی کے گھر حاضر ہوا" ـــــ مذاہب اربعہ کے مشائخ اور دور دراز ممالک کے علماء نے آپ کو اجازتِ تحدیث و درس عطا فرمائی ہے۔ علامہ مرتضیٰ نے شیخ ابوالحسن بن محمد صادق سندھی مدنی جو "صحاحِ ستہ" کے شروحات کے مؤلف ہیں، اور مولوی خیرالدین سورتی بن محمد زاہد، اور ان کے علاوہ بہت سارے حضرات سے ملاقات کی ہے۔" [1]

جناب معصومی صاحب نے بھی لکھا ہے کہ دہلی کے بعد آپ سورت پہونچے اور وہاں شیخ خیرالدین محمد زاہد سورتی [2] (متوفی ۱۲۰۶ھ) جو شیخ محدث محمد حیات [3] السندی المدنی کے شاگرد ہیں، ان سے ملاقات ہوئی اور ان کے ساتھ تقریبًا ایک سال گذارا جیسا کہ ان کے بھتیجے سید باسط علی بلگرامی [4] نے ذکر کیا ہے۔

ابھی عنفوانِ شباب تھا کہ حج کا شوق مستولی ہوا اور نوعمری میں حجاز

---

[1] ابجد العلوم : سید صدیق بن حسن علی الحسینی القنوجی البخاری ، ص ۲۱۳ ــ ۲۲۲،

[2] انظر نزہتہ الخواطر : ص ۲۵۰ ــ ۲۵۲ ، جلد ۷

[3] انظر مآثر الکرام : ص ۱۶۴ ــ ۱۶۶ ۔ سبحۃ المرجان : ص ۹۵ ــ ۹۶ ۔
اتحاف النبلاء : ص ۴۰۳ ــ ۴۰۴ ۔ تقصار جیود الاحرار : ص ۲۲۴ ــ ۲۲۵
سلک الدور للمرادی : ج ۴ ص ۳۴ ۔ تحفۃ ا ا : ص ۱۸۶ ــ ۱۸۷
نزہتہ الخواطر : ج ۶ ص ۳۰۱ ــ ۳۰۲ ۔ فہرس الفہارس : ج ۱ ص ۲۶۴ ــ ۲۶۵ ۔ معجم المؤلفین : ج ۹ ص ۲۷۵

[4] ابجد العلوم : ص ۲۱۷ ــ ۲۲۲ ۔ قضاء الأدب من ذکر علماء النحو والأدب : ذوالفقار علی النقوی ، ص ۱۹۳

روانہ ہوئے۔ میر غلام علی آزاد بلگرامی نے لکھا ہے :

" درحداثت سن توفیق زیارت حرمین شریفین یافتہ۔"

ایک سید جب عرب پہونچتا ہے تو اس کو اپنا آبائی وطن یاد آجاتا ہے۔ اگرچہ عارضی وطن کی آسانیاں اسے پھر اپنے ملک میں واپس لے آتی ہیں۔ مگر جب سید مرتضیٰ اپنے حقیقی وطن میں پہونچ گئے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہندستان کو گویا بالکل بھول گئے اور کچھ اس طرح بھولے کہ پھر اس دیس کی طرف کبھی رخ نہیں کیا۔ عموماً غریب ہندستان کا تذکرہ اپنی کتابوں میں کچھ اس طرح کرتے ہیں کہ گویا اس سے کوئی تعلق ہی نہ تھا۔[1]

مولانا صدیق حسن خاں نے لکھا ہے کہ آپ ۱۱۶۴ھ میں حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہوئے۔[2]

سید مرتضیٰ بلگرامی زبیدی کے اوائل عمر میں زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے اور وہیں تحصیلِ علوم میں ظاہر و باطن میں کسبِ کمالات کرنے کی شہادتیں کئی کتب میں ملتی ہیں۔[3]

اسلامی علوم میں سید مرتضیٰ کا فطری میلان زیادہ تر حدیث اور ادب کی طرف تھا۔ ہندستان میں اس وقت میر زاہد سلّم العلوم کی دھوم مچی تھی۔ دہلوی خاندان اگرچہ حدیث اور قرآن کا علم بردار تھا، تاہم ملک کا عام علمی ماحول معقولی تھا۔ جس سے غالباً سید مرتضیٰ کچھ خوش نہ تھے۔ جب عرب پہونچے تو یہاں معقولات سے زیادہ ان کو اپنے مذاق کی چیزیں نظر آئیں۔ حدیث، ادب، تفسیر کے بڑے بڑے

---

[1] رسالہ معارف : ص ۹۹ — ۱۱۸

[2] اتحاف النبلاء المتقین باحیاء ماثر الفقہاء المحدثین : مولانا صدیق حسن خاں ص ۴۰۷، ۴۰۸ — ۴۰۸

[3] تذکرہ علمائے ہند : مولوی رحمان علی۔ ص ۱۹۱ — ۱۹۲ ، بحر ذخار : طلاوجلیہ الدین ص ۳۴۲ — معجم المطبوعات العربیۃ والمعربۃ : یوسف الیان سرکیس ج۔ ۱ص ۱۷۲۶۔

ماہرین، عرب کے مختلف شہروں اور دیہاتوں میں درس دے رہے تھے۔ پھر کیا تھا علم کا متلاشی دعوئی رما کر جم گیا۔

اگرچہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ خود دارالعلوم تھے لیکن تمام عرب میں اس وقت علمی حیثیت سے یمن کو امتیاز حاصل تھا اور اب بھی ہے۔ یمن کا مشہور تعلیمی شہر زبید تھا۔ اور سنا جاتا ہے کہ اب بھی ہے۔ سید مرتضیٰ زبید کی شہرت سن کر اسی طرف روانہ ہوئے اور حسن اتفاق تھا کہ زبید کے مشاہیر ارباب درس میں اس وقت علامہ عبدالخالق بن زین مرجاجی بھی تھے۔ جنھوں نے ہندستان کے مختلف علماء و مشائخ سے پڑھا اور فائدہ اٹھایا۔ جن میں علامہ حیات سندی، شیخ عبدالکریم ہندی، شیخ امراللہ ہندی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ اس لحاظ سے شیخ عبدالخالق ہی کے سائہ عاطفت میں اس کو جگہ ملی جس کی خبر ہندستان بھی پہونچی تھی۔ اور میر غلام علی نے مآثر الکرام میں اس کا تذکرہ بھی کیا ہے[1]

دیگر مؤلفین و مصنفین نے بھی سید مرتضیٰ زبیدی کے یمن جانے اور وہاں علم حاصل کرنے کا ذکر کیا ہے۔ مقبول احمد صمدنی لکھتے ہیں:

> "علم کا شوق، بلکہ عشق سید مرتضیٰ کو وطن سے یمن لے گیا۔
> وہ زَبید (بفتح الزاء) میں عرصہ تک رہے، جو یمن میں ساحلِ مغرب کے قریب ایک مشہور اور قدیم شہر ہے۔ وہاں اتنی مدت گذار دی کہ خود زبیدی مشہور ہوگئے۔ یہی دلولہ اور شوق ان کو بار ہا بلدالامین کی طرف کھینچ لے گیا۔ اور وہ ہر بار اس کی بہ دولت بے مُزد باشرف حج کی سوغات ساتھ لے کر لوٹے[2]

---

[1] معارف: ص ۹۹ــ ۱۱۸

[2] حیات جلیل: مقبول احمد صمدنی: ص ۲۱، اتحاف النبلاء: ص ۰، ۴،

The Contribution of India to Arabic Literature :
- Dr. Zubaid Ahmad - p.87.

تذکرہ علمائے ہند: مولوی رحمان علی: ص ۹۴

سید مرتضیٰ کے زبیدی مشہور ہونے کے سبب کوئی ان کو ہندی نہیں سمجھتا تھا۔ بلکہ شام کے مشہور ادیب علی طنطاوی نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ :۔

"ولد فی الیمن سنة ١١٤٥ھ قبل مئتین و ثلاثین سنة ونشأ بها ، ثم رحل فی طلب العلم کما کان یرحل العلماء فی ذلك الزمان ، و حج مرارًا ......" [1]

[ ١١٤٥ھ میں یمن میں پیدا ہوئے دو سو تیس برس پہلے۔ وہیں پلے بڑھے، تحصیل علم کے لیے سفر کیا جس طرح اس زمانہ کے علماء سفر کیا کرتے تھے۔ اور انھوں نے کئی مرتبہ حج کیا ]

مرتضیٰ بلگرامی زبیدی نے زبید (یمن) کے علمی حلقوں میں شرکت کر کے لغت، حدیث اور فقہ کی استعداد بڑھائی۔ اس وقت ان کی عمر سولہ سترہ سال سے زیادہ نہ تھی [2] ان کے مشائخ میں سے چند کے نام مذکورہ بالا سطور میں آچکے ہیں، علاوہ ازیں یمن میں سید احمد بن محمد مقبول الأھدل اور اس طبقہ کے دوسرے اساتذہ مثلاً شیخ عبدالخالق بن ابی بکر المزجاجی (جن کا ذکر پہلے آچکا ہے) اور شیخ محمد بن علاء الدین المزجاجی، نیز مذاہب اربعہ کے شیوخ اور مختلف ممتاز شہروں کے علماء نے بھی آپ کو اجازت دی۔ [3]

ملا وجیہ الدین اشرف لکھتے ہیں :۔

"حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی چاروں مصلوں پر بیٹھ کر مدتوں

---

[1] رجال من التاریخ : علی الطنطاوی ص ٢٣١

[2] برہان : جلد ٨٢ شمارہ ٢ فروری ١٩٧٩ء ص ٨٣

[3] نزہۃ الخواطر : ج ٧، ص ٤٧١

درس دیتے رہے۔" [1]

آخر میں زبید کا مشہور علمی قدیم خاندان اہدلیہ ان پر مہربان ہوگیا۔ اس زمانہ میں اس خاندان کی درسی و فاداری ریاست شیخ احمد بن محمد شریف مقبول الأھدل [2] پر ختم ہوتی تھی، جو نہ صرف علوم نقلیہ کے ماہر بصیر تھے، بلکہ علوم عقلیہ مثلاً منطق، حساب، ہیئت میں بھی کافی دست گاہ رکھتے تھے۔ پیچیدہ مسایل کے حل میں ان کو خاص کمال تھا۔ تقریباً یہ کمال ان کو تمام علوم متداولہ میں حاصل تھا۔ علامہ مرتضیٰ، شیخ عبدالخالق کے بعد انھیں کے فیوض سے مستفیض ہوتے رہے۔ اور زبید کی علمی دل چسپیوں میں کچھ ایسے کھوئے کہ گویا یہی ان کا وطن ہوگیا تاج العروس کے خاتمہ نویس نے لکھا ہے :۔

"واقام بزبید مدۃ طویلۃ حتیٰ —— قیل لہ الزبیدی واشتہر بذلک۔"

[ایک زمانۂ دراز تک زبید میں رہے، یہاں تک کہ لوگوں نے زبیدی کہنا شروع کیا اور آج تک اسی نسبت سے مشہور ہیں۔]

سید مرتضیٰ پر خود بھی زبیدی کا اس قدر گہرا اثر تھا کہ مصر سے ایک دوست کے نام خط لکھتے ہیں اور اس میں جب زبید کا ذکر آیا تو قلم سے بے ساختہ یہ جملے نکل پڑے :۔

---

[1] بحر زخار : ص ۱۳۴۲

[2] ان کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ اہدل کے معنی عام طور پر اقرب (نزدیک) لے لیے جاتے ہیں، لیکن بعض اہلِ لغت کا خیال ہے کہ یہ لفظ علی اللہ دل کی مصحف شکل ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

"خدائے واحد منان سے یہ دعا ہے کہ کاش! مجھے پھر اس خطہ (زبید) میں پہونچاتا، تاکہ اپنے پرانے گذرے ہوئے دنوں کی یاد تازہ کرتا اور اس سرزمین سے انس حاصل کرتا۔" [1]

جناب معصومی صاحب لکھتے ہیں کہ :-

یمن کے مضافات میں آپ نے دو سال یا اس سے کچھ زائد مدت گذاری۔ زبید میں انھوں نے مجد الدین فیروز آبادی کی قاموس کی روایت شیخ رضی الدین عبد الخالق بن ابی بکر الزین بن الصدیق بن محمد النمری المزجاجی الزبیدی الحنفی (۱۱۰۴ھ — ۱۱۸۱ھ) [2] سے کی اور پھر کئی مرتبہ حجاز تشریف لے گئے۔ وہاں طائف میں قیام کیا۔ اور شیخ عبد اللہ میر غنی طائفی کی خدمت (۱۱۹۳ھ) میں حاضر ہوئے اور ان سے کتب فقہ اور انھیں کی دیگر تصانیف پڑھیں [3] اور شیخ نے ان کو اجازت دی [4] طائف میں آپ کے قیام کے متعلق اور بھی کئی جگہ ذکر آیا ہے [5]

---

[1] معارف : ص ۱۰۶

[2] انظر تاج العروس (ج ۱ ص ۱۴) دمزجاجة موضع بالقرب من زبید (تاج العروس : ج ۲ ص ۵۲) وذکرہ بلفظ "شیخنا خاتمة المحدثین" (تاج العروس : ج ۲ ص ۹۶) دترجمه النواب بنهایة الایجاز فی التاج المکلل (۴۹۹، رقم ۵۲۶)

[3] مجلہ المجمع العلمی الہندی : ص ۳۳

[4] تاریخ عجائب الآثار فی التراجم والاخبار : للجبرتی، ص ۱۰۳

[5] رجال من التاریخ : علی الطنطاوی ص ۲۳۱، نزہتہ الخواطر : ج ۷، ص ۴۲

عموماً تاریخوں میں لکھا ہے کہ سید علامہ نے متعدد حج کیے ہیں۔
نہیں معلوم یہ کس حج کا واقعہ ہے، کہ یہ زبید سے مکۂ مکرمہ بہ ارادۂ حج آئے ہوئے تھے، کہ خدا کے گھر میں نبوت کے گھرانے کا ان کو ایک آفتاب مل گیا، یہی وہ روشنی تھی جس نے سید کی حقیقت میں ایک انقلاب پیدا کر دیا۔ ان کے علم کو عرفان سے دانستاً کو شناختاً سے بدل دیا۔ یعنی عیدروسی طریقہ کے ایک "حبیب" سید عبدالرحمٰن بن مصطفیٰ العیدروسی کی زیارت نصیب ہوئی۔ خدا جانے سید علامہ نے ان میں کیا دیکھا کہ بلگرام، الہ آباد، دہلی، زبید کی گلیوں میں گھوم گھوم کر جو سرمایہ اتنی طویل مدت میں جمع کیا تھا، اس کو اس عیدروسی درویش کے قدموں پر نثار کر دیا۔ تاج العروس کے خاتمہ نگار نے لکھا ہے کہ :-

" واجتمع بالسید عبدالرحمٰن العیدروسی مکة المشرفة ولازمة کلیة ........"

[ کہ مکہ مکرمہ میں سید عبدالرحمٰن عیدروسی سے ان کی ملاقات ہوئی اور کلی طور پر پھر انھیں کے ہو رہے ]

سید علامہ خود لکھتے ہیں :-

" فانه فن رباني و بلبان تادیبه غذاني...."

[ انھوں نے میری پرورش کی اور اپنی تادیب کے دودھ سے مجھے سیراب کیا ] [1]

علامہ الجبرتی لکھتے ہیں :-

" قرأ علی الشیخ عبدالرحمٰن العیدروس مختصر السعد ولازمه ملازمة کلیه والبسه الخرقة واجازه بمرویاته ومسموعاته، قال : وهو الذي شوقني

---

[1] معارف : (اعظم گڑھ) ص ۱۰۶

الی دخول مصر بما وصفہ لی من علمائھا و امرائھا و ادبائھا
وما فیھا من المشاھدات الکرام" [1]
[شیخ عبدالرحمٰن العیدروس سے مختصر السعد پڑھی اور ان کے ساتھ ہر وقت رہنے لگے۔ شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو خرقہ پہنایا اور اپنی مرویات و مسموعات کی اجازت دی۔ وہ فرماتے ہیں کہ شیخ عبدالرحمٰن نے مصر کے علماء ادباء اور وہاں کے مشاہدات اور اچھی تاریخی یادگاروں کا ذکر کر کے مجھے وہاں جانے کا شوق دلایا۔ تو میرا اشتیاق بڑھ گیا] [2]

سید عبدالرحمٰن بن مصطفیٰ عیدروس نے اگرچہ باطنی اور ظاہری کمالات کا اکتساب زیادہ تر اپنے والد مرحوم سے اور سید عبدالرحمٰن بافقیہ سے کیا تھا، تاہم ان کے زمرۂ اساتذہ میں چند ہندستانی علماء بھی تھے۔ "ابجد العلوم" میں لکھا ہے کہ انھوں نے شیخ حیات سندی، مولوی غلام حیدر ہندی اور سید فضل اللہ بن احمد ہندی سے بھی پڑھا تھا۔ ممکن ہے اس ہندستانی رابطہ

---

[1] "تاریخ عجائب الآثار فی التراجم و الاخبار : للجبرتی : ص ۱۰۴،
وعبدالرحمٰن بن مصطفیٰ العیدروس (۱۱۳۵ھ — ۱۱۹۲ھ)
راجع لہ سلک الدرر (ج ۲ ص ۳۲۸ — ۳۲۹) مستدرک التاج
(ج ۴ ص ۱۸۷)

[2] اسی بات کی تائید علامہ شریف عبدالحی الحسینی نے "نزہۃ الخواطر" میں کی ہے:
ج ۶، ص ۳۰۷، رسالہ برہان : جلد ۸۲ شمارہ ۲ فروری ۱۹۷۹ء ص ۸۳

"بلگرامی مکے چلے گئے اور وہاں کے محدثین اور فقہاء کے حلقوں میں شریک ہوئے، مکے کے ایک استاذ نے انھیں مصر کے علمی افق پر چمکنے اور کسبِ معاش کے روشن امکانات سے فائدہ اٹھانے کا مشورہ دیا۔"

نے عیدروسی کی خاص توجہ سے علامہ کی علمی ساز کو روحانی سوز سے بدل دیا۔ آسمان کے نیچے یہ عجیب تماشا تھا کہ ایک سند الوقت محدث اور لغوی، ایک درویش کے قدموں پر جھکا ہوا تھا۔ نہ اسے اپنے علم کا خیال تھا اور نہ اپنے فضل کا لحاظ تھا۔ حیرت تو اس پر ہے کہ سید مرتضیٰ نے با ایں ہمہ متبحر و وسعتِ نظر، سید عبدالرحمن عیدروس سے "مختصر المعانی" سبقاً سبقاً پڑھا اور "احیاء العلوم" غزالی کا بھی ایک حصہ اپنے پیر ہی سے پڑھا۔ اسی درس سے "احیاء العلوم" کی اس عظیم الشان ضخیم شرح کی بنیاد پڑ گئی، جو "اتحاف السادۃ المتقین فی شرح احیاء العلوم الدین" کے نام سے مشہور ہے۔ مصر والوں نے اسے چھاپ دیا ہے اور آج ایک بیش قیمت ذخیرۂ معلومات کی حیثیت سے علمائے اسلام کے ہاتھوں میں ہے۔[1]

مدینہ منورہ میں ۱۱۶۴ھ کے مہینوں میں اپنے شیخ سید عمر بن احمد بن عقیل حسینی مکی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ اور "باب الرحمۃ" کے قریب ان کی زبان مبارک سے "حدیث الرحمۃ" جو مسلسل بالاولیۃ[2] ہے، اس کی سماعت کی اور شیخ عبداللہ ابوعبداللہ محمد بن محمد بن موسیٰ اشرف القانسی[3] جو مدینہ طیبہ میں مقیم تھے، (۱۱۰۰ھ — ۱۱۷۰ھ) ان کے پاس حاضر ہوئے، اور "القاموس المحیط" کے متعدد اجزاء ان سے پڑھے اور شاید اسی سفر کے دوران، ان سے

---

[1] معارف (اعظم گڈھ) مقالہ سید سلیمان ندوی، ۱۹۲۷ء نمبر ۲، جلد ۱۹ ص ۱۰۷

[2] انظر نص اجازتہ للسلطان عبدالحمید خان (راجع لہ محمد اسحاق، اطروحتہ بالانکلیزیۃ عن مساھمۃ الھند فی دراسۃ الحدیث النبوی: ص ۲۶۲ — ۲۷۰ ایضاً، نشرہ جامعۃ داکا سنۃ ۱۹۵۵م، والاصل بخط العلامۃ النواب صدیق حسن خان فی خزانۃ دار العلوم لندوۃ العلماء بلکناؤ۔

[3] راجع تاج العروس (ج ا ص ۱۵، ج ۳ ص ۱۸۲) سلک الدرر (ج ۴ ص ۹۱ — ۹۴)

قاموس کی شرح، جو انھوں نے کی ہے، روایت کی۔ دو ضخیم جلدوں میں یہ شرحیں ان کے پاس موجود تھیں۔[1]

علامہ مرتضیٰ کے شیخ نے ان کو مصر کی زیارت کی رغبت دلائی۔ لیکن اس کے باوجود وہ برابر ۱۱۶۵ھ کے آخر تک، بلکہ ۱۱۶۶ھ کے شروع تک وہ حرمین شریفین کے شیوخ کی مجالس میں حاضر ہوتے رہے۔ تاج العروس میں انھوں نے صراحت کی ہے کہ انھوں نے طائف میں ۱۱۶۶ھ میں مؤخر الذکر سید عبداللہ بن ابراہیم بن حسن طائفی سے ان کا رسالہ جو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مناقب و فضائل میں ہے، اس کو پڑھا۔[2] اسی سال کے بعض مہینوں میں ان کو یمن واپس آنے کا بھی اتفاق ہوا، جیسا کہ الجبرتی[3] نے صراحت کی ہے۔ لیکن اس مرتبہ وہ یمن میں زیادہ دنوں نہیں ٹھہرے۔[4]

سید سلیمان ندوی اپنے مقالہ میں لکھتے ہیں:۔ ——— میں کہہ چکا ہوں کہ سید علامہ پر بیعت کے بعد دوسرا رنگ چڑھ گیا تھا، وہ اپنی مرضی اور ارادہ سے دست بردار ہو چکے تھے۔ اب ان کی ہر جنبش، ان کا ہر سکون، پیر کے اشارۂ چشم کے ساتھ وابستہ تھا۔

تاج العروس کے خاتمہ نگار کا بیان ہے کہ سید مرتضیٰ اپنے پیر کے حکم و ترغیب سے بجائے ہندستان کے، جو ان کا وطن تھا، عرب سے سیدھے مصر کی طرف روانہ ہوئے۔ مصر آنے کے وقت ان کی عمر بائیس[۲۲] سال

---

[1] تاج العروس؛ (ج ۱، ص ۳)

[2] نفس المرجع الآنف: (ج ۷، ص ۲۲۰)

[3] عجائب الآثار: (ج ۲، ص ۲۰۸ — ۲۲۳)

[4] المجلۃ المجمع العلمی الھندی: ج ۵ ص ۳۴

تھی[1] وہ ۹ صفر ۱۱۶۷ھ میں قاہرہ پہونچے اور ایک زمانہ تک خان الصاغہ کی سرائے ان کی قیام گاہ تھی۔ درویش پیر نے اپنے محدث اور لغوی مرید کو مصر کس لیے بھیجا تھا؟ اس کو کون جان سکتا ہے۔ لیکن سید مرتضیٰ نے اپنے اس قیام کو غنیمت خیال کیا ــــــــــــ اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں :-

"اللہ تعالیٰ کے مجھ پر جو احسانات ہیں، ان میں ایک بڑا احسان یہ ہے کہ میں جب مصر پہونچا تو بیکار پڑا نہ رہا۔ بلکہ فرصت نکال کر میں یہاں بھی طلبِ علم میں منہمک رہا اور اس کے رموز و اسرار کے حل میں مصروف ہوگیا۔"[2]

اکثر مصنّفین نے مصر میں آپ کے علوم کے افادہ و افاضہ میں مشغول ہونے کا تذکرہ کیا ہے[3]

---

[1] رسالہ برہان : جلد ۸۲ شمارہ ۲ فروری ۱۹۷۹ء ص ۸۲ ــ ۱۰۹

[2] رسالہ معارف : ص ۱۰۸

[3] بحر ذخار : ص ۱۳۴۲، تذکرہ علمائے ہند : ص ۲۹۲، رجال سن التاریخ : ص ۲۳۱، حیات جلیل : ص ۲۲، ج ۱، اتحاف النبلاء : ص ۷،۴، نزہۃ الخواطر : ج ۷، ص ۴۷۲، عجائب الآثار فی التراجم والأخبار : ص ۱۰۳، رسالہ برہان : جلد ۸۲ شمارہ ۲، فروری ۱۹۷۹ء ص ۸۲ تا ۱۰۹،

The Contributioon of India to Arabic Literature.
- Dr. Zubaid Ahmad - p. 87.

سید مرتضیٰ بلگرامی زبیدی مصر میں صرف مصری شیوخ کے علمی حلقوں میں حاضر ہوتے تھے۔ ان تمام شیوخ نے حفظ و روایت میں علامہ مرتضیٰ کے تقدم اور علم و فضل میں ان کی فوقیت کا اعتراف کیا ہے [1]

ان سے سید علی المقدسی الحنفیؒ جو علمائے مصر میں سے ہیں، انھوں نے استفادہ کیا اور ان کے درس میں شیوخِ وقت مثلاً شیخ احمد الملوی، الجوہری، البلیدی، الصعیدی، المدابغی اور ان کے علاوہ دیگر حضرات شریک ہوئے اور علامہ نے ان سے استفادہ کیا۔ اور ان لوگوں نے علامہ کو اجازت دی اور ان کے علم و فضل و کمالِ حافظہ کا اعتراف کیا۔ ان اشخاص نے اجازت کے ساتھ ساتھ آپ کے علم و فضل و جودتِ حافظہ کی بھی شہادت دی [2] ان کی طرف امیر اسماعیل کتخدا عزبان اور ان کی اولاد متوجہ ہوئی اور ان کے ساتھ حسن سلوک کیا۔ یہاں تک کہ ان کی شہرت بڑھ گئی، حالت اچھی ہوگئی اور ان کا ذکر ہر خاص و عام میں ہونے لگا [3]

ملّا وجیہہ الدین نے بھی سید مرتضیٰ بلگرامی زبیدی کے امراء سے تعلق ہونے کا ذکر کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ:۔

"ملک محمد اسماعیل بادشاہ سنام و بادشاہ مصر مرزا مراد بیگ و سلطان عبدالمجید غازی، بادشاہ روم وطوس و یمن ردے ......." [4]

[ ملک محمد اسماعیل بادشاہ سنام، اور بادشاہِ مصر مرزا مراد بیگ اور

---

[1] مجلہ المجمع العلمی الهندی: ج ۵ ص ۳۴

[2] نزہۃ الخواطر: ج ۷ ص ۴۷۲

[3] تاریخ عجائب الآثار: ص ۱۰۴

[4] بحر زخار: ص ۱۳۴۲

سلطان عبدالمجید غازی، بادشاہ روم وطوس ویمن ان کے نیاز مند ہیں ]

ان مذکورہ بالا امراء کے علاوہ محمد پاشا صدر الوزارت نے بھی ان سے حدیث کی اجازت لی۔ تلامذہ کی کثرت اور خود ان کی تصانیف کے ان کی زندگی میں ہی شہرت پذیر ہونے کے سبب اگر ان کو تیرہویں صدی کا مجدد کہیں تو روا ہے [1]

ان کے تذکرہ نگاروں میں سے تقریباً سبھی نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ امیر اسماعیل کتخدا عزبان سے ان کا تعلق ان کی طرف عوام الناس کی توجہ و اقبال کا سبب بنا [2] مصر میں ان کا ستارہ چمکا اور نام چلا۔ اور انھوں نے بلند درجہ حاصل کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی محبت و عظمت امیر مصر اسماعیل کتخدا کے دل میں ڈال دی۔ اس نے ان کو اچھے منصب پر فائز کیا۔ امیر کے اکرام کے سبب لوگ ان کی طرف متوجہ ہونے لگے اور آپ کے درس سماعت اور آپ کی مجلس میں حاضری کے لیے مسابقت کرنے لگے۔ [3]

سید مرتضیٰ بلگرامی زبیدی کو علم حدیث کے متعدد اصناف میں مختلف النوع سند کے حصول کا بہت شوق تھا۔ زبید کے ایک عالم کے نام اپنے ایک گرامی نامہ میں لکھتے ہیں :۔

" وہ دن جو گذر گئے، ان میں اس کا خاص شوق تھا کہ لوگ اعلیٰ سند کی تلاش میں دور دراز ممالک کا سفر اختیار کرتے تھے لیکن اب یہ ذوق معدوم ہو رہا ہے۔ وہ بساط ہی الٹ گئی، ہمتیں پست ہیں، بگڑی کے بنانے والے، کوتاہیوں کے دور کرنے والے وہ بزرگان دین

---

[1] تذکرہ علمائے ہند : ص ۳۹۲ ، اتحاف النبلاء : ص ۴۰۷

[2] مجلۃ المجمع العلمی الہندی : ص ۳۴

[3] رجال من التاریخ : ص ۲۳۱

کہاں ہیں جن پر ملت کو فخر تھا۔" [1]

پھر ایک خاص مسرت ونشاط کے ساتھ لکھتے ہیں ــــــــــ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حدیث کی اس صنف کا ذوق ان پر کس قدر غالب تھا ــــــــــ ان کے الفاظ کا ترجمہ یہ ہے :۔

"لیکن ان گذشتہ بزرگوں کے آثار کا کچھ حصہ اب بھی باقی ہے، دنیا کے گوشوں میں وہ چیزیں اب بھی کہیں نہ کہیں پائی جاتی ہیں، اور یہ بندہ الحمدللہ ان لوگوں میں ہے جس نے علم حدیث اور علمِ اسناد کے اساتذہ کی خدمت میں بہت کچھ تگ ودو کی ہے۔ اور ان سے حاصل کرکے اب اس نے اپنے علمی صحن میں اپنا دستر خوان بچھایا ہے۔"

سندِ عالی کی تلاش کیوں کی جاتی ہے، اس کی وجہ انھوں نے اسی کتاب میں یہ بیان کی ہے :۔

"حدیث کی سند میں سندِ عالی معتبر ہوتی ہے یعنی جس میں وسایط کم ہوں اور یہ قاعدہ ہے کہ جہاں تک وسایط کم ہوں گے جھوٹ کا احتمال کم ہوتا جاتا ہے۔ اور جہاں تک واسطے زیادہ ہوں گے کذب کا احتمال قوی ہوتا جاتا ہے۔"

بہرحال قیامِ مصر کے زمانہ میں ان کا ابتدائی مشغلہ یہی تھا کہ مشائخ حدیث کی خدمت میں حاضر ہوتے اور ان کے پاس جو سند ہوتی، اس کو حاصل کرتے۔ علمائے مصر میں ان کو ایک ایسا محدث ملا جس کی سند دیگر معاصرین کے لحاظ سے عالی تھی۔ ایک خط میں خصوصیت کے ساتھ ان کا تذکرہ علامہ نے کیا ہے اور آخر میں لکھا ہے :۔

" ولم ینبه لعلو سنده الا القلیل لا شتنا لهم باحواله۔"

---

[1] معارف اعظم گڈھ : ص ۱۰۹

[ لیکن اس محدث کی اونچی سند پر بہت کم لوگوں کو متنبہ کیا جاتا ہے۔ کیوں کہ عموماً لوگ اپنے ذاتی معاملات میں منہمک ہیں ] [1]

اسی ذوق میں انھوں نے قاہرہ سے بھی باہر قدم نکالا اور مختلف اضلاع اور بلاد میں گھومتے رہے۔ ایک یادداشت میں ان مقامات کی تفصیل بھی لکھی ہے جہاں جہاں سند کی تلاش میں یہ پہونچے۔ ان میں سے اسیوط، جرجان، فرشوط، محلہ، سہنود، بوصیر و دمہتور خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں [2] ان مقامات پر حدیث کی سماعت کی، اور علماء سے بھی استفادہ کیا [3]

علامہ نے تین مرتبہ "صعید" کا سفر کیا۔ اور وہاں کے علماء و اکابرین سے ملاقات کی۔ شیخ العرب ھمام، اسماعیل ابوعبداللہ، ابوعلی اور ان کی اولاد نصیر نے ان کا بہت اعزاز و اکرام کیا۔ اور اسی طرح انھوں نے ساحلی علاقوں کا مثلاً "دمیاط"، "رشید"، "منصورہ" اور عظیم تاریخی جگہوں کا کئی مرتبہ، جب تک وہ اس کے اہل اور اکابرین سے آباد رہا، سفر کیا۔ اور وہاں سب نے ان کا اکرام کیا۔ اور اسی طرح انھوں نے اسی کے پاس کے اکابر اربابِ علمِ سلوک سے ملاقات کی۔ ان سے استفادہ کیا اور ان لوگوں نے ان کو اجازت دی۔

انھوں نے کئی سفرنامے لکھے ہیں، جو کہ لطائف و محاورات اور نثر و نظم دونوں میں مدحیہ کلام پر مشتمل ہیں۔ اگر وہ سب جمع کیے جائیں تو ضخیم جلد بن جائے۔ سیدنا سید ابوالافعار بن وفا نے ان کو "ابوالفیض" کی کنیت دی۔ یہ واقعہ بروز منگل ۱۲ر شعبان ۱۱۸۲ھ کو سیدنا بنی الوفا کے میدان میں

---

[1] و [2] رسالہ معارف فروری ۱۹۲۷ء : ص ۱۰۹

[3] نزہۃ الخواطر : ج ۷، ص ۴۷۲

پیش آیا جب کہ ان کی برسی تھی۔[1]

انھیں سب کچھ مل رہا تھا لیکن علم کی پیاس کسی طرح نہیں بجھتی تھی آخر اسی سلسلہ میں (نیز بہ نیت زیارت) بیت المقدس کا بھی سفر کیا۔ ایک خط میں علامہ موصوف خود لکھتے ہیں :-

"میں نے بیت المقدس کا بھی سفر کیا، اور وہاں کے ارباب اسناد کی خدمت میں حاضر ہوا، بیت المقدس سے رملہ بھی اسی دھن میں پہونچا اور ہر جگہ میں نے حدیث کی سماعت کر کے سند حاصل کی"۔

محدثین کا دستور تھا کہ اگر کسی استاد کے پاس خود نہیں پہونچ سکتے تھے تو خط و کتابت کے ذریعہ سے اجازت نامے منگوایا کرتے تھے۔ سید علامہ نے یہ بھی کیا۔

خود لکھتے ہیں :-

"مجھے حلب، فاس، تونس، سولا، تلمسان کے محدثین نے بھی اجازت نامے لکھ کر بھیجے، ماسوا اس کے مصر میں بھی مغرب اقصیٰ کے چند صاحب اسناد محدثین کی ملاقات سے شرف اندوز ہوا اور اجازت حاصل کی"۔

جس نے کسب کمال میں اتنی جاں فرسا محنت کی ہو، اس کی علمی وسعت کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔ سید علامہ میں اس کے بعد جس قسم کی جامعیت پیدا ہو گئی تھی، وہ اپنے زمانہ میں اپنی آپ نظیر تھی۔ وہ ادیب تھے، مفسر تھے، محدث تھے لغوی تھے، منطقی تھے، فلسفی تھے۔ آپ کو فقہ اربعہ کی اجازت حاصل تھی۔ اور

---

[1] تاریخ عجائب الآثار فی التراجم والاخبار ص ۱۰۴، معجم المطبوعات العربیۃ والمعربۃ ج ۱ ص ۱۰۲۷، رجال من التاریخ : ص ۲۳۲

ان کی سب سے بڑی خوش قسمتی یہ تھی کہ اسی عرصہ میں ایک شیخ کامل کی نظرِ توجہ ان کو نصیب ہوئی۔ جس نے ان کے سارے علمی کمالات کو مرکزِ انابت پر گردش دے دیا تھا۔

علامہ موصوف کو نہ صرف علوم بلکہ اس سیر وسیاحت میں مختلف اسلامی ممالک کی زبانوں پر بھی عبور حاصل ہوگیا تھا، خصوصًا فارسی اور ترکی نہایت آسانی کے ساتھ بول سکتے تھے۔ اور ان دونوں زبانوں میں لکھنے کی بھی قدرت آپ کو حاصل تھی اور عربی زبان کا جہاں تک سوال تھا، وہ تو ان کی مادری زبان ہوچکی تھی۔ اگرچہ تاریخوں میں اس کا ذکر نہیں ہے لیکن بارہویں صدی ہجری کے ہندستانی کے متعلق یہ خیال کہ وہ اُردو نہ جانتا تھا، بالکل بعید از عقل ہے۔ اس لیے یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ چینی اور پشتو زبانوں کے سوا دنیائے اسلام کی ہر ایک زبان سے وہ واقف تھے۔ اور اسی مختلف زبان دانی نے آئندہ زندگی میں ان کو بہت کچھ فائدہ پہونچایا[1]

بہرحال اب سید علامہ نے کسی خاص مقام پر جم کر کام کرنے کا ارادہ کیا۔ ان کے پیر ومرشد کا حکم مصر میں رہنے کا تھا، پھر وہ مصر کے سوا کہاں جاتے ہیں[2] مصر میں ہی مقیم ہوکر تعلیم وتدریس، افادہ واستفادہ میں مصروف ہوگئے۔[3] مسندِ ارشاد وتلقین کو زینت بخشی، تادمِ تحریر کہ تیس سال کی طویل مدت گذر گئی اور وہ مسندِ درس پر متمکن رہے۔

اس شہر میں "شیخ الشیوخ محدث" کے خطاب سے شہرت رکھتے تھے۔ وہاں کے لوگ ان کے ساتھ بہت محبت کرتے تھے[4] جب ان کی شہرت خوب

---

[1] معارف (اعظم گڈھ): فروری ۱۹۲۷ء ص ۱۰۹

[2] ایضاً

[3] اتحاف النبلاء المتقین باحیاء الفقہاء المحدثین: ص ۴۰۷

[4] بحر ذخار: ص ۱۳۴۲

پھیل گئی تو بہت سے لوگ قریب کے شہروں اور قصبات سے ان کے پاس پہونچنے لگے[1] قیمتی ہدایا پیش کرنے لگے۔ آپ کا حال اچھا ہوگیا۔ لباسِ فاخرہ زیب تن کرنے لگے۔ سواری کے گھوڑے خرید لیے۔ آپ دبلے پتلے سُرخ و سفید رنگت کے تھے۔ متناسب الاعضاء، حجازی پوشاک، علماء ازہر کی پوشاک کے خلاف پہنتے تھے۔ ان کی پوشاک کی ندرت و غرابت بھی لوگوں کے ان کی طرف متوجہ ہونے کا ایک سبب تھی۔[2]

تاج العروس کے خاتمہ نگار نے آپ کی بڑی اچھی تصویر کھینچی ہے کہ آپ کی شکل و صورت کی پوری طرح توضیح ہوگئی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ :

"سید مرتضٰی رحمۃ اللہ علیہ میانہ قد اور چھریرے بدن کے تھے، اور ان کا رنگ سنہرا تھا، اعضاء متناسب تھے، داڑھی بہت معتدل تھی لیکن اسی کے ساتھ نہایت باوقار اور بھاری بھر کم تھے۔ ان کی مجلس بارعب اور پُرہیبت ہوتی تھی، اخلاق نہایت پاکیزہ اور لطیف تھے۔ گفتگو نہایت پرمغز، دلچسپ، نوادر و لطائف سے بھرپور ہوتی تھی حافظہ نہایت قوی تھا۔ بہت ہی سمجھدار اور اچھی طبیعت کے مالک تھے[3] بات چیت کا انداز بڑا جاذب اور مزاج و اخلاق میں غیر معمولی کشش تھی۔ وہ مسکراتے ہوئے خندہ پیشانی کے ساتھ لوگوں سے ملا کرتے تھے۔ ان کے طور طریقے پر خودداری اور وقار کی مہر لگی ہوئی تھی۔ اہلِ مکہ کی طرح عمامہ باندھتے تھے، ذرا ترچھا، سفید کپڑے کا،

---

[1] تذکرہ علمائے ہند : ص ۳۹۲

[2] رجال من التاریخ : ص ۲۳۲

[3] معارف : شمارہ ۱۹۲۷ء ص ۱۰۹ (بعنوان سید علامہ کا حلیہ و سیرت)

جس کا سرا پیچھے لٹکا ہوتا، اور اس پر بقدر دو انگل ریشم کا پھندنا لگا ہوتا تھا۔"[1]

جناب سید سلیمان ندوی اپنے مقالہ میں لکھتے ہیں کہ:

"ان کے عمامہ میں جالیاں اور ریشمی مزرکش ڈورے پڑے رہتے تھے۔"[2]

لباس عمدہ پہنتے تھے۔ اچھے لباس کے وہ بہت شوقین تھے۔ بدن پر ہمیشہ صاف ستھرا جامہ ہوتا۔ انھیں ادبی اور علمی لطائف بہ کثرت یاد تھے۔ برجستہ جواب دینے اور برمحل گفتگو کرنے میں ماہر تھے۔ عقل رسا پائی تھی۔ معلومات کا دائرہ وسیع تھا۔ ترکی اور فارسی زبان سے واقف تھے۔ اکابر اور رؤسا کے اس محلے کے لوگ ان سے واقف ہو گئے تھے اور انھیں ان سے انس پیدا ہو گیا تھا۔ وہ ان کی بہت قدر و منزلت کرنے لگے تھے۔ علامہ موصوف ان کے سامنے وعظ کہتے تھے اور ان کی سیرت و کردار سنوارنے والی باتیں کرتے تھے۔ اور انھیں اوراد و احزاب (مخصوص قرآنی آیات) کی تلقین کرتے تھے۔ اس طرح سید مرتضیٰ زبیدی بلگرامی عوام الناس میں بہت مشہور ہو گئے۔ اب انھوں نے سلف کے طریقہ پر حدیثیں بیان کرنا اور املا کرانا شروع کرا دیا۔ وہ اپنے حافظہ سے رُواۃ کے نام اور مختلف اسنادوں سے حدیثیں بیان کرتے تھے۔ ......... حدیث کے درس کے زمانہ میں جامعہ ازہر کے کچھ عالم ان سے ملے اور حدیث میں فضیلت کا اجازہ (سرٹیفکیٹ) مانگا۔ انھوں نے کہا کہ اجازہ اس وقت دوں گا جب آپ لوگ اوائلِ کتبِ حدیث میری نگرانی میں پڑھ لیں۔ اس کے لیے طے ہوا کہ ہر پیر اور جمعرات کے دن شیخوں کی جامع مسجد میں اجتماع ہوا کرے۔ سید علامہ نے وہاں صحیح بخاری سے ابتدا کی۔ اس درس میں جامعہ ازہر کے دوسرے علماء بھی شریک ہونے لگے۔ صحیح بخاری کی چند احادیث کے درس کے بعد وہ فضائل اعمال سے متعلق حافظے سے کچھ حدیثیں اور ان کے اسناد بیان

---

[1] برہان: جلد ۸۲، شمارہ ۲، فروری ۱۹۷۹ء ص ۸۲ تا ۱۰۹

[2] معارف: ص ۱۰۱ (بعنوان۔ لباس و وضع)

کرتے۔ پھر علماء کو کچھ اچھے اشعار بھی سناتے۔ حاضرین ان کی لیاقت، خوش بیانی اور علم پر گہری نظر رکھنے پر سر دھنتے۔ ان کی شہرت، وجاہت اور قدر و منزلت میں برابر اضافہ ہوتا گیا۔ [1]

سید علامہ نے محلہ "عاطفۃ الغسال" میں ایک مستقل مکان لے لیا۔ اور وہیں سکونت اختیار کی۔ اچانک آپ نے "دمیاط" کے ایک بزرگ ذوالفقار دمیاطی، جو غالباً ان کے عقیدت مندوں میں سے تھے، ان کی دختر نیک اختر سے، جن کا نام زبیدہ تھا، نکاح کرلیا۔ اور تصنیف و تالیف کو اپنا خاص موضوعِ شغل قرار دیا۔ عاطفۃ الغسال میں رہنے کے باوجود بھی "خان صاغہ" سے ان کا تعلق ختم نہیں ہوا، بلکہ مسلسل جاری رہا۔ [2]

"قاموس"، فنِ لغت میں گویا ایک متنِ متین ہے، کیوں کہ فیروز آبادی نے نہایت مختصر الفاظ میں زیادہ سے زیادہ معنی و مطالب کو سمیٹنے کی کوشش کی ہے۔ سید علامہ کی غالباً سب سے پہلی نگاہِ انتخاب اسی پر پڑی اور کامل چودہ سال گوشۂ تنہائی میں بیٹھ کر آپ نے اس ٹھوس اور جامع کتاب کی ایک ضخیم شرح نو جلدوں میں لکھی۔ اور تقریباً ہر جلد کے صفحات پانچ سو سے کم نہیں ہیں۔ حالاں کہ اس کتاب کا طول و عرض بے حد غیر معمولی ہے۔ اگر چھوٹی تقطیع پر شایع کی جائے تو اس کی ضخامت نو جلدوں کے بجائے اٹھارہ جلدوں تک پہونچ جائے گی۔ [3]

علی طنطاوی لکھتے ہیں:

" اگر مجھ سے دریافت کیا جائے کہ عربی کی سب سے زیادہ مشہور

---

[1] برہان: جلد ۸۲، شمارہ ۲، فروری ۱۹۷۹ء، ص ۸۲ — ۱۰۹

[2] ایضاً؛ مجلۃ المجمع العلمی الہندی: ص ۳۴، معارف: ص ۱۱۰، نزہۃ الخواطر: ج ۷، ص ۲۰۴، تاریخ عجائب الآثار: ص ۱۰۵

[3] معارف: ص ۱۱۰ (بہ عنوان تاج العروس کی تالیف)

کتاب کون سی ہے، تو میں جواب دوں گا کہ "قاموس للفیروز آبادی"۔
اس کی شہرت اس درجہ ہو چکی ہے کہ ہر لغت کی کتاب کو قاموس کہا جانے لگا
ہے، حالاں کہ قاموس ایک مخصوص کتاب کا نام ہے۔ قاموس کے پہلو بہ پہلو
ہر کتب خانہ میں "شرح قاموس" ہے۔ اتنی عظیم کتاب جو اپنے مضامین کے
احاطہ اور شمول میں سب سے بڑی لغت "لسان العرب" کو بھی سمیٹے ہوئے
ہے ـــــ قاموس کے شارح "زبیدی" ایسے شخص تھے جو علمائے
نادرۂ روزگار میں سے ہیں، اور ایک ایسے شیخ تھے جس نے مشیخیت کو تجارت
کے ساتھ ساتھ اس عالم کے لیے جود و سخا کا نمونہ بنا دیا ہو، جس کا اعزاز
اس درجہ تھا کہ وہ اپنے زمانہ میں اس ربع مسکون کے مشہور علماء میں سے تھے۔[1]"

"تاج العروس" کی تصنیف کے آغاز نے انھیں سرخروئی عطا کی اور
علم لغت میں ان کی مہارت اور حذاقت کا شہرہ دور دور تک قائم کر دیا۔ برہان میں
درج ہے کہ ـــــ قاموس کی یہ شرح انھوں نے چودہ سال دو ماہ میں دس ضخیم جلدوں
میں پایۂ تکمیل کو پہونچائی۔[2] تاج العروس فنِ لغت میں آپ کے اعلیٰ مرتبت رسوخ فی العلم
کی دلیل ہے۔[3]

نواب صدیق حسن خاں لکھتے ہیں:

"وقد طبع کتابہ تاج العروس شرح القاموس لہذا العہد
بمصر القاہرہ لکن خمس مجلدات منہ فقط و ھو شائع فی
الامصار و بلغ الی الاقطار ینفح من النظر فیہ علو کعبہ فی
علم اللغۃ و کونہ امام فیہ و شرحہ ھذا یغنی عن حمل

---

[1] رجال من التاریخ: ص ۲۳۲

[2] برہان: ص ۸۲ تا ۱۰۹

[3] نزہۃ الخواطر: ج ۷، ص ۴۷۲، الاعلام: ص ۲۹۷

جملہ الدفاتر المؤلفۃ فی فن اللغۃ ۔" [1]

[ اس زمانہ کی ان کی عظیم تصنیف "تاج العروس شرح القاموس" ہے جس کی مصر (قاہرہ) میں کل پانچ جلدیں شایع ہوئی ہیں۔ وہ ہر شہر اور ہر ملک میں بہت مشہور ہوگئیں۔ اس میں غور کرنے سے فنِ لغت میں مؤلف کا رسوخ اور علمی پختگی واضح ہوجاتی ہے۔ وہ اس فن کے امام معلوم ہوتے ہیں۔ فنِ لغت میں ان کی یہ تصنیف جملہ لغات اور فنِ لغت کی تالیفات سے بے نیاز کرادیتی ہے۔ ]

انھوں نے قاموس کی جامع شرح تاج العروس کی تدوین و ترتیب کے لیے مواد جمع کرکے، بنیادی اہم اہم مراجع اور اس کی قابلِ اعتماد فروعات وجزئیات، جو ان کو مختلف جگہوں پر مختلف کتب خانوں سے دست یاب ہوئیں، انھوں نے ان سے اس موضوع پر معلومات حاصل کیں۔ ان مراجع کی تصریح انھوں نے خود کی ہے۔ جن کی تعداد ایک سو دس (۱۱۰) کتابوں تک پہونچتی ہے [2] جن کی ضخیم ضخیم جلدیں ملاکر کئی سو کتابیں ہوجاتی ہیں۔ اور وہ چودہ سال [3] تک مستقل اس کے مکمل کرنے میں لگے رہے۔ پھر

---

[1] ابجد العلوم: ص ۷۲۱

[2] راجع لہا تاج العروس: ج ۱ ص ۳، ۴ ایضاً

[3] ذکر العلامۃ عبد الحی الحسینی: أتمہ (یعنی التاج) فی اربعۃ عشر عاما وشہرین (نزہۃ الخواطر: ج ۷، ص ۱۷۴) وجاء التصریح فی آخر الکتاب علی مالفظہ وکان مدۃ املائی فی ھذا الکتاب من الأعوام أربع عشرۃ سنۃ وأیام مع شواغل الدھر وتفاقم الکروب بلا انفصام وکان آخر ذلک فی نہار الخمیس بین الصلاتین ثانی شہر رجب من شہور سنۃ ۱۱۸۸ بمنزلی فی عطفۃ الغسال بخط سویقۃ المظفر بمصر (تاج العروس: ج ۱۰ ص ۴۶۵) واعتمدہ ریوقی ذیل فہرسۃ المتحف البریطانی (ص ۵۹۴ — ۵۹۲) سنۃ ۱۸۹۴

جب شرح مکمل ہوگئی اور اس کا کام ختم ہوگیا تو آپ نے قدیم دستور کے مطابق مصر کے تمام اعیان واشراف کی دھوم دھام سے ایک دعوت کی۔ جس میں علماء، صلحاء، مشائخ طلبۂ علم اور ادباء الغرض ہر طبقہ کے لوگ شریک تھے۔[1]

دعوت کے بعد آپ نے سب کو ایک مجلس میں جمع کیا اور اپنی محنت ان کے سامنے پیش کی۔ لوگ انگشت بہ دنداں تھے۔ انھیں حیرت تھی کہ ہندستان کے غریب الوطن مسافر نے یہ کیا کارنامہ انجام دیا۔ اور بالاتفاق سبھی حاضرین نے ان کی جلالتِ قدر کا اعتراف کیا۔ مصر کے مسلم الثبوت اساتذہ وسربرآوردہ علماء نے نہایت فراخ دلی کے ساتھ اس پر اپنی تقریظیں ثبت کیں۔[2]

یہ تقریب ۱۱۸۱ھ میں "غیط المعدیہ" میں ہوئی۔ زبانِ حال پر اس وقت بلند پایہ قدیم شاعر کا یہ مشہور ومعروف شعر آگیا ہوگا۔ ــــ ع

أنا ابن جلا وطلاع الثنایا
متی أضع العمامة تعرفونی

ان کا حق تھا کہ وہ اس عظیم کام کی تکمیل پر اس ولیمہ میں حافظ کبیر ابن حجر عسقلانی کی اتباع کریں کہ جس طرح انھوں نے[3] ایک دعوت عامہ کا اہتمام کیا تھا، جب ۸۴۲ھ میں، تاج کے نام سے ان کو ایک فتح حاصل ہوئی یعنی ان کی یہ تصنیف مکمل

---

۱؎ عجائب الآثار: ص ۱۰۴، نزہۃ الخواطر: ج ۷، ص ۴۷۳، ابجد العلوم: ص ۷۲۰،
برہان رسالہ ۱۹۷۹ء فروری ص ۱۰۴

۲؎ معارف: ۱۹۲۷ء فروری ع۲ جلد ۱۹

۳؎ انظر النواب، التاج المکلل من جواهر مآثر طراز الآخر والأول، ص ۳۶۳ (بمبامی سنة ۱۹۲۳) وتلتها النواب رحمة الله حیث عمل ایضا ولیمة عظیمة علی تفسیر، فتح البیان فی مقاصد القرآن۔

ہوئی تھی۔[1]

دعوت میں شریک علماء اور اکابر نے ان کے علم وفضل اور وسیع لغوی معلومات کو سراہا اور ان کی اس تصنیف پر نظم و نثر دونوں میں تعریفیں لکھیں۔ ان میں اپنے زمانہ کے شیخ الکل، شیخ علی صعیدی، شیخ احمد دردیر، شیخ ابوالانوار السادات خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔[2]

علامہ شیخ عبدالرحمٰن الجبرتی نے اس کے علاوہ بھی چند مبصرین کے اسماء کا ذکر کیا ہے۔ مثلاً سید عبدالرحمٰن العیدروس، شیخ حسن الجداوی، شیخ محمد الامیر، شیخ احمد البیلی، شیخ عطیۃ الاجہوری، شیخ عیسٰی البراوی، شیخ محمد الزیات، شیخ محمد عبادہ، شیخ محمد العوفی، شیخ حسن الھواری، شیخ علی القناوی، شیخ علی خرائط، شیخ عبدالقادر بن خلیل المدنی، شیخ محمد المکی، سید علی القدسی، شیخ عبدالرحمٰن مفتی جرجا، شیخ علی الشاوری، شیخ محمد الخربتاوی، شیخ عبدالرحمٰن المقری، شیخ محمد سعید البغدادی جو کہ "السویدی" کے نام سے مشہور ہیں، اور یہ آخری آدمی ہیں جنھوں نے کتاب پر تبصرہ لکھا۔ الجبرتی اس آخری تبصرہ کے متعلق لکھتا ہے کہ:

"میں اس وقت حاضر تھا اور انھوں نے اس کو نصف جمادی الثانی ۱۱۹۴ھ میں برجستہ نظم میں کیا۔"[3]

اس کے باوجود سید مرتضیٰ نے اپنے قلم سے اجزاء کے آخر میں بہت سی تصریحات کی ہیں کہ وہ "حرف دال" (مہملہ ۱۱۸۴ھ) تک کی تالیف سے ذی قعدہ کی دسویں تاریخ

---

[1] مجلۃ المجمع العلمی الہندی: ج ۵ ص ۳۵

[2] معارف: ۱۹۲۷ء، فروری نمبر ۲ جلد ۱۹

[3] عجائب الآثار: ص ۱۰۴

[4] انظر تاج العروس (ج ۴ ص ۵۲۵) وانظر لبقیۃ التصریحات: ۲/۴۸۶، ۳/۶۳۲، ۴/۹۵، ۴۴۸، ۵/۱۰۰، ۲۴۴، ۲۶۰، ۶/۴۷، ۷/۱۹۷، ۸/۱۶۸، ۹/۴۴۴، ۱۰/۴۲۱

۱۱۸۱ھ میں فارغ ہوئے۔ اور اس کے بعد تقریباً سات سال تک مسلسل کام کرتے رہے۔ سب سے آخر میں یہ کتاب ۲ رجب ۱۱۸۸ھ میں مکمل ہوگئی۔ اس مذکورہ مدت کو بنیاد بناتے ہوئے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے یہ تالیف ۱۱۷۵ھ کے کسی مہینہ میں شروع کی، اسی کے ساتھ ساتھ مختلف اجزاء کے آخر میں جو معلق تصریحات ہیں وہ نسخۂ اولیٰ کی ترمیم و اضافہ سے فراغت کی مدت کو بتلاتے ہیں۔ یا اس مسودے کی ترمیم و اضافہ سے فراغت کی مدت کو بتلاتے ہیں، جس کو انھوں نے "غیط المعدیہ" کے ولیمہ میں عام مجمع کے سامنے ظاہر کیا تھا۔ پھر ۱۱۹۲ھ تک بعض بنیادی اہم مراجع و مصادر سے موازنہ و معارضہ میں لگے رہے، یہاں تک کہ "وجد" کے مادہ کے اختتام پر فرمایا:

"قال مؤلفة بلغ عراضه على التكملة للصاغاني في مجالس آخرها يوم الاثنين حادي عشر جمادى ۲ سنة ۱۱۹۲ و كتبه مؤلفه محمد مرتضىٰ غفر له بمنه۔" [1]

(یعنی — اس کا مؤلف کہتا ہے کہ صاغانی کے تکملہ پر مولف کی بحث و تحقیق ان مجالس میں اختتام کو پہونچی جن کی آخری مجلس بروز دوشنبہ ۱۱ رجمادی الثانیہ ۱۱۹۲ھ کو تھی، اس کو صاحب کتاب محمد مرتضیٰ غفر لہ بمنہ نے لکھا ہے۔)

حرف ذال کے اختتام پر لکھتے ہیں:

"قال [2] مؤلفه محمد مرتضیٰ بلغ عراضه على تكمله الصاغاني في مجالس آخرها ١٤ جمادى ۲ سنة ۱۱۹۲ھجر۔"

(یعنی۔ اس کے مؤلف سید محمد مرتضیٰ کہتے ہیں کہ اس کی بحث و تحقیق صاغانی کے تکملہ پر ۱۴ رجمادی الآخر ۱۱۹۲ھ کی آخری مجلس میں پایۂ تکمیل کو پہونچی)

---

[1] انظر تاج العروس (ج ۲ ص ۵۲۵)

[2] انظر نفس المراجع (ج ۲ ص ۵۸۶)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ تالیف ۱۸ سال سے کم میں مکمل نہیں ہوئی۔[1]

مصر میں جس وقت اس کتاب کا غلغلہ بلند ہوا تو اطراف و جوانب سے جوق در جوق لوگ اس ندرت انگیز، حیرت انگیز چیز کے دیکھنے کے لیے امڈ پڑے۔ رفتہ رفتہ اس کی جلالتِ شان و علوِ مرتبت کا شہرہ دوسرے اسلامی ممالک تک پہونچا۔ قسطنطنیہ سے خلیفۃ المسلمین کا فرمان آیا کہ اس کا ایک نسخہ سلطانی کتب خانہ کے لیے فوراً بھیجا جائے۔ مراکش کے سلطان نے بھی اس کا ایک نسخہ طلب کیا۔ دارفور کے امیر نے بھی ایک نسخہ اپنے لیے لکھوایا۔ حالاں کہ اگر بہ کفایت بھی لکھوایا جاتا تو ہر نسخہ کی لکھائی پر کم از کم ایک ہزار ریال خرچ ہوتا تھا۔

مذکورہ بالا واقعات سے اس وقت کے مسلمانوں کے علمی ذوق اور اسلامی امراء کی علم دوستی کا اندازہ ہوتا ہے۔ اور یہ کل کی بات ہے۔ لیکن زمانہ کی اس نیرنگی کا کچھ ٹھکانا ہے کہ آج اگر کسی اسلامی کتاب کی قیمت بدقسمتی سے دس یا بیس تک پہونچ جاتی ہے تو اس کے مصنفین صرف کیڑوں اور دیمک کے نگرانِ کار بن کر رہ جاتے ہیں[2] اور اگر چند پڑھنے پڑھانے سے دلچسپی رکھتے ہیں تو وہ بھی خرید کر پڑھنا کسرِ شان سمجھتے ہیں۔ اور محض مانگ کر پڑھنے پر ہی اپنی سیری کر لیتے ہیں۔

تیونس اور الجیریا کے حاکم نے بھی تاج العروس کے نسخے طلب کیے۔ اور (غاصبِ مصر) امیر الامراء محمد بک نے جس کا لقب ابوالذہب تھا اس کا ایک نسخہ حاصل کیا۔[3]

---

[1] مجلہ المجمع العلمی الہندی : ج ۵ ص ۳۶

[2] معارف (اعظم گڈھ) ۱۹۲۷ء فروری نمبر ۲ جلد ۱۹

[3] برہان : جلد ۸۲ شمارہ ۲ ، فروری ۱۹۷۹ء ، ص ۸۲ تا ۱۰۹ ، رجال من التاریخ: ص ۲۳۲ ——— " ولما انشأ محمد بك ابو الذهب جامعه المعروف والقرب من الأزهر ، أقام فيه خزانة كتب كان يشتري لها الكتب النادرة بأغلى الأثمان وقد اشترى أول نسخة من شرح القاموس بمئة الف درهم فضة۔"

جب محمد بک نے "جامعۃ المعروف" جو کہ "جامعۃ الازھر" کے قریب ہے، کی بنیاد ڈالی اور ایک کتب خانہ قائم کیا اور بہت سی کتابیں خرید کر رکھیں تو لوگوں نے شرحِ قاموس پیش کی۔ اور ان کو بتایا کہ جب یہ کتاب کتب خانہ میں رکھی جائے گی تبھی وہ مکمل ہوگا۔ اور اس کی وجہ سے وہ منفرد ہو جائے گا۔ لوگوں نے اِس کے لیے (تاج العروس کے لیے) ان کو بہت رغبت دلائی تو انھوں نے منگوایا[1] مسجد کے کتب خانہ میں اس کو جگہ دی جسے "ازھر" کے قریب اس نے بنوایا تھا اور قدر دانی کے طور پر بلگرامی کو ہزار ریال کا عطیہ پیش کیا۔[2]

تاج العروس کے نسخے جو مذکورہ بالا کتب خانوں میں موجود ہیں ان کے متعلق سید علامہ مرتضیٰ بلگرامی زبیدی کے ایک خط میں بھی لکھا ہے جس کا ذکر نواب صدیق حسن خاں نے کیا ہے۔[3]

"مجھ پر خدا کا ایک عظیم احسان یہ بھی ہے کہ میں نے قاموس کی ایک عجیب و غریب شرح دس مکمل جلدوں میں، جو پانچ سو کاپیوں میں ہے، لکھی۔ یہ چودہ سال اور دو مہینہ میں مکمل ہوئی۔ یہ شرح بہت ہی مشہور اور مقبول ہوئی۔ یہاں تک کہ بادشاہِ روم نے اس کی ایک کاپی نقل کروائی۔ سلطان دارفور نے ایک کاپی، ملک الغرب نے ایک کاپی نقل کروائی اور اس کا ایک نسخہ امیر اللواء محمد بک کے ذاتی کتب خانہ مصر میں موجود ہے۔ موجودہ حاکم نے اطراف کے بادشاہوں سے اس کے نسخہ کو حاصل کرنے کے لیے ہزار ریال خرچ کیے۔ اتفاق سے سید علامہ فخر السادۃ ملوک الاشراف مولانا سید عبد القادر[4] الکوکبانی

---

[1] عجائب الآثار: ص ۱۰۴

[2] برہان: جلد ۸۲ شمارہ ۲، فروری ۱۹۷۹ء ص ۸۲ تا ۱۰۹

[3] ابجد العلوم: ص ۱۸۷

[4] ھو استاذ الامام الشوکانی رحمہا اللہ ۱۲

کے پاس سے میرے پاس ایک خط آگیا تھا۔ انھوں نے فخر السادۃ الاشراف سید علی الفتاویٰ کی صحبت کا فیض اٹھایا ہے۔ ان کو کتاب کے ایک نسخہ کی تلاش تھی، تو میں نے اس کا آخری جز جو صرف "واؤ" اور "یاء" کی شرح پر مشتمل ہے، جس کا نام "الاعیاء" ہے، اس کو ان کے لیے فراہم کر دیا۔ اسی سال سید مذکور یمن جا چکے ہیں۔"[1]

علامہ مرتضیٰ بلگرامی زبیدی کے اس خط کے آخری سطور اس طرح ہیں:

" فان سمح خاطرکم بارسال مکتوب الی السید عبدالقادر المشار الیہ بتحصیلہ بالاستکتاب فلا باس و ان قدر اللہ الارسال الیکم بشئ من اولہ فعلت وسا فعل ان شاء اللہ تعالیٰ۔"[2]

[ تو اگر تمہارا دل چاہے تو سید عبدالقادر جن کا ذکر ابھی اوپر آیا ان کے پاس ایک مکتوب ارسال کر دو تاکہ اس سے نقل کرنے کے لیے تم کو وہ دے دیں۔ اور اگر میں اس کے شروع کا کچھ حصہ تمھارے پاس بھیج سکا تو ضرور بھیج دوں گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ ]

تاج العروس نے مصریوں کی آنکھیں کھول دیں۔ اب انھوں نے پہچانا کہ ان میں کس گھرانے کا، کس ملک کا، کون آدمی ہے، نہ صرف عوام الناس بلکہ ممتاز افاضلِ مصر بھی سید علامہ کی خدمت میں عقیدت کے ساتھ آنے لگے۔ سید ممدوح کو اسناد و اجازات کا ذاتی شوق تھا۔ آنے جانے والوں پر بھی یہ شوق غالب ہوا اور انھوں نے سید سے سند کا مطالبہ کیا۔ حتیٰ کہ آخر نہ صرف مصر بلکہ دنیا کے اسلامی ممالک کے سب سے بڑے علمی مرکز میں بھی جنبش ہوئی اور "جامعہ ازہر" کے شیوخ اور اساتذہ بھی

---

[1] ابجد العلوم: ص ۱۸، ۷

[2] ایضاً

حصولِ سند کی غرض سے آپ کی خدمت میں آنے لگے۔ اس وقت آپ نے فرمایا کہ جب تک وہ کتب میرے سامنے سنی یا سنائی نہ جائے گی، میں سند نہیں دے سکتا۔ آخر یہ طے ہوا کہ شیخوں کی جامع میں جو صلبیہ میں ہے، ہر پیر اور جمعرات کو سید علامہ حدیث کا درس دیں گے، جو اشخاص حلقہ میں شریک ہوں گے، ان کو سند دی جائے گی۔ اور اسی کے بعد تالیف کے سوا تدریس کا بھی سلسلہ جاری ہوا[1] وہ برابر علم کی خدمت کرتے رہے، اور اس میں ترقی کرتے رہے۔ وہ ان فنون کو جمع کرنا چاہتے تھے، جن سے متاخرین غافل رہے۔ جیسے علم الانساب، علم الاسانید، علم تخاریج الحدیث، علم التصال طراق المحدثین المتاخرین بالمتقدمین۔ اور ان علوم پر انھوں نے کتابیں، رسائل، منظومات اور قصائد لکھے ہیں[2]

اس کے بعد سید علامہ "عطفۃ الغسال" سے "سویقۃ اللالا"[3] میں منتقل ہو گئے تھے۔ یہ ۱۱۸۹ھ کا اوائل تھا، جب کہ ان کی عمر چوالیس سال کی تھی۔ یہ محلہ امرا، اور رؤسا کا محلہ تھا۔ اس محلہ کے اعیان و اکابر کی نظر میں انھوں نے اونچا مقام حاصل کر لیا۔ وہ لوگ علامہ مرتضیٰ بلگرامی زبیدی سے ربط ضبط رکھتے اور ان کے مصاحب بننے کے خواہش مند ہو گئے[4] علامہ نے لوگوں کی آمد و رفت کے لیے اپنے دروازے کھول دیئے۔ دعوتیں کرتے تھے اور جو اُن کو

---

[1] معارف (اعظم گڈھ) ۱۹۲۷ء فروری، نمبر ۲، جلد ۱۹

[2] عجائب الآثار: ص ۱۰۴، معارف ۱۹۲۷ء فروری نمبر ۲ جلد ۱۹،

[3] عجائب الآثار: — " ثم انتقل الی منزل بسویقۃ اللالا تجاہ جامع محرم افندی بالقرب من مسجد شمس الدین الحنفی "

(پھر وہ سویقہ لالہ منزل میں منتقل ہو گئے جو کہ جامع محرم افندی کے سامنے اور مسجد شمس الدین حنفی سے قریب ہے)

[4] برہان: جلد ۸۲ شمارہ ۲، فروری ۱۹۷۹ء، ص ۸۲ تا ۱۰۹

ہدیہ دیتا تھا اس کو وہ بھی تحفہ دیتے تھے ۔ یہ لوگ آپ کا دوسروں سے تذکرہ بھی کرتے تھے ۔ چنانچہ زیادہ سے زیادہ لوگ آپ کی طرف متوجہ ہو گئے ۔ علامہ موصوف اپنا حلقۂ درس ایک مسجد سے دوسری مسجد اور ایک محلہ سے دوسرے محلہ میں منتقل کرنے لگے۔[1] سید علامہ زبیدی لوگوں کو بہت محبت و خلوص سے اوراد و احزاب کے ورد کی اجازت بھی دیتے تھے ۔ آپ نے علماء سلف کے طریقہ کے مطابق حدیث کی املا مع رواۃ و اسانید اور تخریج کے محض اپنے حافظہ سے سلسلہ شروع کر دیا ۔ جو بھی آتا اس کو حدیث " مسلسل بالاولیۃ " املا کراتے مع رواۃ و تخریج کے ، پھر اس سے کہتے کہ اوائل کتب سے کچھ پڑھنا ضروری ہے ۔ تب اسے سند و اجازت کا مستحق قرار دیتے ۔[2]

اس محلہ کے اعیان و اکابر کے علاوہ دوسرے محلوں کے عوام اور بڑے لوگ بھی ان کے درس میں شریک ہونے لگے ۔ بہت سے ممتاز اور باا ثر لوگوں نے انھیں اپنی کوٹھیوں اور محلوں میں بلانا شروع کیا اور ان کے اعزاز میں بڑی بڑی دعوتیں کرنے لگے ۔ وہ اپنے خاص طلبہ ، قاری ، مستملی اور کاتب کے ساتھ دعوتوں میں جاتے اور بخاری وغیرہ کی کچھ حدیثیں تلاوت کرتے ۔ مجمع میں مہمان ، میزبان ، ان کے دوست واحباب ، اقربا ، اور بچے حتیٰ کہ بیویاں اور لڑکیاں پردے کے پیچھے سے بلگرامی کی احادیث ، ذوق و شوق سے سنتے ۔ عنبر اور اگربتیوں کی خوشبو ہر طرف فضا کو معطر کرتی ۔ حدیثوں کی تلاوت کے بعد مصر میں

---

[1] رجال من التاریخ : علی الطنطاوی ، ص ۲۳۳

[2] نزہۃ الخواطر : ج ۷ ، ص ۴۷۳ ، رجال من التاریخ ــــ " وکان کلما قدم علیہ قادم املی علیہ الحدیث المسلسل بالاولیۃ ، وھو حدیث لرحمۃ ، برواتہ و مخرجیہ ویکتب لہ سنداً بذلک ویخبرہ بہ یکتب سماع الحاضرین ، فکان الناس یعجبون من ذلک ۔ "

مروجہ دستور کے مطابق رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کی تقریب ہوتی ۔ سید علامہ کا کاتب حاضرین کے نام ایک رجسٹر میں نوٹ کرتا، یہاں تک کہ بچوں، عورتوں اور لڑکیوں تک کے نام اور دن اور تاریخ بھی۔ اس کے بعد علامہ موصوف "صحّ ذلک" لکھ کر تحریر کی توثیق کر دیتے [1]

سب سے پہلی کتاب جو سید علامہ نے پڑھانی شروع کی وہ صحیح بخاری تھی۔ سید حسن شیخونی قاری تھے۔ اور دوسرے حضرات سنتے تھے۔ دنیا یہ سُن کر حیرت زدہ رہ گئی کہ اس درس میں جامعہ ازہر کے مشہور اساتذہ اور معلمین بھی شامل ہوتے تھے۔ جن میں شیخ احمد سجاعی اور شیخ مصطفےٰ طائی بہت زیادہ ممتاز تھے۔ الجبرتی نے لکھا ہے کہ ــــ "شیخ سلیمان المراکشی نے بھی ان سے استفادہ کیا۔" [2]

مصر میں بھی اس زمانہ میں درسِ حدیث کا یہی طریقہ تھا جو اس وقت ہندستان میں مروج تھا۔ یعنی شاگرد کتاب پڑھتا جاتا ہے اور استاد سنتا رہتا ہے۔ جہاں پر کوئی بات قابلِ ذکر ہوتی ہے اسے بتا دیتا ہے۔ لیکن سلف کے درس دینے کا یہ طریقہ نہ تھا۔ وہ املا کراتے تھے یعنی استاد متن و سند کے ساتھ حدیث کو زبانی بیان کرتا تھا اور پھر مختلف اعتبارات سے اس پر بحث کرتا تھا۔ سید علامہ نے عام مروجہ طریقہ کے سوا املا کی رسمِ کہن کو پھر زندہ کیا۔ علامہ موصوف اپنے ایک خط میں رقم طراز ہیں:

> "میں معمولی درس کے بعد قدیم حفاظ کی طرح املا کراتا ہوں جس میں متن کے ساتھ ساتھ سند بھی بیان کرتا ہوں اور مطالب و معانی سے بیچ بیچ میں بحث کرتا جاتا ہوں۔ طلبا، میری ان تقریروں کو قلم بند

---

[1] برہان: جلد ۸۲ شمارہ ۲، فروری ۱۹۷۹ء، ص ۸۲ تا ۱۰۹

[2] معارف: (بعنوان طریقِ درس)، ابجد العلوم: ص ۱۸۷، نزہتہ الخواطر: ج ۷، ص ۴۷۲

کرتے ہیں۔ جو اس وقت متعدد جلدوں کی شکل میں مرتب ہوچکی ہیں۔"[1]

سید علامہ اپنے املائی درس میں کس طرح کی تفصیل و توضیح سے کام لیتے تھے۔ اس کا اندازہ محض اس سے ہوسکتا ہے کہ "ام زرع" کی مشہور حدیث، جو غالباً بیس بائیس سطور سے زیادہ نہیں ہے، اس کے متعلق اپنے جن مضامین کا املا کرایا صرف اس کی ضخامت سات جزء تک پہونچ گئی ہے۔ سید علامہ اسی خط میں لکھتے ہیں:

"ام زرع" کی حدیث پر میں نے سات اجزاء میں املا کرایا ہے۔
اس حدیث کی شرح چودہ مجلسوں میں ختم ہوئی، طلباء اس کی
نقلیں لے رہے ہیں اور مختلف ممالک میں پھیلا رہے ہیں۔"

یوں تو جب سے "تاج العروس" شایع ہوئی تھی آپ کے فضل و جلالت کا پرچم مصر میں لہرا رہا تھا، لیکن حدیث شریف کے اس انوکھے طریقۂ درس نے آپ کی شان و عظمت کو دوبالا کردیا۔ اور عوام سے لے کر خواص، ہر ایک آپ کا ثنا خواں اور عقیدت مند ہوگیا۔ امراء اور اعیانِ دولت جوش میں آکر آپ کو اپنے محل سراؤں میں بلاتے اور اس تقریب میں عظیم الشان دعوتیں کرتے۔

سید علامہ کا یہ دستور تھا کہ جب کسی امیر کے وہاں سے دعوت آتی تو اپنے طلباء، کاتب نیز دیگر متوسلین کو لے کر اس کے مکان پر پہونچتے۔ داعی اپنے مکان کو ہر طرح کی آرائشوں سے مزین کرتا۔ گھر کے لوگ نئے کپڑے پہنتے، مردوں کا مجمع سامنے ہوتا، عورتیں اور بچیاں پردے کے پیچھے ہوتیں، عود، بخور اور ہر قسم کی خوشبودار چیزیں جلائی جاتیں، اس کے بعد سید علامہ صحیح بخاری یا کسی دوسری کتاب کی چند حدیثیں سند کے ساتھ سناتے۔ پھر سب مل کر درود شریف پڑھتے۔ پھر کاتب اٹھتا اور تمام حاضرین خواہ مرد ہوں یا عورت، بلکہ بچوں کے

---

[1] عجائب الآثار: ص ۱۰۴، ۱۰۵

بھی نام لکھتا۔ پھر اس پر تاریخ اور وقت درج کر کے سید علامہ کی خدمت میں لاتا۔ سید اس پر "صح ذلک" لکھ دیتے اور یہ محدثین کا قدیم دستور تھا۔ ان مجالس کا ذکر زیادہ تر ان سبھی مقالوں میں ہوا ہے جو علامہ موصوف کے متعلق لکھے گئے ہیں۔[1]
مشہور شامی ادیب علی الطنطاوی لکھتے ہیں کہ:

"امالی کی مجلسیں علامہ سیوطی کے عہد سے ختم ہو چکی تھیں۔ علوم اسلامیہ کی تاریخ میں امالی کی بڑی اہمیت تھی۔ علامہ زبیدی نے امالی کی ان مجلسوں کو دوبارہ شروع کیا۔ وہ رواۃ، تخریج و اسناد جو کہ مٹ چکی ہیں، اس کے علاوہ حاضرین کا سماع بھی درج کرتے ہیں۔ یہ تمام چیزیں دیکھ دیکھ کر لوگ حیران و متعجب تھے...........

..... وہ نثر و نظم کی دوسری مجلسیں بھی منظم کرتے تھے۔ تالیف و تخریج کے اعتبار سے لوگوں کو یہ سب کچھ حیران کیے ہوئے تھا...

...... لوگ نثر و نظم کی اس ملی جلی عجیب مجلس کو دیکھتے اور آپس میں اس کا تذکرہ بھی کرتے۔ جس کی وجہ سے شیخ کی شہرت میں دن بہ دن

---

[1] معارف: ۱۹۲۷ء فروری، نمبر ۲، جلد ۱۹، نزہتہ الخواطر: جلد ۷ ص ۴۷۳:-
"وأقبل الناس من كل ناحية لسماعه ومشاهدة ذاته ودعاه كثير من الأعيان إلى بيوتهم وعملوا من اجله ولائم فاخرة فيذهب اليهم مع خواص الطلبة المقرئ والمستملي وكاتب الأسماء فيقرأ لهم شيئا بحضور الجماعة وصاحب المنزل وأصحابه وأحبابه وأولاده وبناته ونسائه من خلف الستائر ....... ثم يختمون ذلك بالصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم على النسق المعتاد ........"، رجال من التاريخ: ص ۲۳۲، عجائب الآثار: ص ۱۰۴

اضافہ ہو رہا تھا[1]

> ان سے بعض بڑے امراء بہت محبت کرتے تھے، جیسے مصطفیٰ بک اسکندرانی، اور ایوب بک دفتردار۔ یہ لوگ ان کے دولت کدہ پر جایا کرتے تھے۔ قیمتی ہدایا پیش کرتے رہتے تھے۔ شیوخ لونڈیاں خرید کر ان کو پیش کرتے تھے، دعوتیں کرتے تھے۔ دور دراز سے آنے والے مہمانوں کا اکرام کرتے۔"[2]

انھوں نے مسجد نبوی میں ایک نئے درس کا آغاز کیا اور شمائل و ترمذی شروع کرائی[3] ان کی شہرت بڑھتی گئی اور لوگ ہر جانب سے ٹوٹ پڑے اس درس کو سننے کے لیے اور ان کو دیکھنے کے لیے۔ ان کی ہیئت اور شکل مصریوں کے مقابلہ میں کافی مختلف تھی، جس کی وجہ سے لوگوں کا شوق ان کو دیکھنے کے لیے اور بڑھتا تھا۔

علامہ شیخ عبدالرحمٰن الجبرتی رقم طراز ہیں کہ:

> "یہ حقیر بیان کرتا ہے کہ میں ان میں سے اکثر اور دوسری مجالس و درس میں شریک ہوا، خصوصاً ان کے گھر اور پرانے مسکن "خان الصاغہ" میں

---

[1] "وکل ذلک من المحدثات، التی لم یعرفھا علماء السلف، ولاصنعھا أحد من المحدثین"۔ (یہ سب جدت طرازیاں تھیں جس سے حضرات علمائے سلف واقف نہیں تھے۔ اور نہ محدثین کرام میں سے کسی نے یہ جدتیں کی تھیں۔)

[2] رجال من التاریخ۔ ص ۲۳۳

[3] ابجد العلوم: ص ۲۱۹، ۲۲۰ ایضاً ـــ " آخرفی الشمائل للترمذی فی مقام القطب شمس الدین ابی محمود الحنفی اللہ سرہ ولما وصلت الحدیث ام ذرع املیت علیہ نحو سبعۃ کراسیس او اکثر فی اربعۃ عشر مجلسا ونقلتہ الطلبۃ واشتھر بینھم۔"

اور "صاقیہ" اور "بولاق" میں۔ اپنے مکان پر بھی اور دوسری جگہوں پر بھی۔ [جہاں ہم سیر و تفریح کے لیے جاتے] مثلاً "غیط المعدیۃ" اور "ازبکیۃ" وغیرہ تو ہم اکثر جاتے۔ اکثر اوقات ہم حدیث کے اجزا وغیرہ لکھنے میں مشغول رہتے۔ اور ان کی مسموعات بہت سے نسخوں میں ہے۔ اور بہت سے اوراق میں اب تک موجود ہے۔ بہت سے بڑے امراء ان کی طرف کھنچ کر آتے مثلاً ......
(ان اشخاص کا ذکر اوپر ہو چکا ہے) [1]

تاج العروس کی شہرت اسلامی دنیا کے سلاطین تک پہونچ چکی تھی۔ اب اسی کے ساتھ سید علامہ کے درس کی خوشبو مصر کی دیواروں کو عبور کر کے غیر ممالک میں پہونچی۔ اکثر اقطار و امصار سے لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ اور جو نہیں آ سکتے تھے وہ تحریر کے ذریعہ سے سند اور اجازت نامہ منگوایا کرتے تھے۔ سید علامہ اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں:

"اس وقت میں نے غزہ (شام)، دمشق، حلب، عین تاب (موصل) آذر بائیجان (ایران)، تیونس، الجزائر، دیار بکر، مدراس (ہندستان) میں اپنی سند اور اجازت نامے بھیجے۔" [2]

سنہ ۱۱۹۴ھ میں (جب بلگرامی انچاس سال کے تھے) عثمانی خلیفہ نے انھیں استنبول آنے کی دعوت دی جسے انھوں نے قبول کرلیا۔ لیکن گئے نہیں۔ بیرونی دنیا میں آپ کا نام روشن ہو گیا۔ [3]

---

[1] عجائب الآثار: ص ۱۰۵ — "بعض الامراء الکبار مثل مصطفیٰ بیک الاسکندرانی، و ایوب بک دفتردار فسعوا الی منزلہ و ترددوا للحضور مجالس ادروسہ واصلوہ بالھدایا بالجزیلۃ والغلال۔"

[2] معارف: (اعظم گڑھ) سنہ ۱۹۲۷ء، فروری، نمبر ۲ جلد ۱۹

[3] برہان: جلد ۸۲، شمارہ ۲، فروری سنہ ۱۹۷۹ء، ص ۸۲ تا ۱۰۹

تاج العروس کے خاتمہ نگار کا بیان ہے کہ صرف انھیں ممالک سے نہیں، بلکہ دنیائے اسلام کے گوشے گوشے سے روزمرہ آپ کے سامنے درخواستیں پیش ہوتی تھیں، اور عوام ہی نہیں، بلکہ ان ممالک کے امراء وسلاطین بھی خطوط لکھتے اور نہایت نیاز مندی کے ساتھ اجازت نامے یا سند طلب کرتے۔ خاتمہ نگار نے اس ضمن میں لکھا ہے کہ یمن، شام، ہندستان، بصرہ، عراق، مراکش، سوڈان، فزان، الجزائر، الغرض ہر طرف سے شدید تقاضے آتے رہتے تھے اور علامہ سے علمی فضیلت کے سرٹی فکیٹ مانگتے رہتے۔ [1]

نواب صدیق حسن خاں نے اس ضمن میں سید علامہ کے ایک خط کا ذکر کیا ہے: ـــــــ سید علامہ لکھتے ہیں کہ:

"..... وکتبت اجازۃ الی غزۃ و دمشق و حلب و عین تاب و اذربیجان و تونس و حراز و نادلا و دیاد بکو و سناد و دادفور و مدراس وغیرھا من البلدان علی ید جماعۃ من اھلھا الذین وفدوا علی وسمعوا منی و امتجاز والمن ھناك من افاضل العلماء فارسلت الیھم مطلوبھم وتلك الاسانید غالبھا ما استفدنا منکم ومن حضرۃ شیخنا المرحوم عبدالخالق بن ابی بکر المزجاجی ولقد حصلت الاسانید کم شھرۃ فی الدیار المصریۃ والشامیۃ والرومیۃ والمغربیۃ واطرافھا مما لا احصی بیانہ والحمد اللہ الذی وفقنی لاحیاء مراسم اشیاخی وانعاش ذکرھم علی عمر الزمان ولم ازل فی مجالسی احییھا بذکرکم واشوق الناس

---

[1] معارف: ، برہان:

الی ذکی محاسنکم وکتبت فی هذہ المدۃ عدۃ رسائل
ما بین مختصر و مطول ........» [1]

[غزہ، دمشق، حلب، عین تاب، آذربائیجان، تونس، حرار، نادلا، دیار بکر، سناد، دارفور، مدراس اور ان کے علاوہ بہت سارے ملکوں اور شہروں سے آئے ہوئے وفود جنھوں نے سماعتِ حدیث کی اور ان ملکوں میں موجود علماء و فضلاء کے لیے اجازت طلب کی ان کو میں نے اجازت لکھ کر دی۔ اور ان کا مطلوب ان کو ارسال کر دیا۔ اور ان میں اکثر سندیں وہ ہیں جو میں نے آپ حضرات سے اور حضرت شیخ مرحوم عبدالخالق بن ابی بکر المزجاجی سے حاصل کی ہیں اور میں نے آپ حضرات سے وہ سندیں حاصل کیں جو مصر، شام، روم، مغرب، اور اس کے اطراف و اکناف کے شہروں اور علاقوں میں مشہور و معروف تھیں۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے مجھے اپنے شیوخ کے آثار کو زندہ کرنے اور ان کے ذکر کو تازہ کرنے کی، مرورِ زمانہ کے باوجود، توفیق عطا فرمائی۔ میں برابر اپنی مجالس میں آپ لوگوں کے تذکرے کے ساتھ ساتھ ان آثار کو زندہ کرتا رہوں گا، اور آپ حضرات کے پاکیزہ محاسن کی طرف لوگوں کو رغبت دلاتا رہوں گا۔ اس عرصہ میں میں نے بہت سارے مختصر و طویل رسائل لکھے ......]

۱۱۹۴ھ میں جب علامہ موصوف ۴۹ سال کے تھے، تو انھیں عثمانی خلیفہ نے استنبول آنے کی دعوت دی جسے انھوں نے قبول کر لیا لیکن گئے نہیں قسطنطنیہ سے خلیفۃ المسلمین سلطان عبدالحمید اول نے آپ کو قسطنطنیہ آنے کی دعوت دی،

---

[1] ابجد العلوم: ص ۷۱۹، نزہۃ الخواطر: ج ۷، ص ۴۷۳

اور آپ نے منظور بھی کر لی۔ لیکن پھر خدا جانے کیا مواقع پیش آئے کہ وہاں بھی نہ جا سکے۔ سلطان نے اس کے بعد یہ درخواست پیش کی کہ ــــــــ "پھر وہیں سے مجھے اپنی سندوں اور حدیث کی کتابوں کی اجازت لکھ بھیجئے" ــــــــ سید علامہ نے اپنے ہاتھ سے اجازت نامہ لکھ کر بارگاہ سلطانی میں بھیجا۔ سلطان کے ساتھ ترکی کے مشہور فاضل صدر اعظم علامہ راغب پاشا[1] نے بھی آپ سے سند اور اجازت نامہ حاصل کیا۔ دنیاوی حیثیت سے ایک مسلمان عالم کا یہ آخری نقطۂ عروج تھا، جو ایک غریب الوطن ہندستانی عالم کو دوسرے ملک میں حاصل ہوا۔ قل اللّٰھم ملک الملک توتی الملک من تشاء و تنزع الملک ممن تشاء و تعز من تشاء و تذل من تشاء۔ [2]

رئیس المملکت روم عبدالرزاق افندی مصر آئے اور ان کے متعلق سنا تو ان کی خدمت میں حاضر ہوئے، اجازت طلب کی اور مقامات حریری پڑھنے کی درخواست کی تو وہ شیخوں کے درس سے فارغ ہوکر ان کے پاس جاتے اور مقامات کے بعض حصوں کا ان کے لیے مطالعہ کرتے اور لغوی معنی سمجھاتے۔ اور جب محمد پاشا الکبیر ان کے پاس آیا تو انھوں نے اس کا بہت اعزاز و اکرام کیا اور اس کو اپنے پاس بٹھایا اور اس کے لیے "فروۃ سمود" خالی کر دیا۔ اور اس کے ساتھیوں کے لیے گوشت، گھی، چاول، لکڑی اور روئی کا وظیفہ مقرر کیا اور خود اس کے لیے بھی بڑی مقدار میں وظیفہ مقرر کر دیا۔ اور اس کو غلاموں کے انبار دے دیئے۔ اس نے حکومت کو ان کے حالات لکھے تو حکومت نے ان کو خط لکھا اور اس میں ضرب خانہ سے بڑی مقدار میں وظیفہ مقرر کیا گیا۔ اور وہ یہ کہ ان کو روزانہ ڈیڑھ سو تولہ چاندی دیئے جاتے۔ یہ ۱۱۹۴ھ کا واقعہ ہے۔ انھوں نے اس کو قبول

---

[1] معارف : ، برہان : (محمد بن پاشا راغب کو صدر وزارت مصر لکھا ہے)

[2] معارف : ، برہان :

کیا پھر اس سے رک گئے۔[1]

علامہ موصوف کے پاس حکومت کے بڑے لوگوں کے خطوط آتے اور ان سب نے انھیں بہت زیادہ قیمتی تحائف پیش کیے۔ بعض نے تو بہت ہی عجیب وغریب تحفے پیش کیے۔ کسی نے ان کو فزان کی بکریاں بھیجیں اور وہ عجیب وغریب خلقت تھی، جسم بڑا اور سرگائے کے سر سے مشابہ ہوتا تھا۔ انھوں نے اسے سلطان عبدالحمید کے لڑکوں کے پاس بھیج دیا۔ توان لوگوں نے اسے اہمیت دی۔ اور اسی طرح ان لوگوں نے ان کو طیور، طوطے، باندیاں، غلام اور طواشیر بھیجے اور ان کے پاس ہندستان کی بہترین اور نفیس اور مشہور چیزیں اور صنعا، یمن اور بلادِ سرت وغیرہ کی بنی ہوئی قیمتی چیزیں اور ماء الکادی، مربیات اور عود وعنبر وعطر آئے۔ اہلِ مغرب میں ان کی بڑی شہرت ہوگئی اور ان کے نزدیک ان کا بہت بڑا مقام پیدا ہوگیا اور وہ ان کے معتقد ہوگئے۔ بعض لوگ تو ان کو قطب مانتے تھے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی مصر جاتا اور ان کی زیارت نہ کرتا، یا ان کو کوئی چیز پیش نہ کرتا، تو اس کا سفر مکمل نہیں ہوتا تھا۔[2]

علی الطنطاوی نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ: ——— اگر کوئی شخص حج کرتا اور آپ کی زیارت نہ کرتا تو اس کے حج کو لوگ کامل نہیں سمجھتے تھے۔ جب کبھی کوئی آنے والا آپ کے پاس آتا تو اس کا نام ونسب اور وطن، اس کے احباب اور پڑوسیوں تک کے متعلق دریافت کر کے لکھ لیتے تھے۔ پھر ان لوگوں میں سے اگر کوئی دوبارہ آتا تو اس سے سوال کرتے کہ تمھارا فلاں پڑوسی زندہ ہے، تمھارے فلاں بھائی کی تجارت میں نفع ہورہا ہے کہ نہیں؟ تمھارے چچا کہاں ہیں؟ ان کے مکان کی تعمیر مکمل ہوگئی یا نہیں؟ یہ اور اسی قسم کے دیگر سوالات سن کر آنے والا مغربی کھڑا

---

[1] عجائب الآثار : ؛ رجال من التاریخ :

[2] عجائب الآثار :

ہوجاتا اور آپ کے ہاتھوں وپیروں کو بوسہ دیتا اور آپ کے ان سوالات کو آپ کا کشف سمجھتا۔[1]

علامہ شیخ عبدالرحمٰن الجبرتی نے لکھا ہے کہ ــــــــ آپ دیکھیں گے کہ حج کے قریبی دنوں میں ان کے دروازہ پر صبح سے شام تک ایک بھیڑ لگی رہتی ہے اور ہر ایک کے ہاتھ سے اس کی حیثیت کے مطابق چیزیں قبول فرماتے۔ مثلاً کھجور، چاندی اور شمع۔ بعض لوگ اپنے شہر والوں اور علماء و امراء کی طرف سے خطوط وہدایا لاتے تھے۔ اور جواب کے طلب گار ہوتے تھے۔ جس کو کوئی کاغذ کا ٹکڑا خواہ انگلی کے پور کے برابر ہی مل جاتا تو گویا کہ اس کا خاتمہ بخیر ہوگیا۔ وہ تعویذ کی طرح اس کی حفاظت کرتا اور یہ سمجھتا کہ اس کا حج قبول ہوگیا۔ ورنہ مایوس و نامراد لوٹ آتا اور اس کو ہر شہر والے کی ملامت کا خطرہ دامن گیر ہوجاتا اور ان سے دوبارہ لوٹنے تک اس کو حسرت ہی رہتی۔[2]

علامہ موصوف اپنی تعظیم وتکریم کرانے کے فن سے خوب واقف تھے حسن پاشا جب مصر آیا تو اس کے پاس رؤسا وامراء سلام کے لیے حاضر ہوئے لیکن شیخ نہیں گئے۔ بلکہ انھوں نے اپنا نمائندہ بھیجا کہ وہ حسن پاشا کو خود ان کے پاس آنے کے لیے آمادہ کرے۔ چنانچہ وہ زیارت کے لیے آیا۔ شیخ نے اسے ایک قیمتی پوستین نذر کی جس کی قیمت کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا تھا۔ ایک اصیل گھوڑا جس کی زین پر سنہرا کام تھا، ایک عبا جس کی قیمت ایک ہزار دینار تھی۔ یہ تمام چیزیں انھوں نے اس ملاقات سے قبل ہی تیار کر رکھی تھیں۔ حسن پاشا کے دل میں آپ کی عظمت وقدر بیٹھ گئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی کوئی سفارش نامنظور نہیں ہوتی تھی۔ اگر کوئی خط یا پرزہ بھی حسن پاشا کو بھیج دیتے تھے تو پڑھنے سے قبل وہ اس کو چومتا تھا اور جو بھی فرمائش اس میں درج ہوتی تھی اس کو پورا کرادیتا تھا۔[3]

---

[1] عجائب الآثار : ، رجال من التاریخ :

[2] ایضاً

[3] فکانت تلک الھدیۃ من الشیخ رشوۃ ظاھرۃ

ایک مرتبہ ایوب بیگ الدفتردار نے اپنے ایک ہم نشین کے ساتھ چاول، گھی، قہوہ، شہد، زیتون اور پانچ سو ریال نقد اور قیمتی ہندستانی ریشم کے لباس بھیجے، اور خود بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو انھوں نے اس سے ملاقات نہیں کی اور وہ لوگ بغیر ملاقات کیے واپس آ گئے۔[1]

ایک دفعہ احمد بیگ جزار کو علامہ موصوف نے ایک خط روانہ کیا۔ جس میں یہ درج تھا کہ "تم مہدی منتظر ہو۔ تمھاری بڑی حکومت ہوگی اور جلد ہی تمھاری اہمیت بڑھ جائے گی" ـــــــ دلوں میں اس قسم کی تمنائیں پیدا ہوتی رہتی ہیں، انھوں نے شیخ کی اس بات کو سچ سمجھ لیا اور اس خط کو موم جامہ میں لپیٹ کر دوسرے گنڈے اور تعویذوں کے ساتھ اسے بھی گلے میں لٹکا لیا۔ اور یہ بات رازدارانہ طریقہ سے لوگوں کو بتاتا تھا جو علم جفور اور زائچہ سے ذرا بھی واقفیت رکھتے تھے۔ وہ اس کو صحیح جان رہا تھا۔ اسی قسم کی حماقتیں اس زمانہ میں رائج تھیں۔

احمد بک جزار کے پاس جب کوئی مصر سے جاتا تو وہ شیخ زبیدی کے متعلق ضرور دریافت کرتا تھا۔ اور اگر اس نے ان کی خیر خبر سنائی اور بتایا کہ میں ان سے ملتا رہتا ہوں اور ان سے استفادہ کرتا ہوں اور وہ سید زبیدی کی تعریف کرتا تو وہ اس کی بڑی تعظیم و تکریم کرتا اور وہ شخص احمد بک جزار کے قیمتی انعامات کا مستحق بن جاتا۔ اور اس کے برعکس اگر کسی نے علامہ موصوف سے ناواقفیت کا اظہار کیا اور ان کی تعریف و توصیف نہ کی تو وہ اس سے خفا ہو جاتا تھا اور وہ شخص اس کی نگاہ سے گر جاتا تھا۔ وہ اس کو اپنے پاس سے نکلوا دیتا۔ اس پر زیادتیاں کرتا اور بری طرح پیش آتا تھا۔ خواہ وہ کتنی ہی قدر و منزلت کا آدمی ہوتا۔[2] یا اہلِ فضل

---

[1] عجائب الآثار :

[2] وبمثل عقلية هذا الباشا (انتصرت .....) الدولة العثمانية !، رجال من التاريخ :        ، عجائب الآثار :

میں ان سے زیادہ مشہور اور عقل مند ہوتا۔ احمد بک کو تاحیات سید زبیدی سے عقیدت رہی یہاں تک کہ اس کی وفات ہوگئی۔

الجبرتی رقم طراز ہیں کہ :-

" واتفق ان مولای محمدا سلطان المغرب رحمة الله علیه وصله بصلات قبل انجاعة . . . . . . اجرذلك رددتها وضاعت ۔" [1]

[ وفات سے کچھ پہلے ہمارے آقا محمد سلطان المغرب ان کے پاس کچھ ہدائے لے کر آئے تو انھوں نے اس سے بے رغبتی ظاہر کی۔ اس لئے ۱۲۰۱ھ میں ان کو ایک قیمتی ہدیہ بھیجا تو انھوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ وہ ضائع ہوگیا اور سلطان کو واپس نہیں کیا گیا۔ سلطان کو ان کے جواب سے اس کا علم ہوا تو اس نے ان کو خط بھیجا اور اس خط کو میں نے پڑھا۔ اور وہ میرے پاس موجود تھا۔ پھر کاغذات میں کہیں گم ہوگیا۔ اس خط کا مضمون سخت عتاب انگیز اور جنگ کن تھا۔ اس نے لکھا کہ :

" . . . . . انك رددت الصلة التی ارسلنا ها الیك من بیت مال المسلمین ولیتك حیث تورعت عنها کنت فرقتها علی الفقراء والمحتاجین فیکون لنا ولك اجرذلك الاانك رددتها وضاعت ۔" [2]

[ آپ نے وہ تحفہ، جو میں نے مسلمانوں کے بیت المال سے بھیجا تھا، اس کو واپس کر دیا۔ کاش کہ آپ نے جس کو قبول نہیں کیا غربا، ومساکین میں تقسیم کر

---

[1] عجائب الآثار :

[2] ایضاً : ص ۱۱۱

دیا ہوتا تو میرے لیے اور آپ کے لیے باعثِ اجر و ثواب ہوتا، لیکن آپ نے اسے رد کر دیا اور وہ ضائع ہو گیا۔]

مصر میں سید علامہ کا قیام اپنے پیر کے حکم سے تھا۔ وہاں حدیث، تفسیر، یا جس چیز کا درس دیتے تھے، سب میں بجائے درس کے تلقین و ذکر کی شان زیادہ غالب تھی۔ اپنے درس میں خلافیات اور جدلیات سے زیادہ حقایق و معارف و فضائلِ اعمال کی حدیثوں پر زور دیتے تھے۔ اسی کے ساتھ ساتھ اپنے شیخ سے جن اذکار و اوراد کی آپ کو اجازت تھی، طالبین کی اس طرف بھی رہنمائی فرماتے تھے۔

تاج کا خاتمہ نگار لکھتا ہے کہ:

"ویجیزھم باوراد و احزاب ...." [1]

[اور لوگوں کو وہ اوراد و وظائف کی بھی اجازت دیتے تھے]

سید علامہ نے لوگوں کے دلوں میں اپنی عظمت و عقیدت کا نقش گہرا کرنے اور اپنے قدردانوں کا دائرہ وسیع تر کرنے کے لیے حدیث کے ساتھ ساتھ گنڈے اور تعویذ اور اوراد و اذکار کا بھی اضافہ کر دیا۔ مصر کی عوام اور بہت سے خواص جن میں حکمراں طبقے، فوجی اکابر، زمین داروں، اور مال دار تاجروں کا بڑا تناسب تھا، تعویذوں اور اوراد و اذکار اور جھاڑ پھونک پر گہرا عقیدہ رکھتے تھے۔ اور ایسے لوگوں کو اپنا قبلہ و کعبہ بنا لیتے تھے۔ علامہ کی تعویذوں کے لیے مشہور تھا کہ کبھی خطا نہیں کرتے۔ ان کی بتائی ہوئی دعائیں پوری ہوتی ہیں۔ اور جھاڑ پھونک، بلاؤں اور مصیبتوں کو ٹال دیتی ہیں [2]

---

[1] معارف :

[2] برہان :

سید سلیمان ندوی صاحب نے لکھا ہے کہ سید علامہ کی گذر اوقات کا کوئی واضح بیان نہیں ملتا۔ تاہم ان کی جو زندگی تھی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالٰے نے فراخئی رزق سے بھی ان کو نوازا تھا۔ اپنے ایک خط میں انھوں نے لکھا ہے کہ اس وقت ہمارے وہاں دو حبشی لونڈیاں اور ایک حبشی غلام ہے۔ باندیوں کا نام سعادہ و رحمت تھا اور غلام کا نام بلال تھا۔ اور یہ عجیب بات ہے کہ سید علامہ جب اپنے لیے کسی عالم سے سند یا اجازت نامہ طلب کرتے ہیں تو اس میں لکھتے کہ میری بیوی اور میری لونڈیوں اور غلام کے نام سے بھی اجازت نامہ بھیجئے۔

بہرحال معاشی حیثیت سے سید علامہ کی حالت اچھی تھی۔ اس کا سامان کہاں سے ہوتا تھا۔ غالباً گمان یہ ہے کہ حکومتِ مصر یا دوسرے سلاطین کے یہاں سے آپ کو امدادیں ملتی ہوں [1]

تاج العروس کے بعد علامہ موصوف کی دوسری معرکۃ الآرا تصنیف احیاء العلوم کی شرح ہے، جو "اتحاف سادۃ المتقین" کے نام سے مشہور ہوئی۔ علامہ موصوف نے امام غزالیؒ کی احیاء العلوم الدین کی شرح لکھنی شروع کی اور اس کے کچھ اجزاء اور ابتدائی حصے صاف کر کے روم، شام، ترکی، مغربی و شمالی افریقہ کے سلاطین کو بھیجے تاکہ شرحِ قاموس کی طرح اسے بھی شہرت حاصل ہوجائے اور اس کے بھی نسخے طلب کیے جائیں [2] سید علامہ درس میں اس کا املا بھی کراتے تھے، تو ستر (۷۰) کا پیوں میں تقریباً صرف کتاب العلم کی شرح مکمل ہوسکی۔

نواب صدیق حسن خاں نے احیاء العلوم کی شرح کے متعلق لکھا

---

[1] معارف :

[2] عجائب الآثار : برہان :

ہے کہ ـــــــ " والعام الماضی جاء نی کتاب من عالم مکة وصالحها مولانا الشیخ ابراهیم الزمزمی یطلب ماتیسر منه ..... وبالتوفیق ولرضا والتیسیر للعمل الصالح خصوصا اتمام هذا الشرح علی الوسیرة المرضیة وساعة تاریخ الجواب کنت۔" [1]

[ گذشتہ سال مکہ کے ایک عالم مولانا شیخ ابراہیم الزمزمی صاحب کا ایک خط آیا تھا کہ جتنی آسانی کے ساتھ بھیج سکیں اس کی کاپیاں بھیج دیں۔ اس کے لیے مسودہ سے تقریباً بیس کاپیاں نقل کی گئیں اور میں نے ان کو اس سال بھیج دیا تھا۔ لیکن جس وقت یہ کاپیاں ان کی خدمت میں ارسال کی تھیں اس وقت وہ تبیض کے مرحلے میں تھیں، یعنی ان کو صاف کیا جا رہا تھا۔ تو میں نے ان کاپیوں پر بہت ساری جگہوں پر کافی اضافہ و ترمیم کیا۔ حتیٰ کہ یہ کتاب اب بالکل اس کے مغائر اور مخالف ہو گئی۔ اس سال میرا ارادہ ہے کہ یہ اضافہ شدہ نسخہ جو اس وقت صاف کیا جا چکا ہے، وہ ان کی خدمت میں ارسال کر دوں گا۔ تاکہ وہ اسی آخری نسخہ پر اعتماد کریں۔ تو اگر تم کسی ایسے شخص کو بھیج سکو جو ان کے پاس سے اس کی ایک کاپی نقل کر لے اور جو تم کو مل جائے تو یہ کوئی بڑی بعید بات نہیں ہے۔ یہ ممکن ہے اور قریب الحصول ہے۔ اس کے باوجود میری نیت یہ ہے کہ کتاب العلم کی شرح، شرح قاموس کے کچھ حصوں کے ساتھ آپ کی خدمت عالی میں ارسال کروں گا اور اگر توفیق ملی اور قسمت نے ساتھ دیا تو ایسا ضرور کروں گا۔

اے مولانائے محترم! یہ شرح عجیب وغریب اوصاف کی مالک ہے۔ مجھے اس شرح کے تیار کرنے میں بڑی نادر معلومات کثیر تعداد میں دستیاب ہو گئیں، جن کا شمار ناممکن ہے۔ ان کا ذکر اس شرح کے شروع میں موجود

---

[1] ابجد العلوم : ص ۲۱۹

ہے۔ پھر اس شرح کی خصوصیت یہ بھی ہے کہ یہ اصل کتاب کے اندر پائے جانے والے اسرار و رموز اور اس کے مختلف نسخوں اور اس کے اشارات اور اس کے مآخذ کی بھی وضاحت و تفصیل کرتی ہے۔ آپ کی بلند ہمتی سے یہی توقع ہے کہ آپ اپنے اس تلمذ کو نیک دعاؤں میں نہیں بھولیں گے۔ اور اس کے لیے اعمالِ صالحہ کی توفیق و تیسیر کی بھی دعا کرتے رہیں گے۔ خاص طور پر پسندیدہ و مطلوب طریقہ پر اس شرح کی تکمیل ہو جائے، قبل اس کے کہ جواب کی تاریخ آجائے۔ ]

الجبرتی نے اس ضمن میں جہاں سلطان المغربؒ کے متعلق تذکرہ ہے، ایک نئی بات لکھی ہے:

"ویلومه ایضا علی شرحه کتاب الاحیاء ویقول له: کان ینبغی ان تشتغل وقتك بشیئ نافع غیر ذلك، ویذکر وجه لومه له فیه فی ذلك وما قاله العلماء وکلاما مفحما مختصرا مفیدا رحمة الله تعالیٰ" [1]

[ ان پر ان کی شرحِ احیاء العلوم کے سلسلے میں لعنت ملامت کی تو وہ لکھتا ہے کہ ـــــ چاہیے تو یہ تھا کہ آپ اپنا وقت کسی نفع بخش چیز پر صرف کرتے ـــــ علماء نے اس کی اس لعنت ملامت پر کہا کہ تنبیہ مختصر، مفید اور خاموش کر دینے والی کی ہے ]

علامہ موصوف نے امام غزالی رحؒ کی اس عظیم کتاب "احیاء علوم الدین" کی شرح کا نام "اتحاف سادۃ المتقین" رکھا۔ سید علامہ کی یہ تصنیف بہت نفع بخش ثابت ہوئی۔ ڈاکٹر زبید احمد لکھتے ہیں کہ متقدمین سے بیان کردہ تمام احادیث سے

---

[1] عجائب الآثار : الجبرتی

بحث کی گئی ہے۔[1]

سید مرتضیٰ بلگرامی زبیدی اپنی اس عظیم شرح "اتحاف سادۃ المتقین" میں خود رقم طراز ہیں کہ :

"یہ بات ثابت ہے کہ شارح علیہ الرحمۃ پوری کتاب "احیاء علوم الدین" کی شرح نہیں لکھ سکے۔ اس لیے تمیم فائدہ کے لیے ہم نے احیاء کو تو حاشیہ پر رکھا، مزید فایدہ شروع کتاب حاشیہ پر فاضل استاذ علامہ شیخ عبدالقادر بن شیخ عبداللہ بن شیخ بن عبداللہ العیدروس باعلوی قدس سرہٗ کی کتاب "تعریف الاحیاء بفضائل الاحیاء" کو رکھا ہے۔

نیز حاشیہ پر ہی اس کتاب کے خاتمہ کے بعد امام غزالی رحمہٗ کی کتاب "کتاب الاملاء عن اشکالات الاحیاء" بھی ہے۔ احیاء علوم الدین پر بعض معاصرین نے نقد کیا تھا جس کا یہ جواب ہے۔ "کتاب الاملاء" کو حاشیہ کے اوپر جگہ دی ہے اور احیاء کے متن کو آخر میں۔ اور دونوں کے درمیان امتیاز لانے کے لیے لائن بنا دی ہے۔"[2]

---

[1] The Contribution of India to Arabic Literature
 - Dr. Zubaid Ahmad - p. 87

" In the beginning, the commentator has devoted a considerable space to a full critical account of Al-Ghazali and his works. While commenting on the text, he fully discusses both sides of all the Hadith given by original authors.

" Just as the Tadj-al-Arus is a copious and important commentary on QAMUS, similarly, the present work is a useful and illuminative commentary on the IHYA. These two great works bear testimony to Murtada's vast knowledge and wonderful learning."

[2] اتحاف سادۃ المتقین (اخلاق و تصوف) الجزء الاول : المطبعۃ المیمنیۃ بمصر (۱۳۰۹)

"حیث تحقق ان الشارح لم یستکمل جمیع الاحیاء فی بعض مواضع (مسلسل)

سید علامہ نے اس شرح کی تصنیف کے محرکات و اسباب پر بھی شرح کے الجزء الاول ہی میں روشنی ڈالی ہے۔ لکھتے ہیں:

"بے شک یہ عظیم کتاب جس کا نام "احیاء علوم الدین" ہے جو برکت و نفع، جامع با عمل علماء اور سالکین طریقت، مشائخ عارفین کے درمیان مشہور ہے، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب ہے، جو علماء میں سب سے زیادہ عالم، حضرات انبیاء کے وارث، اسلام کی ایک حجت، زمانہ کی ایک نیکی، مجتہدوں کے تاج، تہجد گذاروں کے چراغ، حلال و حرام میں ائمہ کے مقتدیٰ، حرمین و ملت کی زینت، جن پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فخر فرمایا اور جن سے خوش ہوئے........ چوں کہ یہ کتاب کثیر النفع، جلیل القدر تھی، جس کی کوئی نظیر نہیں، جس کے طرز پر کوئی مصنف تحریر پر کامیاب نہیں ہو سکا، اور نہ کسی نے اس جیسی کسی دوسری کتاب کے بارے میں کچھ سنا۔ شریعت،

---

(مسلسل)
من شرحه فتتميما للفائدة وضعنا الاحياء المذكور في هامش هذا الشرح والاجل زيادة الفائدة بدأنا في أوّل هامش بوضع كتاب تعريف الاحياء بفضائل الاحياء للاستاذ الفاضل العلامة الشيخ عبد القادر بن شيخ بن عبد الله العيدروس باعلوی قدس الله سره۔

وبالهامش أيضا بعد تمام الكتاب المذكور كتاب الاملاء عن اشكالات الاحياء تصنيف الامام الغزالي رد به اعتراضات أوردها بعض المعاصرين له على بعض مواضع من الاحياء وقد صار وضع كتاب الاملا بأوّل هامش الصحيفة ومتن الاحياء بآخره ويفصل بينهما بحليقة۔"

طریقت اور حقیقت پر مشتمل پوشیدہ گتھیوں کو سلجھانے والی، دقیق رازوں کو ظاہر کرنے والی، اس لیے میں نے سوچا کہ ایک رسالہ تحریر کروں جو اس کے عنوانات اور اس کے فضائل و شرف کے رہبر کی حیثیت رکھتا ہو۔ اور اس کے جامع ہونے اور مصنف کی فضیلت کا اندازہ ہوسکے۔ میں نے اس کو ایک مقدمہ اور خاتمہ پر مرتب کیا۔ مقدمہ میں کتاب کا عنوان، مقصد، اس کے فضائل، اکابر نے جو تعریف و توصیف کی ہے، اور جن لوگوں نے اس کے بعض مضامین پر اشکال یا طعن کیا ہے، اس کا جواب ہے۔ خاتمہ میں مصنف رضی اللہ کے حالات و سوانح ہیں، اور وہ اسباب بیان کیے ہیں جن کی وجہ سے مصنف اس طرزِ تحریر پر رجوع ہوئے"۔[1]

---

[1] اتحاف سادۃ المتقین: علامہ محمد الحسینی الزبیدی الشہیر بمرتضیٰ: الجزء الاول۔ حاشیہ: ص ۲۱ ھذا کتاب تعریف الاحیاء بفضائل الاحیاء)

" فان الکتاب العظیم الشان المسمی باحیاء علوم الدین المشہور بالجمع والبرکۃ والنفع بین العلماء العاملین وأھل طریق اللہ السالکین والمشائخ العارفین المنسوب الی الامام الغزالی رضی اللہ عنہ عالم العلماء وارث الانبیاء حجۃ الاسلام حسنۃ العھود والاعوام تاج المجتھدین سراج المتھجدین مقتدی الأئمۃ بین الحل والحرمۃ زین الملۃ والدین الذی باھی بہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم وعلی جمیع الانبیاء ورضی عن

الغزالی وعن سائر العلماء المجتھدین لما کان عظیم لوقع کثیرا النفع جلیل المقدار ولیس لہ نظیر فی بابہ ولم ینسج علی منوالہ ولا سمحت قریحۃ بمثالہ مشتملا علی الشریعۃ والطریقۃ
(مسلسل)

سید علامہ نے احیاء العلوم کی شرح میں انھیں جزئیات سے بحث کی ہے جو احادیث کی تخریج اسانید کو ظاہر کرے۔ علامہ موصوف اس سلسلے میں خود رقم طراز ہیں:

"یہ شریف و ممتاز تقاریر اور تحریریں میں نے حجۃ الاسلام ابی حامد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب احیاء العلوم کے تدریس کے موقعہ پر، اللہ تعالیٰ پر بھروسہ اور اس کی مدد چاہتے ہوئے، املا کرائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ احیاء کی متعلق عبارتوں کے حل، رموز و اشارات کی وضاحت اور حفاظ محدثین کے طریقہ پر احادیث کی تخریج اسانید کو علماء اور عارفین کے اقوال کی روشنی میں نمایاں اور ظاہر کیا ہے۔ اس کی تہذیب و ترتیب، تسہیل و تقریب میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ لغات سے کوئی تعارض ضرورت کے سوا نہیں کیا، اور نہ بیانِ فایدہ میں ضرورت سے زاید تطویل کی۔ یہ اس لیے کہ اگر میں جمیع الفاظ کا تتبع کرتا اور ان اشارات کی وضاحت کرتا جو ان کی فکرِ رسا سے پیدا ہوئے، تو طولِ کلام ہوتا اور مقصد تک پہونچنا مشکل ہو جاتا، ناظرین کے ذہن اور فہم پر بوجھ پڑتا، اس لیے کہ

---

(مسلسل) والحقيقة كاشفا عن الغوامض الخفية مبينا للاسرار الدقيقة رأيت ان أضع رسالة تكون كالعنوان والدلالة على صبابة صبابة من فضله وشرفه ورشحة من فضل جامعة ومصنفة (ورتبته على مقدمة في عنوان الكتاب __________ والمقصد في فضائله ولبعض المدائح والثناء من الاكابر عليه والجواب عما استشكل منه وطعن بسببه فيه والخاتمة في ترجمة المصنف رضى الله عنه وسبب رجوعه الى هذه الطريقة ....."

مصنف کے مضامین استنباط اور استکشاف کے لحاظ سے بہت گہرے اور دوررس تھے۔ گویا وہ ایک ایسے ناپیدا کنار سمندر سے ایک چلو پانی لیتے ہیں، جس کے ساحل پر میرے جیسے عاجز و قاصر کا کھڑے ہو کر صرف دیکھنا کافی ہو سکتا ہے۔ جس نے قدیم و موجود علماء کے ہاتھوں میں اس کتاب کو اکثر و بیشتر دیکھا سارے اسلامی ملکوں میں یہ پڑھی جاتی ہے۔ بالخصوص ملکِ یمن میں، جہاں اخیار اور صلحاء کی کثرت ہے۔ انھوں نے اس کے مشکل الفاظ اور اس کی مجمل گتھیوں کو سلجھانے کی کوشش کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے الہام کے ذریعہ مجھے شرحِ صدر نصیب فرمایا جس کی تفصیل میرے فکر رسا نے کی۔ الحمد للہ کہ یہ شرح نایاب نکات کی جامع اور فوائد کی تکمیل کرنے والی ہے۔ جہاں ابہام ہے اس کو کھول دیا ہے، جہاں اجمال ہے وہاں تفصیل کر دی ہے، مشکل لغات کو حل کر دیا ہے اور اشارات کو واضح کر دیا ہے، متفرق اقوال کو یک جا کر دیا ہے۔ غرض پڑھنے والوں کے لیے ہر طرح اس کو معین و مددگار بنا دیا ہے۔ ایسے فوائد درج کیے ہیں جن سے آنکھوں کو ٹھنڈک ملے، غور و فکر کرنے والا کہہ اٹھے کہ یہ بات میں بھلا کہاں پا سکتا تھا، جو فقہ، حدیث، قواعد اور باریک نکات نیز تاریخ و ادب پر مشتمل ہیں اور جن کو حاصل کرنے کے لیے لوگ دور دور سے کھنچے آتے ہیں۔ اس کتاب کے ساتھ محبت و تعلق کے معاملے میں علمائے اہلِ سنت والجماعۃ کا اجماع ہے۔ مریدوں کو سلوک کی راہ پر لگاتی ہے۔ کمالِ تحقیق کا

اشارہ کرتی ہے۔" ؎

---

؎ اتحاف سادۃ المتقین : ص ۲۷۲

" فهذه تقريرات شريفة وتحريرات منيفة امليتها على كتاب الاحياء للامام حجة الاسلام أبي حامد الغزالي رحمة الله تعالى حين سئلت في اقرائه. مستعينا بحول الله شاكرا لحسن بلائه. جانحا فيه الى حل عباراته، مشيرا الى كشف الغموض عن رموزه واشاراته. مخرّجا أحاديث على طريقة حفاظ المحدثين مبينا لأسانيد ما فيه من أقوال العلماء والعارفين. ولم آل جهد في تهذيبه وترتيبه، وتسهيله وتقريبه، ولم أتعرض للغاته. الاما احتيج اليه. ولابيان فائدة سوى ما عوّل عليه. وذلك لاني لو تتبعت جميع ألفاظه الشائقة. واشاراته التي انتثلتها من أفكاره الفائقة. طال الكلام وصعب المرام وكلت دون محاولته الافهام. اذما أخذه رحمة الله تعالى فيه بعيدة الغور استنباطا واستكشافا. حتى كأنه يحترف من البحر المحيط اغترافا. وأنى لمثل العاجز القاصر عن تساجله. وحبي أن أقف لهذا البحر عند ساحله. على انى لم أر أحدا من العلماء قديما وحديثا مع كثر فنداول هذا الكتاب بين أيديهم وتبركهم بقرائته في سائر الاقطار. خصوصا في قطر اليمن المانوس بالأخيار. اعتنى بضبط ألفاظه المشكله. ولافصل بنور عقوده المجملة. وقد شرح الله صدري لشرحه بالهام. وسعى يعبوب فكري لتفصيله باهتمام. فجاء بحمد الله جامعا للشوارد. مكملا للفوائد. ضابطا لما أهمل. مفصلا لما أجمل. مبينا لما استشكل من اللغات. مقربا لما استبهم من الاشارات. كافلا لبيان ما فرق فيه من الأقوال. معينا لأهل التدريس في سائر الاحوال، بفوائد تقربها العين. ويقول الغائص من أين أجد مثل درره من أين، اشتمل على فقه وحديث ودقائق، وضوابط ودقائق، وتاريخ وأدب، تنسل اليه
(مسلسل)

سید علامہ نے " اتحاف السادۃ المتقین" کے مقدمہ میں خود اپنی شرح پر بے لاگ تبصرہ کیا ہے۔ اور تحقیق و تصنیف کے معاملات پر اپنے بصیرت افروز تجربات بھی بیان کیے ہیں۔ علامہ موصوف لکھتے ہیں کہ :

" میں نے اللہ تعالیٰ سے استخارہ کے بعد اس کتاب کا نام " اتحاف السادۃ المتقین بشرح اسرار احیاء علوم الدین" رکھا۔ اس اہم کتاب کے پیش کرنے کے باوجود میں اپنے نفس اور کتاب کو مشکوک اور اغلاط سے پاک وصاف نہیں سمجھتا اور نہ ہر عیب سے خالی ہی سمجھتا ہوں، بلکہ اپنی تمام تر تقصیرات کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے ان سطور کی تحریر کے دوران جو غلطیاں ہوئی ہیں، ان کی معافی کا خواست گار ہوں۔ ناظرین سے گذارش ہے کہ کوئی بات اگر سمجھ میں نہ آئے تو اس پر ناراض نہ ہوں۔ اس لیے کہ ہر ایک کی سمجھ بوجھ مختلف ہوتی ہے۔ اور یہ واقعہ ہے کہ جب بھی کوئی مصنف اپنی کوئی تصنیف پیش کرتا ہے تو وہ تنقید و تبصرہ کا نشانہ ضرور بنایا جاتا ہے۔ اپنی خطا اور لغزش کی معذرت کرتا ہوں کہ لائق و فائق آدمی بھی ٹھوکر کھاتا ہے۔ اور ایک نوجوان سرگشتۂ اوہام ہوتا ہے، کھرے سکوں میں بھی کبھی کھوٹ ہوتا ہے۔ یہ بات واضح رہے طویل کتابوں کے مضامین پر تعاقب ان کی تالیف، ترتیب و تزئین سے زیادہ سہل ہوتا ہے، جس طرح بڑی اور شان دار عمارتوں میں قضا و قدر کے تحت کہیں نہ کہیں، کوئی نہ کوئی

---

(مسلسل)
الرغبات من كل حدب ولست أقول ذلك لانفق البضاعة۔ بل لاشوق أرباب الصناعة وأجمع على حب هذا الكتاب أهل السنة والجماعة۔ وأعرف المريدان سلوك طريقه وأثيرهم إلى كمال تحقيقه۔"

بات فن سے عاری محسوس ہوتی ہے، حالاں کہ دیکھنے والے میں اتنی صلاحیت نہیں ہوتی کہ وہ ایک اینٹ پر دوسری اینٹ بھی رکھ سکے۔ جو اعتراض میری کتاب پر وارد ہو سکتے ہیں، ان کا یہی جواب ہے۔ قاضی عبدالرحیم بیسانی، مشہور ادیب عماد اصفہانی کو اپنے کلام پر ان کی عذر خواہی کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ——— "مجھ سے کوئی غلطی سرزد ہوئی یا آپ نے اس کو غلط سمجھا، یہ واقعہ ہے کہ آدمی ایک ہی دن میں کچھ لکھتا ہے تو اس کے بعد سوچتا ہے کہ یہ عبارت بڑھا دی جائے تو بہتر ہوگا یا اس کو چھوڑ دیا جائے تو مناسب ہوگا۔ یہ کیفیت بڑی عبرت کی حامل ہے اور اس امر کی دلیل کہ نقص تقاضائے بشریت ہے۔ میں امیدوار ہوں کہ ناظرین تسامح فرمائیں گے کہ وہ اس کے اہل ہیں۔ ان کے اس احسان کی توقع رکھتا ہوں کہ وہ ان کے شایانِ شان ہے۔

کسی حدیث کے اسانید کی تخریج کے سلسلہ میں طولِ کلام سے ناظرین ملول نہ ہوں، یا بعض مسائل یا تراجم رواۃ کے سلسلہ میں استطرادِ مزید سے نہ گھبرائیں، اس لیے کہ یہ کتاب اسی غرض کے لیے تحریر کی گئی ہے۔ اور اسی پر اس کی بنیاد ہے۔ آپ اس میں وہ فوائد پائیں گے جو دوسری ضخیم کتابوں میں آپ کو نہ ملیں گے۔ اللہ تعالیٰ سے سوالی ہوں کہ وہ اس کو قبول فرمائے اور قریبی مدت میں اس کی تکمیل فرمادے اہلِ حق کے پسندیدہ طرز پر وہی مددگار اور دعا قبول کرنے والا ہے اسی پر میں نے بھروسہ کیا ہے اور اسی کی جانب رجوع کرتا ہوں۔" [1]

---

[1] اتحاف السادۃ المتقین : الجزء الاوّل :

" واستخرت اللہ تعالیٰ فی أن أسمیہ اتحاف السادۃ المتقین لبشرح اسرار احیاء العلوم الدین ۔ وأنا مع وضعی ھذا الکتاب وما ابرئ نفسی

(مسلسل)

شرح کے پہلے ہی حصّہ میں سید علامہ نے ان کتابوں کا تذکرہ کیا ہے جن سے انھوں نے استفادہ کیا۔ سید علامہ لکھتے ہیں۔

" اب ان کتابوں کا تذکرہ ضروری ہے جن سے میں نے مواد حاصل کیا اور استفادہ کیا۔ علم لغت میں اپنی ہی کتاب

---

(مسلسل)

ولاکتابی من خلل وریب۔ ولا أبیعة لبشرط البراءة من کل عیب۔ بل أعترف بکمال القصور۔ وأسأل الله الصفح عما جری به القلم بهذه السطور۔ وأقول لناظر جمعی هذا۔ الا تأخذن فی نفسك علی شیئ وجدته فیه مغایر الفهم فان الفهوم فقد تختلف ومن صنف قد استهدف، وأعتذر ذلك ایها المنصف من خطأ أو زلة فالجواد قد یکبو ۔ والفتی قد یصبوا۔ ولا یعد الافضولات العارف۔ وتدخل الزیوف علی أعلی الصیارف۔ ولا یخفی علیك أن التعقب علی الکتب سیما الطویلة سهل بالنسبة الی تالیفها۔ ووضعها وترصیفها۔ کما یشاهد فی الابنیة القدیمة۔ والهیاکل العظیمة۔ حیث یعترض علی بانیها من عری فی فنه عن القفضی والقدر۔ بحیث لایقدر علی وضع حجر علی حجر۔ هذا جوابی۔ عما برد علی کتابی۔ وقد کتب استاذ البلغاء القاضی الفاضل عبد الرحیم البیسانی۔ الی العماد الکاتب الاصبهانی ۔ معتذرا عن کلام استدرکه علیه انه لایکتب انسان کتابا فی یومه الا قال فی غده لو غیر هذا لکان أحسن۔ ولو زید لکان یستحسن۔ ولو قدم هذا لکان أفضل۔ ولو ترك هذا لکان أجمل۔ وهذا من أعظم العبد۔ وهو دلیل علی استیلاء النقص علی جملة البشر۔ فأرجو مسامحة ناظریة فهم أهلوها وأمل جمیلهم فهم أحسن الناس وجوها۔ وهذا حین الشروع فی المقصود ولا ینبغی ان یمل الناظر فی هذا الکتاب کثرة الکلام علی تخریج حدیث بذکر الاسانید۔ والاستطراد المزید فی بعض المسائل والتراجم

(مسلسل)

شرح قاموس ہے جو بہترین لغات کی حامل ہے، جس کی وجہ سے میں دوسری کتابوں کی مراجعت سے بے نیاز ہو گیا۔ لیکن اس کے باوجود ابنِ اثیر کی "نہایہ" زمخشری کی "الفائق"، علامہ ابو القاسم الراغب کی "المفردات"، سمین الحلبی کی "عمدۃ الحفاظ"، علامہ منادی کی "التوقیف"، ابو حاتم الرازی کی "کتاب الزینۃ"، ابنِ قتیبہ کی "مشکل القرآن" پر محض نظر ہی نہیں کی، بلکہ ان سے میں نے استفادہ کیا اور جملے کے جملے لے لیے۔ جن کو مناسب مقامات پر پیش کیا ہے۔ اصولِ فقہ میں صدر الشریعۃ کی توضیح، سید الجرجانی کی شرح "التنقیح"، سعد التفتازانی کی "التلویح"، بیضاوی کی "المنہاج" اور اس کی شرح جو محمد بن طاہر قزوینی کی کی ہوئی ہے اور خود اپنی "شفاء العلیل فی مسالک التعلیل" سے استفادہ کیا۔ کتبِ حدیث میں شارحینِ بخاری کی شروح مثلاً ابنِ حجر العسقلانی کی "فتح الباری اور شرح قسطلانی"، ابن الملقن، الکورانی، الزرکشی، السیوطی، والسندی کی بھی شروح نظر میں رہیں۔" [1]

---

(مسلسل) فانه لذلك وضع۔ وعلى اعواد هذه القواعد رفع ۔ وسترى فيه من الفوائد مالا يوجد فى مجموع۔ ومن الزوائد ما هو فوق الفرقد مرفوع۔ والله المسئول أن يتقبله بقبول حسن۔ وأن يعيننى على اكماله فى أقرب زمن۔ على نهج برتضيه أهل الحق بالوجه المستحسن۔ هو المعين المجيب عليه توكلت واليه أنيب۔"

[1] اتحاف السادة المتقين : الجزء الاول

" وهذا بيان الكتاب التى منها أخذت۔ وعنها بلا واسطة نقلت (مسلسل)

سید علامہ نے شرح احیاء العلوم کے لکھنے کے اسباب بھی اپنی اسی شرح "اتحاف السادۃ المتقین" کے جزء اول میں بیان کیے ہیں۔ علامہ موصوف رقم طراز ہیں :

" اس کتاب کی شرح لکھنے کے تین اسباب ہیں

۱۔ سب سے بڑا سبب تو یہ ہے کہ اس کتاب میں اہلِ دین، صاحبِ خیر صالحین کے تذکرے ہیں اور جن کی محبت اس کتاب کی شرح لکھنے کی سب سے بڑی محرک ہے .....

۲۔ دوسرا اہم سبب اس کتاب کی شرح لکھنے کا یہ ہے کہ جو بھی اس کا مطالعہ کرے وہ اس سے نفع حاصل کرے اس لیے کہ اس میں

---

(مسلسل)

واستفدت ـ فمن ذلك فی علم اللغة شرحی علی القاموس الذی أحاط بجید اللغة م وحوشیّها الذی اذا راٰه المنصف البعید عن المرا ـ قال کل الصید فی جوف الفرا ـ فاستغنیت بمراجعته عن جملة من الکتب المؤلفة فی الفن ـ وأوردت منه کل مستحسن ـ ولم أخل مع ذلك نظری فی کتاب " نهایة " لابن الاثیر و " الفائق " للزمخشری ، و " المفردات " لابی القاسم الراغب وعمدة الحفاظ للسمین الحلبی و التوقیف للمناوی وکتاب الزینة" لابی حاتم الرازی و"مشکل القرآن لابن قتیبة فربما استفدت منها جملا کثیرة أوردتها مع مناسباتها فی مواضعها ومن کتب اصول الفقه التوضیح لصدر الشریعة وشرحاه التنقیح للسید الجرجانی والتلویح للسعد التفتازانی والمنهاج للبیضاوی وشرحه لمحمد بن طاهر القزوینی وشفاء الغلیل فی مسالك التعلیل للمصنف ومن کتب الحدیث التی احتاج الامر الی مراجعته شرح البخاری للحافظ ابن حجر العسقلانی المسمی بفتح الباری وهو البحر الذی تقف عنده الافهام وتغترف من فیوضاته الاعلام مع الزرکشی والسیوطی والسندی .... "

اعمالِ صالحہ اور امور المھمۃ کا ذکر ہے اور جناب نبئ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعمالِ خیر پر ثواب کا وعدہ فرمایا ہے۔ موت کے بعد آنے والی صدیوں پر مشتمل زندگی میں نفع پہونچانے والے اعمال کا ذکر ہے.....

۳۔ تیسرا سبب اس تالیف کا نفس کو آمادہ کرنا ہے ان صالح امور پر چلنے اور ان کی حمایت کرنے پر اور اخلاقِ سیئہ سے رک جانے پر، ان باتوں کو گرہ میں باندھ لینے پر جو اللہ تعالیٰ سے قُرب کا سبب بنتی ہوں، محنت اور کوشش پر جو آخرت کے فوز و فلاح پر منتج ہوتا ہے، ممکن ہے کہ یہ معاملہ اللہ تعالیٰ کے وہاں نفع بخش ثابت ہو، اس لیے کہ نفس تو بُرائی کا ہی حکم دیتا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمتِ کاملہ سے اس کا تدارک فرمادے۔ اور شیطان دھوکے سے نفس کی ہلاکت پر حریص ہے۔ اللہ تعالیٰ کا لطف و اعانت اور طاعت میں مجاہدۂ نفس، امور میں مخالفت پیش آجانے سے نفس کا رک جانا، بچاؤ کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

" والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سُبُلنا ٥ "

[جن لوگوں نے ہماری راہ پر چلنے کی کوشش کی ہم ان کو اپنی راہوں کی ہدایت عطا کردیتے ہیں ] [1]

---

[1] اتحاف السادۃ المتقین : الجزء الاول

" اعلم أن الباعث لی علی الاقدام فی شرح ھذا الکتاب أمور ثلاثۃ: الأول الاکثار من ذکر الصالحین وأولی الخیر والدین وسیاق أطراف من أحوالھم فان ذلک من أکبر الاسباب الباعثۃ علی محبتھم وھی أحد أسباب الفوز ..... الثانی من البواعث علی جمع ھذا الشرح رجاء الانتفاع بہ لمن ینظر فیہ من الامۃ وذلک (مسلسل

"...... یہی وہ تین امور ہیں جو اس کتاب کی شرح لکھنے کا
باعث بنے ہیں، اور ہر ہر پہلو سے اس سے نفع اندوزی کا
سبب بنے ہیں۔" [1]

سید علامہ "اتحاف السادۃ المتقین" کی دسویں جلد میں اپنی اس معرکۃ الآرا کتاب کی توصیف فرماتے ہیں اور اس کی ان خوبیوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں، جو انسان کے اخلاق و اطوار کو ان بلندیوں تک پہونچانے میں معاون ہوئیں جو انسان کو راہ حق کی طرف گام زن کرتی ہیں۔ [2]

علامہ کی اِن دو ضخیم تصانیف (تاج العروس من شرح القاموس اور اتحاف السادۃ المتقین من شرح احیاء علوم الدین) کے علاوہ ان کی دوسری ضخیم تصنیفات، مختصر رسائل اور چھوٹے چھوٹے اجزاء کی تعداد ان کی بہت ساری اجازتوں کے باوجود سو۱۰۰ سے زیادہ ہے۔ اکثر اپنے مختصر ہونے کے باوجود نفع بخش اور مفید ہیں۔ ان کتابوں اور رسائل کی فہرست مندرجہ ذیل ہے: [3]

---

(مسلسل)
من الاعمال الصالحۃ والامور المھمۃ وقد دعا النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فاعلہ
بمساھمۃ المہتری۔

[1] اتحاف السادۃ المتقین: الجزء الاول

[2] ایضاً الجزء العاشر، صف ۳،۵

[3] بروکلمان، تاج العروس، الجبرتی، ترجمۃ فی ختام تاج العروس، الزرکلی، الاعلام: تیسرا اڈیشن، سرکیس: قاموس المطبوعات، نزھۃ الخواطر، ابجد العلوم، تحفۃ الفضلاء: عبدالشکور، فہرس الفہارس: الکتانی، معجم المؤلفین: عمر رضا کحالہ، قضاء الادب من ذکر علماء النحو و الادب: لنقدی، ذوالفقار احمد

۱۔ الابتہاج بختم صحیح مسلم بن الحجاج ۔ ک ۔ ن

۲۔ الابتہاج بذکر الحاج ۔ خ ش ع ۔ بذکر امر الحاج ۔ ص

۳۔ ابواب السعادہ وسلاسل السیادہ : سید احمد بن حسن عطاس علوی نے کہا کہ یہ ایک عظیم کتاب ہے۔ صوفیہ کے اکثر سلسلوں کی تفصیل مع ان کی سندوں کے اس میں موجود ہے ۔ انھوں نے اس کو سید عیدروس بن عمر حبشی اور سید صالح بن عبد اللہ العطاس سے روایت کیا ہے ۔ ان دونوں حضرات نے سید عبد الرحمٰن بن سلیمان الاہدل سے ، اور انھوں نے سید مرتضیٰ تک روایت کو متصل کیا ہے ( راغب الطباخ ، الانوار الجلیۃ فی مختصر الاثبات الحلیۃ ۴۲۲ ۔ ۴۲۳ )

۴۔ اتحاف الاخوان فی حکم الدخان ۔ خ ش ص

۵۔ اتحاف الاصفیاء بسلاسل الاولیاء ۔ خ ش ص ک ۔ فی سلاسل الاولیاء۔ ن

۶۔ اتحاف بنی الزمن فی حکم قہوۃ الیمن ۔ خ ش ص ع

۷۔ اتحاف السادۃ المتقین بشرح احیاء علوم الدین ۔ ز ع ن ۔ بیس جلدوں میں ۔ ش ۔ فاس میں ۱۳۰۲ ۔ ۱۳۰۴ھ میں ۱۳ جلدوں میں طبع ہوئی پھر میمنہ پریس میں ۱۳۱۱ھ میں ۱۰ جلدوں میں چھپی۔ س ۔م ۔ اس کے املا میں گیارہ سال لگے تھے ۔ بروز اتوار ۵ جمادی الثانی ۱۲۰۱ھ کو سویقہ لالا میں ان کے مکان پر مکمل ہوئی ( اتحاف السادۃ : ج ۱ ص ۲ ۔ ۵۷ )

۸۔ اتحاف سیدی الحی لسلاسل بنی طی ۔ ج خ ۔ صحیح "تسلاسل" ہے ۔ ش

۹۔ اتحاف الصفا فی صلوۃ صلوۃ المصطفیٰ ۔ ن

۱۰۔ اجازتہ لاھل الراشدیۃ ۔ ک

۱۱۔ اجازتہ لاھل قسنطینۃ ۔ چھوٹی جلد میں ہے ۔ ک ۔ ( قسنطینۃ ، بضم القاف وفتح السین وسکون النون وکسر الطاء وسکون الیاء وفتح النون ) یہ برِّ اعظم افریقہ کا ایک شہر ہے ۔ ( نون اول کی جگہ میم بھی پڑھا گیا ہے قسمطینۃ ) (مستدرک التاج : ج ۹ ص ۳۱۱ )

۱۲۔ اجازتہ لاولاد شیخہ الغربانی ۔ ک

۱۳۔ اجازتہ للدستور الاعظم ابی المظفر محمد باشا ۔ ص ۔ اس کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے : الحمدللہ الذی دل علی الخیرات ۔ (ابجد العلوم ص ۲۲۰)

۱۴۔ اجازتہ للسلطان ابی الفتح عبدالحمید خاں ۔ ص ۔ اس کی ابتدا ان الفاظ سے ہوتی ہے : الحمدللہ الذی رفع مقام اھل الحدیث مکاناً علیاً ... الخ اس کو انھوں نے ۱۰ شوال ۱۱۹۳ھ کو لکھا ہے ۔ نواب نے کہا ہے کہ انھوں نے اس اجازت کے ساتھ ساتھ سلطان کو اس کی مدح میں ایک قصیدہ کا بھی نذرانہ پیش کیا ۔ اس کا پہلا شعر ہے

سقی اللہ ربعًا کان لی فیہ مربعًا

وفغی بہ غصن الشبیبۃ أ ییغاً

متن اجازت کو دکتور محمد اسحاق صاحب نے نواب صاحب کے نسخہ سے نقل کر کے نشر کیا ہے، جس کو نواب صاحب نے اپنے بعض تذکرات میں نقل کیا ہے ۔ جو اس وقت دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے کتب خانہ میں موجود ہے ۔

۱۵۔ اجازتہ للنجیب ابی التسہیل کمال الدین احمد آفندی جو امام محمد آفندی کفوی کی اولاد میں ہیں ۔ اس کے ابتدائی کلمات یہ ہیں : احمد من سھل لکل نجیب احمد المعارف والأذواق ... الخ ۔ اس کا نسخہ برلن کے کتب خانہ میں ۲۸۴ نمبر پر موجود ہے ۔ (فہرس أھلوردت : ج ا ص ۸۹)

۱۶۔ الاحتفال بصوم السبت من شوال : خ ش ص ع

۱۷۔ اختصار مشیخۃ ابی عبداللہ البیانی : ک

۱۸۔ اربعون حدیثاً فی الرحمۃ : ک

۱۹۔ ارجوزۃ فی الفقہ : ج ۔ اس کو انھوں نے شیخ حسن بن عبداللطیف

الحسنیٰ کے نام سے نظم کیا ہے ۔ ع

۲۰۔ ارشاد الاخوان الی الاخلاق الحسان ۔ خ ع ش ۔ اس میں بیس اشعار ہیں ۔

۲۱۔ الازھار المتناثرہ فی الاحادیث المتواترہ ۔ خ ش ص ع ک ۔ نواب صدیق حسن خاں نے اس کا اختصار کیا ہے اور وہ ہندستان میں چھپا ہے ۔

۲۲۔ الاسانید (سندیں) ۔ ب ز ۔ صحاحِ ستہ کی اسانید ۔ برلن کے کتب خانہ میں ایک نسخہ جس کا نمبر 526 ' bq کے 1618 ہے ، جو ۱۱۹۰ھ/ ۱۷۷۶ء میں لکھا گیا ہے ۔ یہ حدیث مسلسل بالادلیۃ ، مسلسل بالمصافحہ مسلسل بالمشابکۃ ، مسلسل بالصوفیۃ (۳۱۳ ـ ۳۱۰) کی سندوں پر مشتمل ہے (فہارس اهلوردت : ج ۳ ـ ۴ ـ ۱۸۸۹ء)

۲۳۔ اسانید شیخہ القطب العیدروس المسمی بالنفحۃ القدوسیۃ ۔ ک

۲۴۔ اسعاف الاشراف ۔ مقامۃ ۔ ج ع

۲۵۔ الاسعاف بالحدیث المسلسل بالأشراف ۔ ک ۔ یعنی لا الٰہ الا اللہ کی حدیث

۲۶۔ اعلام الاعلام بمناسک حج بیت اللہ الحرام ۔ ج ش ۔ بمناسب (؟) خ

۲۷۔ اقرار العین بذکر اولاد الحسن والحسین : ن ۔ بذکر من نسب إلی ۔ خ ش ص ع

۲۸۔ اِکلیل الجواہر الغالیۃ فی روایۃ الاحادیث العالیۃ ۔ ک ۔ فی روایۃ الحدیث ..... (؟) ۔ ن

۲۹۔ الغیۃ السند : ب ج خ ز ش ص ع ۔ ایک ہزار پانچ سو اشعار پر مشتمل ہے ۔ اور اس کی شرح دس کاپیوں میں ہے جس کی تالیف انھوں نے ۱۱۹۸ھ میں کی ۔ ک

۳۰۔ الامالی الحنفیۃ : خ ش ۔ دو جلدوں میں ہے ۔ ک ۔ ایک جلد میں ہے ۔ ص

۳۱ الامالی الشیخونیة ۔ خ ش ص ۔ دو جلدوں میں ہے۔ ک ۔ مؤلف کی تحریر والا نسخہ جس پر ۱۱۹۰ھ / ۷۷-۱۷۷۶ء کی تاریخ پڑی ہے۔ وہ برلن کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ (اس کا نمبر ہے ۱۰۲۵۳) سب سے آخر میں انھوں نے جو حدیث املا کرائی ہے وہ یہ ہے کہ آپؐ نے فرمایا: ان ربنا لیعجب من عبدہ اذا قال اغفرلی ذنوبی قال علم عبدی لا یغفر الذنوب غیری.
مدت املا ۱۱۸۹ھ سے ۱۱۹۰ھ تک ہے (فہرس اھلوردت: ج ۹ ص ۵۸)

۳۲ إنالۃ المنی فی سر الکنی : خ ش ص ع (مصحفاً)

۳۳ الانتصار لوالدی النبی المختار : ج ع

۳۴ انجاز وعد السائل فی شرح حدیث أم زرع من الشمائل ۔ آٹھ کاپیوں میں ہے ۔ ک ۔ شرح حدیث أم زرع ۔ خ ۔ سات یا اس سے زاید کاپیاں ہیں جو انھوں نے چودہ مجلسوں میں املا کرائیں ۔ طلبہ نے اس کو نقل کیا ۔ اور وہ ان کے درمیان مشہور ہوئیں ۔ ص (ابجد العلوم ۷۱۸)
اتفاق یہ کہ ان املاءات کی مجالس میں علامہ مرتضیٰ قطب شمس الدین ابی محمود الحنفی کی قیام گاہ پر تھے ۔

۳۵ ایضاح المدارک من نسب العواتک : خ ش ص ۔ فی الافصاح عن العواتک ۔ ب ز ع ۔ یہ ایک چھوٹا رسالہ ہے ۔ اس کا نسخہ کتانی کے پاس ہے ۔

۳۶ بذل المجهود فی تخریج حدیث شیبتنی هود : ج خ ۔ اس کا نسخہ بھی کتانی کے پاس ہے ۔

۳۷ برنامجہ لابن أخیہ السید باسط علی : ص ۔ اس سے مختصر فوائد انھوں نے نقل کیے ہیں (ابجد العلوم : ص ۷۲۱، ۷۲۲) انھوں نے کہا کہ وہ برنامج جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس پر ان کے مبارک قلم کی تحریر موجود ہے ۔ اس کی تاریخ ہے ۱۲۰۰ھ

۳۸ بلغۃ الغریب فی مصطلح آثار الحبیب۔ ۲۰ ربیع الآخر ۱۱۶۴ھ میں اس کی تالیف کی۔ (منہج الوصول ۲۰۷، ۲۰۸) (مصحفاً) بلغۃ الأریب: ج ک م۔ مصر میں ۱۳۲۶ھ میں طبع ہوئی۔ ش

۳۹ تاج العروس فی شرح القاموس۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے آسمان کے جگر میں سورج ہو۔ یہیں سے بعض حضرات نے صرف یہ ذکر کیا ہے: ز ص۔ (البلغۃ فی اصول اللغۃ ۸۵۔ ۸۶، منہج الوصول ۲۰۷۔ ۲۰۸) ع م ن۔
وصبیہ نے صرف عین تک کی پانچ جلدیں (۱۲۸۶-۱۲۸۷ھ میں) طبع کی ہیں اس کے بعد مطبع خیریہ نے مکمل ۱۳۰۶ھ میں دس جلدوں میں چھاپی ہے۔

۴۰ تبصیر المنتبہ بتحریر المشتبہ: ب میرا خیال ہے کہ تبصیر المنتبہ بتحریر المشتبہ للحافظ ابن حجر العسقلانی کے نسخہ پر انھوں نے ان کی تحریر پائی ہوگی لہذا ان کی طرف غلط نسبت کر دی۔ میرے علم میں نہیں ہے کہ انہوں نے صحیح معنی میں کوئی ایسی کتاب تصنیف کی ہو جس کا نام حافظ سے مستعار لیا ہو۔

۴۱ التعبیر فی الحدیث المسلسل بالتکبیر۔ خ ش ص ع ک

۴۲ تحفۃ العید۔ کا بیوں میں ہے۔ خ ش ص (مصحفاً) ع

۴۳ تحفۃ القماعیل فی مدح سید العرب إسماعیل: ز۔ اس کا نسخہ خدیویہ میں مؤلف کی تحریر میں موجود ہے۔ اور ایک ایسا مقامہ ہے اس سے ایک قصیدہ میمیہ بھی ملا ہوا ہے۔ اس کو انھوں نے ابی المجاہد مجد الدین اسماعیل بن عبد اللہ بن ہمام الہواری الرعینی الحمیری کی مدح میں لکھا ہے اس کی تالیف سے ۱۱۸۴ھ میں فارغ ہوئے (فہرس الخدیویہ: ج ۴ ص ۲۱۴) یہ نام انھوں نے مجد سے مستعار لیا ہے۔ انھوں نے نام رکھا ہے (تحفۃ القماعیل فیمن تسمی باسماعیل من الملائکۃ) (شاید صحیح من الملوک ہے) تاج العروس ج ۸ ص ۸۸ قمعل

۴۴۔ تحفۃ الودود فی ختم سنن ابی داؤد : ک

۴۵۔ تحقیق الوسایل لمعرفۃ المکاتبات والرسایل : ب ز

۴۶۔ تخریج احادیث اربعین النوریہ : ک

۴۷۔ تخریج حدیث شیبتنی ھود : ش ص ع ( دیکھیے نمبر ۳۶ )

۴۸۔ ترویج القلوب بذکر ملوک بنی ایوب : ج خ ز ۔ فی ذکر ۔ ش

۴۹۔ تخریج حدیث نعم الأدام الخل : ج خ ش ص ع

۵۰۔ التعریف بضروری علم التصریف : خ ش ص ع

۵۱۔ تعلیق السرج علی الدرج : ت ( ج ۱، ص ۱۱۳ خشمی )

۵۲۔ التعلیقۃ الجلیلۃ بتعلیق مسلسلات ابن عقیلہ : ک ۔ یہ ابن عقیلہ کے مسلسلات پر ایک حاشیہ ہے ۔ ج

۵۳۔ التغرید فی الحدیث المسلسل بیوم العید : ک ۔ دیکھیے تحفۃ العید کا لفظ تو نہیں ہے ( نمبر ۴۳ پر )

۵۴۔ التفتیش فی معنی لفظ الدرویش : ج خ ش ع ؛ ت ( الدرشتہ بالضم اللجاجۃ ) صاغانی نے اس کو نقل کیا ہے ۔ میں کہتا ہوں کہ اگر یہ لفظ عربی ہے تو اسی سے درویش مشتق ہے ۔ زاہد و پرہیز گار کے معنی میں ۔ عربوں نے اخیر دور میں اس کلمہ کا استعمال کیا ہے ۔ لیکن میرا ظن غالب یہ ہے کہ یہ کلمہ فارسی ہے ۔ مجھ سے اس کے بارے میں پوچھا گیا تھا تو میں نے اس پر ایک مستقل رسالہ لکھا تھا ۔ ( ج ع ص ۳۱۰ درش )

۵۵۔ تفسیر سورۃ یونس ۔ مستقل ہے : ج ۔ تفسیر سورۃ یونس علی لسان القوم : خ ش ص ع ۔ تفسیر سورۃ یونس فی الأمالی الخفی ( کذا ) ن

۵۶۔ تکملۃ علی شرح حزب البکری ۔ پہلا حصہ فاکہی کا ہے ۔ تکمیل شیخ احمد بکری نے کی ہے ۔

۵۷۔ تکملۃ القاموس مما فاتہ فی اللغۃ : خ ش ع ۔ تکملہ ، صلہ اور ضمیمہ دو ضخیم

جلدوں میں ہے ۔ ز ۔ میرے خیال میں شاید تاج میں جو بہت ساری مستدرکات ہیں یہ ان کے علاوہ ہیں۔

۵۸ تنبیہ العارف البصیر علی اسرار الحزب الکبیر : ب خ ز ص ع ۔ طبقۃ السعادۃ ۱۳۳۳ھ ۔ س

۵۹ تنسیق قلائد المتن فی تحقیق کلام الشاذلی أبی الحسن : ج ع (مصحفاً)

۶۰ جذوۃ الاقتباس فی نسب ابن عباس ۔ اس کی تالیف ۱۱۸۲ھ/۱۷۶۸ء میں ہوئی ۔ ب ۔ فی نسب بنی عباس ۔ ز

۶۱ جزء طریق اسمع یسمع لک : ک ۔ اس کا بھی ان کے پاس ایک ایسا نسخہ موجود ہے جس پر مؤلف کی تحریر موجود ہے ۔

۶۲ جزء فی حدیث نعم الأدام الخل : ک ۔ اس کا بھی ایک ایسا نسخہ ان کے پاس ہے جس پر مؤلف کی تحریر موجود ہے (نمبر ۴۸۷)

۶۳ الجواہر المنیفۃ فی اصول أدلۃ مذہب الامام أبی حنیفۃ : ک ۔ فی أدلۃ ۔ ج ش ۔ الجواہر المنیفۃ (فقط) خ ۔ عقد والجواہر ... ز ۔ بہت عام ایڈیشن ہے ۔ (استنبول ۔ اسکندریہ ۱۲۹۲ھ ، القاہرہ ۱۳۰۹ھ) س شیخ عابد سندھی نے کہا ہے کہ الجواہر المنیفۃ علامہ سید ابی الفیض محمد مرتضیٰ حسینی ہندی کی تالیف ہے جو مصر میں مقیم ہیں ۔ میں اس کو سید عبدالرحمٰن (بن) سلیمان بن یحییٰ بن عمر مقبول الاہول أبقاہ اللہ تعالیٰ سے اور وہ اس کے مؤلف سے ، روایت کرتا ہوں ، اور ان کو روایت کی بھی عام اجازت حاصل تھی ۔ (حصر الشارد (مخطوطہ) نمبر ۱۱۳/۱۹۴۔ عبدالحی صاحب کا کتب خانہ جو جامعہ میں موجود ہے ، اس میں یہ کتاب ہے) تاج میں عبدالرحمٰن الاہول کی جو سوانح نواب کے عنوان سے لکھی گئی ہے اس کو بھی دیکھ لیجئے ۔ (نمبر ۱۵ ص ۴۸۴ ۔ ۴۹۰)

۶۴ حدیقۃ الصفا فی والدی المصطفیٰ ۔ شیخ حسن مدابغی نے اس پر تبصرہ کیا ہے

ج ع - حدیقۃ الضیاء فی الدین المصطفی (؟) ن - یہ بھی دیکھئے کہ کیا یہ دونوں الگ الگ کتابیں ہیں۔ (رقم ۳۳)

۶۵ حسن المحاضرۃ فی آداب البحث والمناظرۃ : خ ش ص ع

۶۶ حکمۃ الاشراق الی کتاب الآفاق - ب ج خ ز ش - استاذ عبدالسلام ہارون نے نوادر المخطوطات کے پانچویں نسخے میں اس کو نشر کیا ہے۔ (قاہرہ ۱۹۵۴ء)

۶۷ حلاوۃ الفانید فی ارسال حلاوۃ الاسانید : ک - لفظ (الفانید) اکثر اہلِ لغت نے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔ مرتضیٰ صاحب نے اس کو مجد پر استدراک کرتے ہوئے "فانید" ہی دال مہملہ ہی کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ پھر انھوں نے ذال معجمہ پر رکھا ہے کہ لوگ فانید بالدال کہہ کر گذر جاتے ہیں۔ جلال نے اپنی کتاب کا نام رکھا ہے "الفانید فی حلاوۃ الاسانید" یہ ہمارے شیخ نے کہا ہے (تاج العروس ج ۲ ص ۴۷۵) میں کہتا ہوں کہ رسالۃ الفانید، سیوطی کی ہے۔ امام ابوحنیفہ کی ان مرویات کے سلسلہ میں جو انھوں نے حضرت امام مالک بن انس سے کی ہیں۔ (تدریب الراوی : ص ۲۰) برلن کے کتب خانہ میں اس کا ایک قلمی نسخہ موجود ہے (نمبر ۴ ہے۔ ۱۴۱۳) (فہرس اہلوردت : ج ۳ ص ۱۹۲) شاید علامہ مرتضیٰ نے اسی پر اپنے اس رسالہ کی بنیاد رکھی ہے۔

۶۸ در الفرع فی حدیث أم زرع (کذا)۔ ع - اور شاید یہ وہی ہے جو پہلے گذر چکی ہے (نمبر ۳۴)

۶۹ الدرۃ المضئیۃ فی الوصیۃ المرضیۃ : (کذا)، خ ش ص - ایک سو بیس[120] اشعار پر مشتمل ہے - ع - الدرۃ الحنفیۃ فی الوصیۃ المرضیۃ (؟) ن - وہ دو قصیدے جو آیندہ پیش کیے جائیں گے، ان میں سے

ایک یہ بھی ہے۔

۷۰۔ دلائل القرب (۹۸ نمبر دیکھئے)

۷۱۔ رسالۃ فی احادیث تتعلق بفضل یوم عاشوراء: وہ کہتے ہیں کہ یہ ایسا جزء ہے جس میں میں نے یوم عاشوراء کے سلسلے کی ساری احادیث جمع کر دی ہیں۔ حافظ منذری نے جو احادیث اپنے جزء میں، اور حافظ ابو بکر خطیب نے اپنے املاءات میں، اور ابو داؤد الطیالسی نے اپنے مسند میں، جن احادیث کا ذکر کیا ہے، وہ ساری احادیث میں نے اس جزء میں شامل کر دی ہیں۔ اور اس کے علاوہ اور بھی احادیث ہیں۔ خدیویہ میں مؤلف کا قلمی نسخہ موجود ہے (فہرس الخدیویہ: ج ۷، ص ۲۰۹)

۷۲۔ رسالۃ فی اصول الحدیث: خ ش ص ع۔ شاید یہ "بلغہ" کے علاوہ ہے۔

۷۳۔ رسالۃ فی اصول المعمی: خ ش ع

۷۴۔ رسالۃ فی تحقیق قول ابی الحسن الشاذلی لیس من الکرم الخ: ج۔ (شاذلی کا یہ قول کہ یہ کرم میں سے نہیں ہے کہ أن لاتحسن إلالمن أحسن الیک الخ وھو فی الحزب الکبیر۔ شیخ عارف باللہ سید عبدالعزیز الدباغ کے واسطہ سے جو انھوں نے تفسیر لکھی ہے اس کو دیکھئے۔ کتاب الابریز۔ یہ شیخ احمد بن مبارک السجلماسی کی تالیف ہے (ص ۲۷۱، ساتواں باب)

۷۵۔ رسالۃ فی تحقیق لفظ الاجازۃ: ک۔ میں کہتا ہوں کہ انھوں نے تاج میں اس لفظ کے بارے میں بہت قیمتی فوائد اور بہترین معلومات لکھی ہیں۔ اور کہا ہے کہ مجھے پتہ چلا کہ بعض علماء اسی شخص کو اجازت دیتے ہیں جس کی مہارت و قابلیت کا انھیں اندازہ ہوجاتا ہے

اس سے پوچھتے ہیں کہ لفظ اجازۃ کیا ہے ؟ اس کی تعریف ، اس کی حقیقت اور معنی کیا ہیں؟ مجھ سے اسکے بارے میں ۱۱۶۸ھ میں پوچھا گیا میں رشید کے حدود میں تھا میں نے اس کی تعریف، حقیقت اور معنی کے سلسلے میں پورا ایک رسالہ تالیف کر دیا ذہن میں اس وقت کچھ بھی یاد نہیں ہے۔ واللہ اعلم (تاج العروس : ج ۴ ص ۲۱۔ ۲۲)

۷۶۔ رسالۃ فی تحقیق لفظ (فوۃ) یہ رشید کے قریب ہی واقع ہے۔ میں وہاں گیا ہوں۔ اور میں نے اس لفظ کی تحقیق میں اور وہاں جو صلحاء و محدثین گئے اور جو خود وہیں پیدا ہوئے ان کے بارے میں ایک بڑا اور قیمتی رسالہ لکھا ہے (تاج العروس : ج ۱۰ ص ۲۸۵) وہاں کے ان کے شیوخ میں سے محمد بن منصور بن ھدیۃ الفوی ہیں، وہ کہتے ہیں کہ انھوں نے اپنے شہر ہی میں روایتیں بیان کی تھیں۔ وہ بہت ہی نفع بخش تھے، ان کی وفات ۱۱۸۲ھ میں، غالب گمان ہے کہ ان کے شہر ہی میں، ہوئی۔ (تاج العروس : ج ۱۰ ص ۴۰۸) پھر انھوں نے مستدرک التاج میں لکھا ہے۔ فوۃ بالفتح ، یہ بصرہ کا ایک گاؤں ہے۔ ابن سمعانی کے واسطہ سے اور ابوالحسن علی بن محمد بن احمد ابن بدران الفوی البصری ، جو خطیب بغدادی کے شیوخ میں ہیں، یہیں کے تھے۔ رسالہ مذکورہ میں میں نے بیان کیا ہے کہ اس سلسلہ میں صحیح یہ ہے کہ وہ فوۃ مصر کے تھے جو بالضم ہے۔ وہ بصرہ میں قیام پذیر ہو گئے تھے۔ اس لیے ابن سمعانی کو اشتباہ ہو گیا ....

۷۷۔ رسالۃ فی ترجمۃ أویس القرنی : کہتے ہیں کہ میں نے ان کی سوانح میں ایک مستقل رسالہ لکھا ہے۔ یہ حضرت علی رضؓ کے ساتھ جنگ صفین میں قتل ہوئے جیسا کہ ابن حبیب نے عقلاء المجانین میں ذکر کیا ہے۔

اور اسی طرح جوانی نسابہ کی کتاب المقدمۃ الفاضلیۃ میں بھی مذکور ہے (تاج العروس : ج ۴ ص ۱۰۲ أوس)

۷۸۔ رسالۃ فی طبقات الحفاظ : ج ع ک
۷۹۔ رسالۃ فی المناشی والصفین : (کذا)۔ ج
۸۰۔ رشف سلاف الرحیق فی نسب حضرۃ الصدیق : ج خ ش ع
۸۱۔ رشفۃ المدام المختوم البکری من صفوۃ زلال صیغ القطب البکری : ج ع
۸۲۔ رفع الاشتباہ عن مناقب بسم اللہ : ل
۸۳۔ رفع الشکوی لعالم السر والنجوی : ج ز
۸۴۔ رفع الکلل عن العلل : ج خ ش ص۔ یہ چالیس حدیثوں کا مجموعہ ہے جس کو انھوں نے دارقطنی سے منتخب کیا ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ اس میں کلام بھی کیا ہے۔
۸۵۔ رفع نقاب الخفاء عمن انتسب إلی وفاء أبی الوفا، : (کذا) ج ع ، وفا وابی الوفاء ۔ خ ش
۸۶۔ الروض المعطار فی نسب السید جعفر الطیار : ب ۔ السادات آل جعفر۔ زم۔
۸۷۔ الروض المؤتلف ۔ (کذا)، فی تخریج حدیث یحمل ھذا العلم من کل خلف : ک
۸۸۔ زھر الأکمام المنشق عن جیوب الالھام بشرح صیغتی سیدی عبد السلام : ج ع ۔ شاید اس سے قطب کامل عبد السلام بن مشیش مراد ہیں۔ ان کے کچھ اقوال وملفوظات ہیں۔ لوگوں نے اس کی تفسیر کی ہے۔ بعض کلمات کی تفسیر کے لیے جو قطب سید عبد العزیز الدباغ کے حوالے سے نقل کی گئی ہے کتاب الابریز (ص ۲۶۲) دیکھیے۔
۸۹۔ سفینۃ النجاۃ المحتویۃ علی البضاعۃ المزجاۃ من الفوائد المنتقاۃ : الخیص

کی تحریر میں ہے : ب ز

۹۰۔ شجرۃ الانساب : ت ( تاج : ج ۲ ص ۳۶۸ )

۹۱۔ شرح الاحیاء الغزالی : خ ( دیکھیے نمبر ۷ )

۹۲۔ شرح الفیتہ السند : ع ( دیکھیے نمبر ۲۹ )

۹۳۔ شرح حدیث ام زرع : خ ( دیکھیے نمبر ۳۴ ، ۶۸ ) تاویل حدیث ام زرع علی طریقۃ التصوف۔ ان کو اس کا قلمی نسخہ مل گیا اور اس کو نقوی صاحب نے کتاب المبتکر فی المؤنث والمذکر میں نقل کیا ہے : ل۔

۹۴۔ شرح حزب البر للشاذلی : ج خ ( دیکھیے نمبر ۵۸ )

۹۵۔ شرح خطبۃ الشیخ محمد البحیری البرہانی علی تفسیر سورۃ یونس : ج

۹۶ شرح الصدر فی اسماء أھل البدر : خ ش ع .... فی شرح اسماء اہل بدر۔ اس کی تالیف لعلی آفندی درویش نے کی ہے : ج۔ چالیس کابیوں میں ہے۔ ک

۹۷۔ شرح ثلاث صیغ لابی الحسن البکری : خ ش ص ع ( مصحفاً )

۹۸۔ شرح سبع صیغ۔ جو دلائل القرب کے نام سے مشہور ہے۔ للسید مصطفیٰ البکری : خ ش ص ع ( دیکھیے نمبر ۷۰ )

۹۹۔ شرح صیغۃ ابن مشیش : خ ش ص ع ( دیکھیے نمبر ۸۸ )

۱۰۰۔ شرح صیغۃ السید البدوی : خ ش ص ع

۱۰۱۔ العروس المجلیۃ فی طرق حدیث الاولیۃ : ( کذا ) خ ش ع ک

۱۰۲۔ العقد الثمین الغال فی ذکر اشیاخ ذوی الافضال : ب ( منظوم )

۱۰۳۔ العقد الثمین فی طرق الإلباس والتلقین : ج خ ش ص ع۔ انھوں نے أبی الحسن شاذلی کی سوانح اور ان کے سلسلہ کے بیان میں یہ کہا ہے کہ اس سلسلہ کی سند اور اس کے تسلسل کی کیفیت اوپر تک جاتی ہے جس کو ہم

نے اپنی کتاب العقد الثمین اور اتحاف الاصفیاء وغیرہ دیگر رسایل میں بیان کیا ہے ( تاج العروس : ج ، ص ۳۸۸ ـ ۳۸۹ ) پھر ابی البیان بیان محمد بن محفوظ بن احمد القرشی الاقسقی الزاہد شیخ البیائین کی سوانح میں ذکر کیا ہے کہ ابو الفتح طاؤسی نے رسالۃ الحزن میں ان کا تذکرہ کیا ہے اور ان کو قطب العارفین کے لقب سے یاد کیا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عیاناً دیکھا ہے۔ آپ نے ان کو خرقہ شریفہ پہنایا عصر کے بعد۔ یہ پہن کر وہ لوگوں کے سامنے آئے۔ اور لوگوں نے ان کو اس حال میں دیکھا۔ اور ان کی طرف الخرقۃ البائیہ والبیانیہ منسوب کر دیا۔ حافظ نے کہا ہے کہ ۵۵۱ھ میں ان کی وفات ہوئی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ طاؤسی نے اپنے خرقہ پہننے کی سند بھی ذکر کی ہے تو کہا ہے کہ میں نے اس کو شیخ عبد الرحیم بن عبد الکریم الجرھمی کے ہاتھوں سے انھوں نے قاضی القضاۃ کمال الدین محمد بن احمد ابن عبد العزیز القرشی سے اور انھوں نے عزیز بن جماعۃ سے اور انھوں نے اپنے والد سے، انھوں نے اپنے دادا برہان ابراہیم بن عبد الرحمن سے اور انھوں نے اپنے چچا ابی الفتح نصر اللہ بن جماعۃ سے اور انھوں نے قطب الوقت ابی عبد اللہ بن فرات سے پہنا ہے۔ ہم نے اس کو اپنی کتاب العقد الثمین اور اتحاف الاصفیاء میں ذکر کیا ہے۔ اور ہم نے اپنی سند مذکور طاؤسی تک پہونچایا ہے۔ ( تاج العروس : ج ۱۰ ص ۲۲۵ ، ج ۹ ص ۱۵۲ ) اور کہیں اس کتاب کا نام عقد الجوھر الثمین لیا گیا ہے۔ اور یہ صادق ابو محمد منصور بن مظفر بن محمد بن طاہر العمری کی سوانح میں لکھا ہے۔ کہتے ہیں کہ سلسلۂ صادقیہ میں ہیں انھیں کی طرف منسوب ہوں۔ ہم نے اس کو عقد الجوہر الثمین میں ذکر کیا ہے ( مستدرک التاج : ج ۶ ص ۷۰ )

۱۰۴ العقد الثمین فی حدیث اطلبوا العلم و لو کان بالصین : ک

۱۰۵ عقد الجمان : ب

۱۰۶ عقد الجمان فی احادیث الجان : ک

۱۰۷ عقد الجمان فی شعب الایمان : زع ن ۔ نواب صدیق حسن خاں صاحب کے پاس اس کا ایک نسخہ تھا (سلسلۃ العسجد : ص ۸۷) اس وقت ندوۃ العلماء لکھنؤ کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ مؤلف اس کی تالیف سے ۶ محرم ۱۱۵۹ھ میں داؤدیہ مصر میں فارغ ہوئے۔

۱۰۸ عقد الجمان المنتظم فی ذکر امہات النبی صلی اللہ علیہ وسلم : ن

۱۰۹ عقد الجوہر الثمین فی الحدیث المسلسل بالمحمدین : ک

۱۱۰ عقد الجواہر الثمین فی تخریج حدیث اطلبوا العلم ولو کان بالصین : ن (۱۰۴ نمبر پر اس کا ذکر گذر چکا ہے)

۱۱۱ عقد اللآلی المتناثرۃ فی حفظ الاحادیث المتواترۃ : ب ز

۱۱۲ العقد المکلل بالجوہر الثمین فی طرق الالباس والذکر والتلقین : ب ک ۔ (نمبر ۱۰۳ دیکھیے)

۱۱۳ العقد المنظم فی امہات النبی صلے اللہ علیہ وسلم : خ ش (۱۰۸ نمبر پر اس کا ذکر گذر چکا ہے)

۱۱۴ عقود الجواہر المنیفۃ ۱۱۹۷ھ کا نسخہ ہے (مکتب شیخ الاسلام عارف حکمت نمبر ہے ۱۸۴) حدیث ۔ عمر رضا کحالہ صاحب نے مجلہ "مجمع اللغۃ العربیۃ" دمشق میں اس کا ذکر کیا ہے (ج ۴۸ ص ۸۷) ۶۳ نمبر پر اس کا ذکر گذر چکا ہے۔

۱۱۵ عقیلۃ الاتراب فی سند الطریقۃ والاحزاب : ک ۔ شیخ عبدالوہاب شربینی کے لیے اس کی تالیف کی ۔ ج ۔

۱۱۶ غایۃ الابتہاج لمقتفی اسانید مسلم بن الحجاج : ب ز (نمبر ا پر جس کا ذکر چکا

گذرچکاہے وہ شاید یہی ہے )

۱۱۷۔ الفجر البابلی فی ترجمة البابلی (کذا) : ک

۱۱۸۔ الفوائد الجلیلة علی مسلسلات ابن عقیلہ : خ ش (۵۲ نمبر پر جو تعلیقہ گذر چکاہے وہ یہی ہے )

۱۱۹۔ الفیض الجاری فی أسانید البخاری : ن

۱۲۰۔ الفیوضات العلیة بما فی سورة الرحمٰن من اسرار الصیغة الالٰهیة : (اسی طرح ہے ۔ کذا) خ ش ۔ العلمیة ۔ ص

۱۲۱۔ قلنسوة التاج فی بعض احادیث صاحب الاسراء والمعراج : ک شیخ محمد بن بدیر مقدسی کے نام سے اس کی تالیف کی ۔ ج ۔ میں کہتا ہوں کہ اس کو ۱۱۸۲ھ / ۱۷۶۸ء میں تالیف کی ہے ۔ برلن کے کتب خانہ میں ۲۹۲ نمبر پر یہ نسخہ موجود ہے ۔ (فہرستہ اھلوردت : ج ۱ ۔ ۲ ۔ )

۱۲۲۔ القول الاسد فی حکم الاستمناء بالید : کہتے ہیں کہ میں نے اس میں اپنے ائمۂ فقہ کے نقول جمع کیے ہیں ۔ اپنے موضوع پر بہت قیمتی کتاب ہے (تاج العروس : ج ۳ ص ۴۵۲ ۔ "جلد عمیرة" عمر )

۱۲۳۔ القول الصحیح فی مراتب التعدیل والتجریح : خ ش ص ع

۱۲۴۔ القول المتبوت فی تحقیق لفظ التابوت : ج خ ش ۔ المتبوت ۔ ص ۔ کہتے ہیں کہ مجھ سے میرے بعض دوستوں نے لفظ تابوت کی تحقیق اور اس کا اشتقاق ، اصل اور وزن اور معنی دریافت کیا ۔ تو میں نے ان حروف اور کلمات کو لکھ دیا ۔ منگل کے دن ۱۴ ر ذی الحجہ ۱۱۹۱ھ کو اس کی تالیف سے فارغ ہوئے ۔ خدیویة میں اس کا نسخہ موجود ہے ۔ ( فہرس الخدیویة : ج ۴ ص ۱۷۹ )

۱۲۵۔ القول المتبوت فی تحقیق لفظ یاقوت : خ ۔ المتبوت : ش ع

۱۲۶۔ القول المسموع فی الفرق بین الکوع والکرسوع : ع ۔ نواب صاحب

کے پاس ایک نسخہ ہے۔ (سلسلۃ العسجد : ۹۰) اس وقت یہ نسخہ ندوۃ العلماء کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ بعض لوگوں کی درخواست پر انھوں نے ربیع الاول ۱۱۹۰ھ میں اس کی تالیف کی۔

۱۲۷ الکاملی فیمن روی عن البابلی ۔ (کذا) : ک

۱۲۸ کتاب الرجاء والخوف من المنجیات : ن

۱۲۹ کشف الغطاء عن الصلوٰۃ الوسطیٰ : خ ش ص۔ کشف المغطی : ع ن۔ گویا کہ انھوں نے اس میں شرف دمیاطی کی تالیف پر بنیاد رکھی ہے۔

۱۳۰ کشف اللثام عن آداب الایمان والاسلام : ج ز ع

۱۳۱ لقطۃ العجلان فی لیس فی الإمکان أبدع مما کان : خ ش ص۔ فیمالیس : ع ۔ میں کہتا ہوں کہ یہ فقرہ حجۃ الاسلام امام غزالی کی طرف منسوب ہے۔ اور امام غزالی نے اس پر اپنی کتاب احیاء العلوم کے کتاب المتوکل میں اور جواہر القرآن اور اجوبۃ المسکتۃ اور مقاصد الفلاسفۃ میں بڑی اچھی بحث کی ہے۔ اس سے بہت سے مباحثے پیدا ہو گئے۔ کچھ لوگوں نے تو امام غزالی کی تائید کی اور کچھ لوگوں نے ان پر نقد کیا۔ ابی العباس ناصر الدین بن المنیر الاسکندری المالکی کی کتاب ایضاء المتلالی فی تعقب الاحیاء للغزالی ہے۔ انھوں نے اپنے اس رسالہ میں امام غزالی کی رائے پر نقد کیا ہے۔ اور اس نقد میں ابوبکر بن اسوبی اور ابو عبداللہ قرطبی اور ان جیسے لوگوں کی پیروی کی ہے۔ اور سید سمہودی کی کتاب ہے ایضاح البیان لمن آراء الحجۃ من لیس فی الامکان أبدع مما کان، اس میں انھوں نے امام غزالی کی تائید کی ہے اور ابن منیر کی پرزور تردید کی ہے۔ بقاعی برہان الدین کی کتاب دلالۃ البرھان علی أن لیس فی الإمکان أبدع مما کان ہے اور جلال السیوطی کا رسالہ ہے

تشیید الأرکان لمسئلة لیس فی الامکان أبدع مما کان۔ ان لوگوں نے اپنے ان رسایل میں کبھی تو امام غزالی کی طرف سے جواب دینے کی کوشش کی ہے یعنی ان کی تائید کی ہے اور کبھی ان پر نقد بھی کیا ہے۔ اس سلسلہ میں شیخ احمد بن مبارک نے بعض فصول میں بہت اچھا مواد جمع کر دیا ہے۔ ان کی رائے یہ ہے کہ یہ اور اس جیسی رائیں اور اقوال امام غزالی رح کی طرف گڑھ کر منسوب کر دیئے گئے ہیں۔ اس پر انھوں نے بڑے زبردست دلایل دیئے ہیں۔

(کتاب الابریز: ص ۲۷۰۔۲۹۶) انھیں کی پیروی ہمارے علامہ مرتضیٰ زبیدی نے بھی اپنے رسالہ میں کی ہے۔ لیکن ان کی بھی رائے واضح نہیں ہے۔ مجھے ان کا نظریہ واضح طور پر سمجھ میں نہیں آیا۔

۱۳۲ لقط اللآلی من الجوهر العالی : ج ش۔ یہ استاذ المفتی کی سندیں ہیں : خ۔

۱۳۳ مجالس الشیخونیة : ع۔ (۱۳ نمبر پر اس کا ذکر گذر چکا ہے)

۱۳۴ مختصر العین : فن لغت میں خلیل بن احمد کی طرف جو کتاب العین منسوب ہے یہ اس کا اختصار ہے۔ ز۔ اس پر اعتماد کیا گیا ہے۔

۱۳۵ المربی الکابلی فیمن روی عن الشمس البابلی : ب ج۔ (۱۲۷ نمبر پر اس کا ذکر گذر چکا ہے) بابلی بابل کی طرف نسبت ہے۔ مؤلف کہتے ہیں کہ منوفیہ کے مضافات میں مصر کا ایک گاؤں ہے۔ سلیمان بن عبد الدائم الشافعی (متوفی ۱۲۰۶ھ) اور ان کے بھانجے امام حافظ شمس محمد بن علاء الدین شافعی جن کی ولادت ۱۰۰۰ھ میں اور وفات ۱۰۷۷ھ میں ہوئی، یہیں کے تھے۔ آگے مؤلف کہتے ہیں۔ میں نے ان کے شیوخ اور تلامذہ کے بارے میں ایک بہترین رسالہ لکھا ہے اس کا نام المربی الکابلی رکھا ہے

اپنے موضوع پر بہت مفید اور نفع بخش ہے ( تاج العروس : ج ،ص ،،، بابل )

۱۳۶ـ المرتضویة فی المسلسل بالأولیة : ( کذا ) : ن

۱۳۷ـ المرقاة العلیة فی شرح الحدیث المسلسل بالأولیة : ت ( ج ۴ ،ص ۴۲، سجز ) خ ص ع ک ۔ بشرح الحدیث ۔ تاج العروس میں مادہ "جوز" میں انھوں نے یہ بحث کی ہے ۔

۱۳۸ـ مزیل نقاب الخفاء عن کنی ساداتنا بنی الوفا : ب ز ۔ اس کی تالیف ۱۱۸۷ھ مطابق ۱۷۷۳ء میں انھوں نے کی

۱۳۹ـ مسلسلات : ب

۱۴۰ـ المشجرات : ذی الدمقہ کی سوانح میں اس کا ذکر کیا ہے ( تاج العروس : ج ۵ ص ۲۳۲ ) اس کا ذکر ۹۰ نمبر پر گذر چکا ہے ۔

۱۴۱ـ معارف الابرار فیما لکنی والالقاب من الاسرار : خ ش ص

۱۴۲ـ معجم شیوخ شیخ السجادة الوفائیة : ک

۱۴۳ـ معجم شیوخ العلامة عبد الرحمٰن الأجهودی شیخ القراء بمصر : ک

۱۴۴ـ المعجم الصغیر : ک ۔ اس کو انھوں نے فہرس الفہارس میں پورے طور پر منتقل کر دیا ہے ، یعنی پورا اس میں نقل کر دیا ہے ۔

۱۴۵ـ المعجم المختص : ک ( یا معجم الاکبر بلکہ وہ وہی ہے جس کا ذکر آگے آرہا ہے ) بل ھو ما یتلو

۱۴۶ـ معجم المشائخ : ب ۔ انھیں کے خط میں تنہا ایک نسخہ شیخ الاسلام عارف حکمت کے کتب خانہ مدینہ منورہ میں ہے ۔ اسید سلیمان ندوی ۔ ان کے مقالات کا اردو مجموعہ ) ج ۲ ص ۲۶۳ ۔ ( المجلة الألمانیة ZDMG ج ۹۰ ص ۱۱۵ ) اس کو انھوں نے ذکر کیا ہے : ک ( ج ۲ ص ۴۹ ۔ ۵۱ ) اس سے انھوں نے اپنے لیے صرف پہلی جلد کو نقل کروالیا اور وہ چھ سو لوگوں

کی سوانح پر مشتمل تھی۔

مؤلف نے ان تراجم کو صرف میم تک لکھ کر ختم کر دیا۔ الجبرتی نے اس معجم سے معجم التراجم ہیں مدد لی ہے۔ اس کا ذکر ۴۵انمبر پر گذر چکا ہے۔

۱۴۷ المقاعد العذریة فی المشاهد النقشبندیة : ۱۵۰ اشعار پر مشتمل ہے خ ش ص ؛ ج ع ن (مصحفاً) یہ بھی ان دو قصیدوں میں سے ایک ہے، جن کا ذکر جلد ہی آگے آئے گا۔

۱۴۸ مقامة : ب

۱۴۹ مناقب اصحاب الحدیث : ج ۵۰ اشعار پر مشتمل ہے : ک۔ اہل الحدیث : ع استاذ عبد السلام ہارون کو اس کے اور "ریضة السند" کے درمیان اشتباہ ہو گیا ("حکمة الاشراق فی المجموعة الخامسة من نوادر المخطوطات" کا مقدمہ دیکھیے : ص ۶۰ نمبر ۳۲)

۱۵۰ المنح العلیة فی الطریقة النقشبندیة : ج ع ۔ اس کا نسخہ برلن کے کتب خانہ میں ۲۲۰۶ نمبر پر ہے (فہرست اہلوردت ج ۲ ص ۴۹۵)

۱۵۱ منح الفیوضات الوفیة فیما سورة الرحمٰن من الاسرار الالٰہیة : ج ع ۔ اس کا ذکر گذر چکا ہے ۱۲۰ نمبر پر

۱۵۲ المواعظ الحسنة فی وداع شهر رمضان المبارک : ب

۱۵۳ المواہب الجلیة فیما یتعلق بحدیث الاولیة : خ ش ص ع

۱۵۴ نشق الغوالی من تخریج العوالی : ک ، عوالی شیخه علی بن صالح الشاوری

۱۵۵ نشوة الارتیاح فی بیان حقیقة المیسر والقداح : خ ز ش ۔ اس کا نسخہ برلن میں ہے ۔ نمبر ہے ۵۵۰۲ ۔ دوسرا نسخہ خدیویہ میں ہے (ج ۶ ص ۲۰۶) لائیدن میں چھپا ہے ۱۳۰۳ھ میں ؛ س

۱۵۶ النفحة القدسیة بواسطة البضعة العیدروسیة : ج خ ش ع ن ۔ (یہ ان کے شیخ عیدروس کی سندیں بیان کی گئی ہیں)

۱۵۷ النوافح المسکیۃ علی الفوائح الکشکیۃ : ج ع (مصححًا)
۱۵۸ ھدیۃ الاخوان فی شجرۃ الدخان : ج خ شش ۔ فی حکم شرب الدخان : ع
۱۵۹ الہدیۃ المرتضیۃ فی المسلسل بالأولیۃ : ک ۔ (لعلہا ما مر نمبر ۱۳۶) شاید یہ وہی ہے جس کا ذکر نمبر ۱۳۶ پر گذر چکا ہے۔

سید مرتضیٰ بلگرامی زبیدی ایک سخت حادثہ سے دوچار ہوئے جس نے ان کی زندگی کا رخ موڑ دیا۔ ان کی مجلسی اور اجتماعی زندگی — جو چہل پہل اور رونق کے باعث ایک طرح سے ضرب المثل بن گئی تھی، اس واقعہ نے بدل کر ان کو گوشہ نشینی اور سمٹ جانے پر مجبور کر دیا۔ اور ان پر عزلت اور تنہائی کا پردہ ڈال دیا۔ یہ حادثہ ان کی اہلیہ جو ان کی چہیتی بیوی تھیں، ان کی وفات کا تھا۔

اس حادثہ نے سید علامہ کے شعور و وجدان پر سخت چوٹ لگائی بیوی کی موت نے ان کو سہما دیا۔ وہ سب کچھ بھول گئے حالاں کہ وہ بہت بڑے عالم تھے۔ وہ یہ حدیث بھی بھول گئے جس کی وہ خود وکالت و روایت کیا کرتے تھے کہ ——— "قبروں کو پختہ کرنا اور ان پر گنبد تعمیر کرنا ناجائز ہے۔" ——— انھوں نے اپنی اہلیہ کا جسدِ خاکی اس قبرستان کے پاس مدفون کیا جو قاہرہ کے باہر سیدہ رقیہ کی جانب منسوب تھا۔ اور بیوی کی قبر پر گنبد بنوایا اور اس سے ملحق اپنے لیے ایک کمرہ بنوایا۔ جس میں پردے اور قندیلیں آویزاں کرائیں۔ وہ عرصۂ دراز تک اہلیہ کی قبر کی دیوانہ وار مجاوری کرتے رہے، حتیٰ کہ یہ سمجھا جانے لگا کہ شاید یہ ہوش و حواس کھو بیٹھیں گے۔ انھوں نے اپنی اہلیہ کی قبر کے پاس ہی ایک

مکان بھی بنوایا جس میں اپنی خوش دامن[1] کو بسایا اور ایک بڑا سرمایہ ( [illegible] ) بہ طور انعام قائم کیا۔ جس سے ان شعراء کو عطیات دیئے جاتے تھے جو ان کی اہلیہ کا مرثیہ یا ان کی تعریف و توصیف میں قصاید نظم کرتے تھے۔

سید مرتضیٰ نے لوگوں سے ملنا جلنا چھوڑ دیا۔ کسی کو اندر آنے اور سبق پڑھنے کی بھی اجازت نہیں تھی۔ جو ہدایا و تحائف آیا کرتے تھے وہ واپس کیے جانے لگے۔ ان واپس ہونے والے ہدایا میں بہت گراں قدر اور قیمتی ہدیہ ایوب بک دفتر دار کا بھی تھا۔ ایک دوسرا بیش قیمت بڑا ہدیہ سلطان المغرب کا بھی تھا[2]

زبیدی نے اپنی اہلیہ کے ماتم میں بہت عمدہ اور مؤثر اشعار کہے۔ علی الطنطاوی نے ان مرثیوں کے متعلق اپنی رائے کا اظہار اس طرح کیا ہے:

> "ادبِ عربی کے کسی طالبِ علم کو جب بھی اللہ تعالیٰ الہام کرے کہ وہ اپنی یونی ورسٹی میں پیش کرنے کے لیے اپنے مقالہ کا موضوع "اپنی بیویوں کے لیے شعراء کی مرثیہ نگاری" منتخب کرے تو وہ متقدمین میں

---

[1] وذلک کلہ ممنوع شرعًا

اصاب بہ العین المشت شمائلی

وحاقت نظامی عادیات النوائب

(اس کو نظر لگ گئی ہے جس سے میری خصلتیں بگڑ گئیں اور خطرناک مصیبتوں نے میرے نظامِ حیات کو گھیر رکھا ہے)

[2] برہان: جلد ۸۲، شمارہ نمبر ۲، فروری ۱۹۷۹ء، ص ۸۲ تا ۱۰۹ "سید مرتضیٰ بلگرامی مؤلف تاج العروس"

"جریر" اور متاخرین میں "اباظہ" اور "صدقی" کا ذکر تو کرے گا ہی لیکن وہ زبیدی شارح القاموس کو بھی نہ بھولے گا۔" [1]

زبیدی کے ایک مرثیہ کے چند اشعار درج ذیل ہیں :

اعادل من یرزأ کرزئیی لم یزل
کئیبًا و یزھد بعدہٗ فی العواقب

(اے ملامت کرنے والے جس پر میری جیسی مصیبت پڑی ہے تو وہ ہمیشہ غمناک ہی رہتا ہے اور انجام کار دنیا ترک کردیتا ہے)

ما خلفت من بعدھا فی أھلھا
غیر البکاء والحزن والایتام
مضت فمضت عنی بھا کل لذۃ
تقربھا عیناي فانقطعا معا

(اپنے پیچھے کوئی چیز گھر والوں کے لیے نہیں چھوڑی سوائے رونے دھونے ، رنج کرنے اور یتیم بچوں کے

وہ کیا رخصت ہوئی کہ دنیا کی ساری لذت رخصت ہوگئی جس سے میری آنکھیں ٹھنڈی ہوتی تھیں ، دونوں کی دونوں مجھ سے جدا ہوگئیں )

---

[1] رجال من التاریخ : دمشق ۔ علی الطنطاوی :

" واذا ألھم اللہ طالبًا من طلاب الأدب فجعل موضوع المروحۃ یقدمھا الی جامعۃ رثاء الشعراء زوجاتھم ۔ فعدّ من المتقدمین جریرًا ومن المتأخرین اباظۃ وصدقی فلا ینس الزبیدی شارح القاموس "

مندرجہ ذیل اشعار بھی بیوی کے مرثیہ سے ہی متعلق ہیں :

زبیدة شدت للرحیل مطیتها
غداة ثلاثاء فی غلائلها الخضر

( زبیدہ ( بیوی ) نے منگل کے روز سبز یعنی کاہی لباس
پہن کر اس دنیا سے کوچ کیا )

تمیس کما ماست عروس بدلها
وتخطر تیها فی البرانس والأزر

( وہ اٹھلاتی ہے جیسے کہ ناز و انداز سے دلہن اٹھلاتی ہے
اور اکڑ کر چلتی ہے سر کے دوپٹہ اور خوش نما لباس میں )

سأبکی علیها ما حییت وإن امت
ستبکی عظامی والأضالع فی القبر

( جیتے جی میں اس کا ماتم کرتا رہوں گا، اور موت کے بعد
میری ہڈیاں اور پسلیاں اس کو روئیں گی )

ولست بها مستبقیا فیض عبرة
ولا طالبا بالصبر عاقبة الصبر

( میں اپنے سیلِ اشک کو روکوں گا نہیں، اور نہ صبر
کر کے انجامِ صبر ( سکون ) کو ہی طلب کروں گا ۔ )

علامہ زبیدی کے زمانہ میں ترکی کی عثمانی خلافت پر
انحطاط کے بادل چھائے ہوئے تھے، اور اس کے اہم صوبوں مصر،
شام، لبنان اور شمالی افریقہ میں سیاسی قسمت آزما اور فوجی
سالار ذاتی حکومتیں قائم کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے
ان لوگوں میں بھی گنڈے، تعویذوں اور دعاؤں کی بڑی مانگ

تھی۔ اور ان کا عقیدہ تھا کہ گنڈے تعویذ اور قرآن کی مخصوص آیتوں کا ورد دشمنوں کو نیچا دکھانے میں مادّی طاقت سے زیادہ کارگر ثابت ہوتے ہیں۔ بلگرامی ان لوگوں کے بھی قبلہ وکعبہ بن گئے تھے۔ یہ لوگ خود بھی عقیدت سے معمور دل اور بڑے بڑے قیمتی تحائف لے کر ان کے گھر آتے اور تعویذ اور اوراد لینے ان کے نمائندے شام، لبنان فلسطین، تیونس، مراکش، سوڈان اور دوسرے علاقوں سے عطیات اور تحائف لے کر ان کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ یہ بلگرامی کے مادی عروج اور روحانی وجاہت کا زمانہ تھا۔ انھوں نے مہدی منتظر کا روپ بھرنے کا ارادہ کرلیا، اور خفیہ طور پر مصر، شام، لبنان وغیرہ کے عقیدت مند اور تعویذوں کے گاہک ترکی حکومت کے باغی فوجی سالاروں، غاصبوں اور قسمت آزماؤں کو ان کے تأثرات معلوم کرنے کے لیے مراسلوں اور سفیروں کے ذریعہ اپنے مہدئ منتظر ہونے کی خبر دینے لگے۔ ان کی یہ خواہش پروان چڑھنے کے لیے ماحول تیار ہو رہا تھا۔[1]

بہرحال جو بھی صورتِ حال ہو سید علامہ نہایت عزت وجلال صیت وشہرت کے ساتھ مصر میں زندگی گذار رہے تھے۔ اور یہ کہنا مبالغہ نہیں ہے کہ اپنے عہد میں خدا نے ان کو وہ بلند رتبہ عطا فرمایا تھا جو نہ صرف اس زمانہ میں بلکہ اس سے پیشتر بھی کم لوگوں کو نصیب ہوا تھا۔ وہ مصر ہی کے نہیں بلکہ اپنے دور میں دنیائے اسلام کے سب سے بڑے محدث، سب سے بڑے ادیب، سب سے بڑے لغوی اور آخر میں ایک مرتاض وصاحبِ باطن ولی اللہ تھے۔[2]

---

[1] برہان : فروری ۱۹۷۹ء

[2] معارف : فروری ۱۹۲۷ء

تقریباً ہر اسلامی ملک کے لوگ آپ کے پاس آتے تھے۔
آپ تقریباً ہر اسلامی ملک کی زبان سے واقف تھے۔ اس لیے قدرتی طور پر جو بھی آپ کے پاس آتا وہ آپ کو اپنا پاتا تھا۔ ایرانی آتے تو ان سے فارسی میں گفتگو ہوتی۔ فارسی زبان کے مؤلفین وشعراء کا کلام ان کو سناتے۔ وہ اس سے خوش ہوتے۔ ہندی جاتا تو ہندستانی علماء کا حال پوچھتے۔ ترک پہونچتے تو ترک فضلاء وصوفیاء کی قیمتی باتیں ان کو سناتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان میں سے ہر ایک آپ کو اپنا سمجھتا تھا۔ اور غالباً مختلف زبانوں کے علم نے آپ کی قابلیت کے لیے سونے پر سہاگہ کا کام کیا تھا۔ اور پھر یہی نہیں، کچھ دنوں سے جو مسلمانوں کا ایک عام دستور ہوگیا تھا کہ جن لوگوں کو ظاہری علوم و فنون میں انہماک ہوتا تھا وہ باطن سے عموماً صفر یا کم زکم نا آشنا ہوتے ہیں۔ اور اسی طرح اربابِ باطن علومِ ظاہری کی طرف کم توجہ فرماتے ہیں۔ اگرچہ سچ یہ ہے کہ جس نے حقیقت کو پالیا وہ مجاز سے بے نیاز ہوجاتا ہے۔ لیکن سید علامہ کی عجیب شخصیت تھی۔ وہ ایک ہی وقت میں ایک ہی زمانہ میں اگر ایک طرف سیبویہ اور جوہری کے جانشین تھے تو دوسری طرف ابنِ حجر اور عینی کے مسندِ درس کو ان پر ناز تھا۔ اگر ایک حیثیت سے ابنِ ہمام اور ابنِ نجیم کی روح ان کی فقہی نکتہ سنجیوں سے مسرور تھی، تو دوسری طرف یہ حیرت انگیز تماشا تھا کہ سیدنا غوث الثقلین اور سیدنا حبیب العیدروس الاکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی مبارک آنکھوں کی آپ ٹھنڈک تھے۔ اور یہی وہ جامعیت ہے جس کی ائمہ اسلام میں تمنا کی جاتی ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ بہت کم پوری ہوتی ہے۔ لیکن جہاں کہیں اور جب کبھی کسی میں یہ جامع حیثیتیں جمع ہوگئیں، مسلمان ان کی طرف پل پڑے۔ اسلامی دنیا ایسی

شخصیت کے سامنے لوٹنے لگی۔ یہی حال سید علامہ کا بھی ہوا۔ لوگ ہر چار طرف سے اُمڈتے آتے تھے۔ مختلف آرزو، مختلف سوالات، مختلف مشکلات لے کر آتے اور تشفی حاصل کر کے جاتے۔ ارشاد و ہدایت، درس و تدریس، وعظ و تذکیر، خط و کتابت کا دریا بہہ رہا تھا۔ اور تشنہ کام اپنی تشنگی کو سیراب کر رہے تھے۔ وفات کے کچھ روز بیشتر تک، خدا کا یہ توفیقِ عمیم اسی طرح موجیں مار رہا تھا۔ کہ یکایک خدا جانے آپ نے کیا محسوس کیا کہ تاج العروس کا خاتمہ نگار لکھتا ہے :

"لزم داره واحتجب عن أصحابه واعتكف بداخل الحريم واغلق الباب وترك الدروس والاقراء۔" [1]

ایسی بلند و دسیع شخصیت یکایک سمٹ گئی کہ وہ کسی کے لیے گویا کچھ نہ رہ گیا۔ اسی کے کچھ دن بعد قاہرہ میں طاعون کی وبا آئی۔ یہ ۱۲۰۵ھ کے شعبان کا مہینہ تھا۔ "جامع الکبردی" جو سید علامہ کے مکان کے روبرو واقع تھی، وہیں جمعہ کی نماز پڑھنے کے لیے تشریف لے گئے۔ نماز سے فارغ ہوئے کہ طاعون کا اثر محسوس کیا۔ وہاں سے لوٹے تو طاعون نے پوری طرح آن گھیرا۔ گھر لائے گئے۔ ان کی زبان بند ہوگئی۔ ہفتہ کا دن اسی خاموشی میں گذرا۔ اور اتوار کے روز علم و عرفان کا وہ آفتاب جو گنگا کے ساحل پر طلوع ہوا تھا، نیل کی وادی میں غروب ہوگیا انا للہ وانا الیہ راجعون ط "تاج العروس" کے خاتمہ نگار نے لکھا ہے کہ سید علامہ نے اپنی زندگی میں ایک قبر اپنے لئے درگاہِ سیدہ رقیہ میں بنوائی تھی اور وہ اسی میں مدفون ہوئے۔

---

[1] نزھۃ الخواطر :

شہر میں طاعون کے سبب اس قدر سراسیمگی پھیلی ہوئی تھی کہ کسی کو اس واقعہ کی خبر بھی نہیں ہوئی۔ حتیٰ کہ جامعہ ازھر کے اساتذہ جن میں آپ کے شاگردوں کی ایک بڑی جماعت تھی، ان کو بھی آپ کی وفات کا اس وقت علم نہ ہو سکا۔ محلہ میں چند مسلمان تھے انھوں نے تجہیز و تکفین کی اور مصر کی مشہور درس گاہ سید رقیہ میں اس علمی دفینہ کو لوگوں سے محفوظ کر دیا۔

# بابُ الثالثُ

# عربی معجم نگاری کا جائزہ

## تاج العروس کی اہمیت اور اس کا تنقیدی جائزہ

## (۳)

# علمِ لغت اور عربی معاجم کا تاریخی جائزہ

دنیا کی ہر زبان مختلف مراحل سے گذرتی ہے۔ اور ہر مرحلہ دوسرے مرحلے سے مختلف بھی ہوتا ہے۔ اور متحد بھی۔ مختلف اس اعتبار سے کہ دوسرے مرحلے میں جو محرکات ہوتے ہیں وہ پہلے میں نہیں ہوتے۔ اس لیے ان محرکات کی وجہ سے نئے الفاظ کا وجود میں آنا بالکل فطری ہوتا ہے۔ اس طرح ہر مرحلہ دوسرے مرحلے سے مختلف ہوتا ہے۔ لیکن جن اصولوں اور جن بنیادوں پر نئے الفاظ بنتے ہیں یا ڈھلتے ہیں، عام طور سے یہ اصول ہر مرحلے میں مشترک COMMON ہوتے ہیں۔ اور یہی مراحل ہر زبان کی ترقی، وسعت اور پھیلاؤ کی علامت ہوتے ہیں۔

دنیا کے ہر ادب میں الفاظ کے بننے اور ڈھلنے کا پہلا مرحلہ ہوتا ہے۔ اور پھر یہی الفاظ جملوں، تراکیب، محاوروں اور نظم و نثر کے مختلف موضوعات میں استعمال ہو کر عام ہو جاتے ہیں۔ ان الفاظ کا استعمال درحقیقت ان کی زندگی کی علامت ہوتا ہے۔ اسی لیے جو الفاظ کسی خاص وقتی ضرورت کے تحت وجود میں آتے ہیں اور اگر ان کا استعمال اہلِ زبان متواتر نہ کریں تو کچھ عرصہ بعد وہ شاذ و غریب کی فہرست میں شامل ہو جاتے ہیں۔

شاذ و غریب الفاظ کے ہونے کے مختلف اسباب ہیں:۔

۱۔ ان الفاظ کا عام طور سے استعمال نہ ہونا۔

۲۔ وہ الفاظ جو کسی خاص علاقہ کی پیداوار ہوں اور اسی میں وہ بولے جاتے ہوں۔

۳۔ وہ اصول جو عام طور سے زبانوں کے بننے اور ڈھلنے کے ہوتے ہیں، ان کے مطابق نہ ہوں۔

کیوں کہ الفاظ کے اصول کچھ قیاسی ہوتے ہیں، کچھ سماعی۔ قیاسی سے مطلب ہوتا ہے جن میں اصولوں کا لحاظ رکھا جائے۔ اور سماعی وہ جن کے اہلِ زبان کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا جائے۔ مثلاً ایک قبیلہ سے دوسرے قبیلے، پھر ایک علاقہ سے دوسرے علاقے اور یہاں تک کہ زبانیں سیاسی اور مذہبی اسباب کے تحت جغرافیائی حدود کو پار کر جاتی ہیں۔ اور ان لوگوں میں پھیل جاتی ہیں جن کی مادری زبان مختلف ہوتی ہے۔ لیکن مذہبی اور سیاسی اثرات کے تحت لوگ غیر ملکی زبانوں کو سیکھنے اور پڑھنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ یہ مرحلہ کسی زبان کی ذاتی صلاحیت کے لیے امتحان ہوتا ہے۔ کیوں کہ ضرورت کے اعتبار سے مجبوراً کوئی زبان سیکھی جائے تو وہ زبان کبھی اپنی نہیں بنتی، بلکہ پرائے پن کا تصور ہر بولنے والے اور سیکھنے والے کے ذہن میں ہوتا ہے۔ لیکن اگر انسان کے داخلی محرک ہوں تو اس وقت سیکھنے کا انداز دوسرا ہوتا ہے۔ اس میں شوق بھی ہوتا ہے اور جوش بھی۔ اور کبھی خود زبان کی وہ غیر معمولی صلاحیت ہوتی ہے جو لوگوں کے دل و دماغ میں گھر کر جاتی ہے۔

اس طرح جوں جوں سماجی، سیاسی اور مذہبی اسباب کے تحت زبان پھیلتی ہے اور پروان چڑھتی ہے اور سماج کے مختلف عناصر میں بولی جانے لگتی ہے، اس وقت یہ ضرورت محسوس کی جانے لگتی ہے

کہ زبان کا وہ حصہ جو مشکل اور غریب واجنبی ہو، اس کو قلم بند کیا جائے تاکہ لوگ ان کو یکجا پاکر اپنی مشکلات کو دور کر سکیں۔ زبان خواہ کتنی آسان، عام فہم، فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے بلند و برتر کیوں نہ ہو، یہ ناممکن ہے کہ اس کا ہر لفظ سماج کے ہر طبقہ میں عام فہم ہو۔ یہ نہ کبھی ہوا ہے نہ ہوگا۔ کیوں کہ زبان میں صدیوں کے انسانی جذبات اور مختلف زبانوں کی ضروریات کے اظہار کے طریقے اور وسیلے ہوتے ہیں، جن پر عام طور سے ہر انسان کی گرفت نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ اس طرح مشکل الفاظ کی تفسیر و توضیح کا دور شروع ہوتا ہے اور اس علم کو بعد میں معجم کے لفظ سے تعبیر کیا گیا۔

انگریزی زبان کی عظیم انسائیکلوپیڈیا برٹیانیکا کے دیباچہ میں علم کے حدود کے متعلق درج ہے کہ :

"علم کے اپنے حدود ہوتے ہیں لیکن وہ کسی خاص زبان یا طبقے تک محدود نہیں ہوتے۔ انسان کا اجتماعی علم ایک عالمی اور غیر مرئی دماغ کی مانند ہے اور یہ لغت نویسی کے لیے اہم مقام رکھتا ہے۔ پہلے لغات میں دیباچے کے طور پر علم کے اقسام، اس کی ترقی و توسیع، اس کے محرک اور استعمال کے متعلق مقالے ہوا کرتے تھے۔ کسی مخصوص موضوع یا مضمون کے مطالعہ اور تحقیق کے لیے برسوں لگتے ہیں جو کسی ایک انسان کے بس کی بات نہیں۔ باریک بینی کے لیے پوری انسانی برادری کا علم بہت ضروری ہے . . . .
. . . . . لغات اٹھارہویں صدی عیسوی کے درمیان ترقی پسند معاشرے کا ایک اہم جزو بن گئے تھے۔ لغت کا کام ہے کہ وہ ہر خاص و عام کو ہر مضمون کا تفصیلی جائزہ

فراہم کرے اور خاص مضمون کے مختلف عنوانات کے تحت اہم معلومات
ہوں لیکن باوجود اس کے لغت چاہے ہزاروں جلدوں کی ہو ہر
شے کے بارے میں مندرجات ممکن نہیں۔ اس طرح کی لغت جو
وسیع پیمانے پر ایک دور کے نظریات اور حرکات کی عکاس ہو
کسی منفرد شخص کے لیے، چاہیے وہ کتنا ہی قابل کیوں نہ ہو
ممکن نہیں، بلکہ کوئی ذاتی کتب خانہ بھی اتنا وسیع نہیں ہو سکتا
لغت کا انحصار بڑے بڑے کتب خانوں اور تمام انسانی دماغوں
کی کارپردازی پر ہے ......... گوئٹے کا خیال تھا کہ ہم
میں ہر ایک میں اتنی وسعت ہونی چاہیے کہ ہم خود کو اجتماعیت
میں بحیثیت اکائیت کے محسوس کریں۔ دوسرے لوگوں
اور ملکوں کا علم قابلِ تعریف علم ہے۔ امن کی تحریک کی
افادیت اسی وقت نمایاں ہوگی جب ایک فلسفیانہ اتحاد کا
احساس بیدار ہوگا۔" ؂

---

؂ Encyclopaedia Britanica - Vol. I A to ANNO.
-- 14th Edition (1929) "Editorial Preface"-Page IX-XXXIII

" Yet not the chief reason. knowledge has its frontiers and boundaries, its networks of finer demarcating lines. But they are not drawn not limited by race or speech. The collective knowledge possessed by Mankind is like a universal and invisible Mind and is of necessity more important for encyclopaedic purposes that ------ Formerly prefixed to encyclopaedias were general dissertations upon the body and divisions of knowledge. its life and advancement, its inspiration and utilities ---

Hence encyclopaedias containing the digest of all libraries, are more and more necessary, they were and remain an indispensable arm of intelligence to experts. No less have they become so to the generality ----- Now, it is as impossible for any single mind to know exhaustively any group of studies, or independently of reference, any single study ---- with endless aggregation of knowledge and microscopic scrutiny of its particulars goes the multiplication of man's practical contrivances.

From the middle of the eighteenth century encyclopaedias became a habit and a stimulus and a familiar part of the civilized apparatur ----- An encyclopaedia, proper and general, must seek to give much about every principal subject ---------- Finally, an encyclopaedia like this, on a scale extensive enough to reflect the ideas of an age, as well as its operations, does what the single intellect, however potent can no longer do; what no private liberary even, however ample can do.- ----- Goethe had the nobler thought that each of us must "have the nerve", as he said, to make, ourselves feel one with the whole. It is good to understand as much as we may as we may of the life of other persons and other nations. "Der Einzelne nurfroh undgluck lich sein kann, wenn er den Muth hat, sich im Ganzen zu fuhlen." Sympathy in this higher scene is apt to grow with variety of acquirements. The specialist most appreciates the discovery of simplifying laws. The movement for peace would have no meaning if its part of the sense of unity did not spring from a deeper philosophy than as a rule it knows."

کامپٹن انسائیکلوپیڈیا کے دیباچہ میں علم و لغت کے متعلق لکھا ہے۔

"میدان علم کی مکمل لغوی اور صوتی تحقیق کو اتنے واضح طور پر اور تمثیلی ذخیرے کی تشریح اس طرح ہونی چاہئے کہ وہ پوری درستگی اور تکمیل کے ساتھ کسی قصہ کی کتاب کی طرح قابلِ مطالعہ ہو۔" لہ

---

لہ

Compton's- Pictured Encyclopaedia and Fact INDEX e
Vol. I, E.E. Compton & Company-Chicago -- (Preface)

" An encyclopaedic, alphabetically arranged survey to the whole field of knowledge, presented with such freshness and vividness, and embellished with such a wealth of illustration, that it should be as readable as a storybook without anywhere sacrificing completeness or accuracy.

انسائیکلوپیڈیا امیریکانہ کے لحاظ سے، لغت دنیا کی ہر شے اور اس سے باہر خلاء سے بھی آگے کی ہر چیز کا مکمل احاطہ کرتی ہے۔[1] انگریز محقق جیمس۔ ایم۔ انڈرسن اپنی تصنیف میں رقم طراز ہیں کہ :

" لغوی مناسبتیں یا زبانوں کے بیچ ان کی کمی اس لیے ہوتی ہے کیوں کہ اکثر الفاظ ایک زبان سے دوسری زبان کے لیے اخذ کیے جاتے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لسانی طبقے جو تمدنی اور تہذیبی اعتبار سے قریب ہوتے ہیں، اکثر اپنی زبانوں میں خارجی الفاظ کی شمولیت کو مفید اور ضروری سمجھتے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کسی دوسری زبان سے الفاظ کا حصول برتر علم کے اظہار یا کسی نئے خیال یا شے کو معنویت دینے میں استعمال ہوتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ زبان کا ڈھانچہ نقل و تصحیح کی ظاہری ساخت سے متاثر ہوتا ہے۔ اس نظم کی انتہا اور جغرافیائی تقسیم کا تعلق کسی خاص لسانی طبقے کے اندرونی

---

[1] The Encyclopaedia Americana - The International Reference Work - Americana Corporation, New York - 1961 Edition (Preface) -- "By definition, an encyclopaedia seeks to cover everything under the sun - and as much as is known of space beyond, as well ----------"

اور بیرونی معاشرتی تبدیلیوں سے ہوتا ہے۔ لہٰذا معاشرے
کی نقل و حرکت طبقے کی اندرونی حالات کی عکاس ہوتی ہے
یا پھر قرب و جوار کی زبانوں اور لہجات کے اثر سے
بیرونی فضا میں جنم لیتی ہے۔ زبان میں نئی تبدیلی چاہے
داخلی یا خارجی، تبھی ممکن ہے جب معاشرتی رموز کو سمجھنے میں
وسعتِ نظر کا دخل ہو ...... انسانی زبان کی پیچیدگی
اور روابط سے اس کا رشتہ تبھی مکمل طور پر سمجھا جاسکتا
ہے جب کسی تحریک یا تغیر کا تاثر واضح ہوگا۔" لے

---

لے

Structural Aspects of Language Change - James M. Anderson -- Longman 1973 -- Printed in Great Britain --- page 69 -- 230.

" Lexical similarities or lack of them between languages may in part be due to lexical borrowings. Words are often borrowed from language to language. ------ Even linguistic communities with fairly close knit cultural ties often find it expedient to incorporate foreign words into their language. ------ When cultures come into contact with one another, borrowing takes place primarily in the realm of lexical items. ---- Words may be borrowed into the less sophisticated culture for several reasons. ---------- the lexical item in question may fill a definite need in that it is imported along with a new idea or object. ---------- The structure of a language appears to be continually influenced through the mechanism of imitation and hypercorrection. The intensity and geographical distribution of these mechanisms are related to social pressures both within and outside the speech community.

مسلسل

"ایڈون سیلگ مین" نے معاشرتی علوم کی انسائیکلوپیڈیا

(مسلسل)

----------- The origins of social motivations for change may be found within the speech community reflecting internal social situations or they may originate in the external environment such as neighbouring languages and dialects. ------- Analytical examination of language along structural lines, based upon empirical data and coupled with rational deductions concerning the function of linguistic units and their social relevance, ----- Human language in its structural, social, and biological complexity, as well as its relationship to complexity, as well as its relationship to other forms of communication, can only be fully understood when we know how it responds to certain stimuli.

There is an endless number of problems pressing for solutions in linguistic studies. Over curiosity about the wonder of language may never be entirely satisfied. Each step forward reveals a new panorama of the linguistic landscape crisscrossed by a myriad of pathways leading just over the hill to still new horizons."

کوایڈٹ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :

" قاموسی لغت کی خصوصیت ہے کہ ایک فن یا جملہ فنون کی کل معلومات مندرج ہو۔ کسی لفظ کی محض معنی یا صوتی ترتیب ہی نہ ہو بلکہ تفصیل کے ساتھ حوالے اور منطق بھی موجود ہوں ۔..... مختلف طبقوں اور ادوار میں لسانیاتی ماہرین کے معتبر تنقیدی تشریح و تفسیر کے متبادل رایوں کے باوجود لسانیات بہرحال معاشرے کی عالمانہ تحقیق کا اہم آلہ کار ثابت ہوتا ہے۔[1]

---

[1]

Encyclopaedia of Social Sciences - Editor in chief, Edwin R.A. Seligman - Vol I, the Macmillan Company - Allegiance - New York.

1. In considering whether the Encyclopaedia should be primarily a dictionary, or as is customary in Germany, primarily a handbook. The decision has been reached that it ought to combine the characteristics of both. This means that the alphabetical method is followed

البرٹ مرکاٹ ریڈرز ڈائجسٹ کی انسائیکلو پیڈیا میں رقم طراز ہیں :۔

لغت نویسی ایک علم اور فن دونوں ہی ہے۔ قابل اعتبار مفروضوں کی یکجائیت، زبان کی ہزاروں مخصوص امور کی شمولیت اور اس ذخیرے کے صحیح لہجے اور آواز کا قیام کسی بھی علم کے بنیادی اصول کی طرح پیچیدہ تحقیق کے بعد ہی حاصل ہوتا ہے ... کسی زبان کا جو تعمیری اور تاثراتی استعمال ثانویت کی عکاسی کرتا ہے وہی دہرا عقیدہ لغت استعمال کرنے والے کو لغت سے حاصل ہوتا ہے۔ مثلاً عام بول چال اور تحریر دونوں کے لئے لغت معنوی ترتیب پیش کرتی ہے۔

---

مسلسل :۔

..... Linguistics, in its social science aspects, has had a somewhat checkered career, with the development of comarative Philology in the late eighteenth and early nineteenth centuries, it was widely assumed that language afforded an adequate clue to the dispension and ultimate distribution of the races and the diffusion of institutions ......... Linguistics remains, however, an important instrument of Social Scientific inquiry"

لغت کا استعمال جلد بازی یا سطحی طور پر نہیں ہو سکتا......
......لغت زبان کے استعمال میں رہبری کرتی ہے.
صحیح ہجے اور الفاظ کی مخالف تراکیب میں مددگار ثابت
ہوتی ہے........ مختصراً لغت زبان کے علم کا خزانہ ہے
جو کسی بھی دوسرے خزانے کی طرح دانشورانہ اور عاملانہ
استعمال کی حامل ہے،، لہ

اسٹینڈرڈ ڈکشنری میں علم لغت کی وضاحت مندرجہ بالا سطور میں
اس طرح کی گئی ہے۔

مؤلف لغت کا کام صرف جدید الفاظ کا شمار کرنا ہی نہیں
ہے بلکہ وہ الفاظ جو مفقود ہوتے جاتے ہیں ان کا شمار بھی
ضروری ہے۔ حالانکہ اکثر ایسا نہیں ہوتا۔ لغات میں

---

لہ

The Reader's Digest GGreat Encyclopaedic Dictionary -
IInd Printing 1967; Pleasantville, New York
--- Preface : Albert H. Marekwardt.

The making of a dictionary is both a science and an art.... the proper classification of this data, & finally the formulation of sound conclusions from this mass of material, all illustrate the inductive process that is basic to every science. At the same time, the presentation of information about the language the phrasing of definitions and the ordering of word treatments demand of the lexicographer the ability to manipulate the language, with economy and precision

مسلسل

ایسے الفاظ کے لئے ان کے دور استعمال کی طرف
اشارہ ہوتا ہے ........... لغت نویس لغت میں
الفاظ کے معنی ہی نہیں بتاتا بلکہ معنوں کو علم کے

---

مسلسل:-

...... The dictionary also possesses a duality for the person who uses it,.... For comprehension, both the spoken and of the written language, the dictionary offers its treatment of word meanings..... the dictionary has even more to offer to the person who consults it as a guide to his own use of the language, whether spoken or written.... In short the dictionary has a wealth of information about the language to offer, but like any other form of whealth, it calls for wise and judicious use.

مخصوص دائروں میں تقسیم کرتا ہے.......... الفاظ کا
ذخیرۂ انسانوں کے علم و تجربے کی علامت ہے ۔ زبان
انسانی ترقی کی مقدم شاخ ہے جس کے دائرے میں انسان
اپنے منفرد نظریات کا عکس پیش کرتا ہے ۔ لہ

آندرے مارٹینٹ اپنی تصنیف میں جو فن لسانیات کے متعلق ہے
لکھتا ہے :-

زبان تخیل کا عکس مانی جاتی ہے ۔ تخیل جو معاشرتی ڈھانچہ
سے بنا ہے نہ کہ منطقی اصولوں سے لہٰذا لسانیات نے
نفسیاتی اور عمرانی رخ اختیار کیا اور زبان کی بنیادی

---

لہ

Funk and Wagnells : Standard Dictionary---- International Edition - Vol. I. Funk and Wagnells Company -- New York. The Lexicography also has to take into account a borderline area of words that, once current are now in the process of becoming obsolete .... An important part of the lexicographers task is not only the correct defining of the words in a dictionary but also the assignment of many of the definitions to specificareas of knowledge ....... the vocabulary of a people is an index to its experiences..... Language is man's greatest achievement. Within its bound he reflects himself and his personal view of the world.

صورت حال سے نہیں بلکہ ارتقائی مرحلے تک جاری رہا ......... زبان محض آئین نہیں ہے بلکہ ایک آلہ کار ہے جو رابطہ قائم کرنے کا اہم کام انجام دیتا ہے. زبانی گفت و شنید اظہار خیال میں معاون ثابت ہوتی ہے ....... رابطہ انسانی تجربے کو مختلف دائروں میں تقسیم کرتا ہے جو ہر طبقے کو ایک صوتی اور معنوی لہجہ دیتا ہے ........ زبانیں وقت کے ساتھ تبدیل ہوتی رہتی ہیں اور ہر زبان ارتقاء کے دور سے گزرتی رہتی ہے ........ ... زبان کا ارتقاء رابطہ کی ضرورتوں کے تحت بدلتا ہے جس کا دارومدار کسی خاص طبقے کے معاشرتی انفرادی اور اقتصادی ترقی پر ہے ........ لسانی دائرہ معاشرتی ضرورتوں کے ساتھ وسیع ہوتا جاتا ہے ـ لغوی اکائیوں کے معاملے میں یہ سچ بھی ہے اور قواعد کے اصولوں کے مطابق بھی ....... [1]

---

[1] Elements of General Linguistics -- by : Andre Martinel Faber and Faber Ltd., 24 London ---- page. 11 -- 199.

Language now had to be regarded as a reflection of thought, a thought believed to be determined by social structures- rather than obedient of the laws of Logic. Hence linguistics took a psychological and sociological turn, ----- Neverthe- less, to say that language is an institution, gives but an imperfect notion of the nature of this phenomenon. Althrough it is metamorphical, --- Language serves, so to speak, as an aid to thought.

علم زبان کے ارتقاء سے متعلق ایک انگریزی کتاب میں مندرجہ ذیل سطور اس طرح ہیں :-

.....صدیوں سے لوگ زبان کے آغاز کا اندازہ لگاتے رہے ہیں - افلاطون نے قبل مسیح کہا تھا کہ دنیا میں ہر چیز اپنا قدرتی نام رکھتی ہے اور یہ انسانوں کا کام ہے کہ وہ ان مناسب ناموں کی تلاش کریں ........ قدیم عبرانیوں کا خیال تھا کہ خدا اور آدمؑ کی زبان عبرانی تھی - سر تھامس براؤن جو ۱۶۰۵ء میں پیدا ہوئے اور ایک مشہور محقق و مصنف تھے، ان کا کہنا تھا کہ کوئی

---

مسلسل :-

----- At the same time he finds in language the means of asserting himself in his own eyes... We might also speak of an aesthetic function of language which it would be difficult to analyse........ So closely is it bound up with the functions of communication and expression ......... A language is an instrument of communication in virtue of each given community into units..... Languages change in the course of time...... Everything conspires to convince people which they use.---- It is a fact, however, that every language is at every moment in the process of evolution.

Lexicological and syntactical innovations:- .... The evolution of a language depends on changes in the needs of communication of the group which uses it.---- The frequency of a linguistic unit may increase as a direct consequence of the needs of society.

بھی بچہ جو انسانوں سے دور پلے اور جس نے کبھی کوئی
زبان نہ سنی ہو وہ قدرتی طور پر عبرانی بولے گا۔ لیکن
اکثر بچّے ایسے ملے بلکہ حال ہی میں ایک ہندوستانی بچہ
جو جانوروں کے ساتھ رہا جانوروں کی ہی آواز نکالتا
تھا ایسے بچّے انسانی زبان، انسانی صحبت میں آنے کے
بعد ہی سیکھ پائے۔ زبان انسان ہی کی ایجاد ہے لیکن
کب اور کہاں پیدا ہوئی کسی کو نہیں معلوم ........
.. انگریزی زبان نے بہت سے الفاظ دوسری زبانوں
سے لئے ہیں مثلاً الجبر ( Algebra. ) عربی سے ماخذ ہے۔
انگریزی میں لفظ میگزین کے معنی گودام کے ہیں ''کتاب''
نہیں ۔ یہ عربی لفظ ''مخزن'' یا ''خزانہ'' سے نکلا ہے جس
کے معنی گودام یا غلّے کا ذخیرہ ہے [1]

---

[1] The treee of language - by Helene and Charlton - Laird - illustrated by Ervine Meizl - Faberand Faber London Ist published in 1966, Reprinted : 1970 - in Great Britain.

All this is guessing, and people have been trying to guess for centuries how speech began, Plato, a Greek Philosopher .... thought that everything in the world had a .... natural name .... and that it was the job of human being to discover these natural names. It would seem that Plato thought there was a perfect language given to man by the creator of the universe... The ancient Hebrew, thought the language God and Adam spoke was Hebrew, and for centuries away people believed this to be true -------. Sir Thomas Browne, an English doctor and writer, who was born in 1605, had a theory that any child brought up away from human - being and never hearing anyone speak would speak Hebrew naturally

مسلسل

ویبسٹر ( WEBSTER. ) کی ڈکشنری میں عربی زبان کی وسعت اور دوسرے ملک کی زبانوں سے اس کے روابط کے متعلق درج ہے۔
ہندوستانی یا اردو مسلم مفتوحین کے درباروں اور خیموں میں قائم ہوئی جس میں فارسی اور عربی کی بیشتر آمیزش تھی۔
جدید فارسی میں قدیم گردان تقریباً مفقود ہے اور اسلامی اثر سے عربی کے بے شمار الفاظ شامل ہوگئے ہیں۔ .....
... عربی جو عربوں کی بنیادی زبان ہے، اب عرب، فلسطین، شام، عراق، مصر اور شمالی افریقہ کی زبان بھی ہے۔ عربی بنیادی سامی زبانوں کی سب سے بہترین اور زندہ زبان ہو بول چال کی زبان نے تو مختلف بولیوں کو پیدا کیا ہے لیکن تحریری زبان کا انحصار قرآن کے مستند معیار کے مطابق ہے۔

---

مسلسل :-

.But from time to time children have been discovered-- One was found in India just recently -- who had lived with animals apparently since before they learned to talk. The sound they made were animal sounds, and only after they had lived with people did they learn to speak as people. It seems clear that man invented speech, just as he invented the wheel and the stream engine and the jet plane English has also borrowed a few words from most languages of the world.---- algebra from Arabic -- the language spoken by many Arab peoples, who live in South west Asia and northern Africa. It is not an Indo European langjage, but comes from Semitic, the ancestor of another family of languages.------- Magazine - we think of book as the store-houses of knowledge, but the word magazine means "Store-house" not the word for a (see Bible). It comes from the Arabic word for a grannary or store house,'makhzin' from 'Khazana', to store up.

---

عربی زبان کا لفظی خزانہ، تفصیلی نمونے اور ادب مغربی ایشیا، شمالی افریقہ اور اسپین میں ۸۰۰ء سے ۱۲۵۰ء کے درمیان عروج پر پہونچے۔ حروف ابجی میں ۲۸ حروف ہیں جو آرمی سے ماخوذ ہیں۔ لاطینی حروف کے بعد سب سے وسیع تر رقبہ میں پھیلی ہوئی زبان عربی ہی ہے۔ عربی رسم الخط کی دو قسمیں ہیں۔ ایک نسخی اور دوسری کوفی۔ [1]

---

[1] Webster's -- New International Dictionary of the English language -- IInd Edition - Unabridged, 1937.

The Hindustani (or Urdu ), based on Hindi, was formed in camps and courts of Mohammedan conquerors of India, and is largely-intermined with Persian and Arabic.---- The Modern Persian has lost nearly all the ancient inflection, and with the Mohammedan religion has adopted a multitude of words from the Arabic.

Originally the language of the Arabs, now the prevailing speech of the peoples of Arabia, Palestine, Syria, Mesopotamia, Egypt, and Northern Africa. Arabia is a semitic tongue and is considered the best surviving - representative of the original semitic speech the spoken language has developed into various dialects, but the written conforms to the classical standards set by the Koran.The languages possesses a rich vocabulary, elaborate verbal

بہر کیف مندرجہ بالا انگریزی قاموس و لغت کے تبصرات سے یہی نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ دنیا کی ہر زبان میں جو بھی علوم اور فنون پائے جاتے ہیں اگر ان کا تجزیہ کیا جائے تو وہ بھی مختلف مراحل سے دوچار ہوتے ہیں کیونکہ تصنیف و تالیف کے تمام مراحل میں انسانی فکر کی پختگی اور وسعت مؤثر ہوتی ہے۔ اسی لئے تصنیف و تالیف کا عروج و زوال انسانی فکر و ثقافت کے عروج و زوال سے مربوط ہوتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ہر تصنیفی عمل جب اچھے دور میں وجود میں آئے گا تو وہ اپنے ماسبق کے دور سے بہتر ہوگا۔ یہ چیز بالکل فطری اور قدرتی ہے، کیونکہ ذہنی اور فکری پختگی کے ساتھ پہلے دور کا عمل بھی دوسرے دور کے لئے معاون ہوتا ہے۔ اس طرح تصنیف و تالیف کا کارواں تاریخ کے صفحات پر ہمیشہ رواں دواں نظر آتا ہے۔

اگر اسلامی قوموں کے اعلیٰ درس و تدریس کی تاریخ لکھی جائی تو اس مبحث کے لئے زیادہ جگہ کی ضرورت ہوتی۔ یہاں ہم محض مختصر طور پر اس کا ذکر کریں گے۔ یہ اکثر کہا جاتا ہے کہ غزالیؒ نے فلسفہ کی ہمیشہ

---

مسلسل

forms, and a literature which flourished in Western Asia, Northern Africa, and Spain between A.D. 750 and and 1250. The alphabet consist of 28 characters and is an adoption of the Aramaic.

Next to the Latin alphabet it is the most widely diffused geographically. The script has two varieties, 'Noski' Or 'Neshkhi' and 'Kufic'.

کے لئے بیخ کنی کر دی لیکن یہ سراسر غلط ہے۔ اس سے نہ تاریخی معلومات کا اظہار ہوتا ہے اور نہ سمجھ کا۔ فلسفے کے معلم اور متعلم مشرق میں غزالیؒ کے بعد بھی سیکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں گزرے ہیں اذعانی عقائد کی تائید میں نہ تو علم الفرائض نے اپنی موشگافانہ بحث کو ہاتھ سے جانے دیا اور نہ علم العقائد نے اپنے متکلمانہ دلائل کو بلکہ عام نصاب تعلیم میں بھی ایک جزو فلسفیانہ فضیلت کا شامل ہو گیا۔

بلاشبہ فلسفے کو اس میں کامیابی نہیں ہوئی ہے کہ نمایاں مرتبہ حاصل کرے یا اپنی پرانی شان کو قائم رکھے۔ عربوں میں یہ مشہور قصہ ہے کہ ایک فلسفی قید ہو گیا تھا اور ایک شخص اسے غلام کے طور پر مول لینا چاہتا تھا۔ اس شخص نے فلسفی سے پوچھا میاں تم کس کام کے قابل ہو۔ فلسفی نے جواب دیا آزاد کئے جانے کے قابل۔ سچ ہے فلسفے کو آزادی کی ضرورت ہے اور مشرق میں اسے یہ آزادی کب نصیب ہوئی؟ دنیا کی فکروں سے آزادی، بے لاگ ذہنی جد و جہد کی آزادی ان ممالک میں معدوم تھی جہاں کوئی روشن خیال بادشاہ نہ تھا جو فلسفے کی سرپرستی اور حفاظت کرتا۔ [1]

اکثر جگہ فلسفیوں پر دین اور سلطنت کے حق میں خطرناک ہونے کے الزام میں تشدد کیا گیا۔ یہ محض تمام تمدنی انحطاط کی علامت

---

[1] ۱ تاریخ فلسفۂ اسلام: ڈاکٹر ٹی۔ جے۔ دی بوائر، مترجم: مولوی مرزا محمد ہادی صاحب۔ دارالطبع عثمانیہ: حیدرآباد دکن ۱۹۲۹ء، صفحہ: ۱۳۸ — ۱۶۰۔

عرب — تاریخ فلسفۂ اسلام: ٹ۔ ج۔ دو بوئر مترجم: ڈاکٹر عابد حسین۔ مکتبہ جامعہ دہلی: طبع دوم ۱۹۳۶ء — صفحہ: ۱۹۵ — ۱۹۸۔

مضمون —— قاموس نگار

تھی۔ گو بارہویں صدی ہجری کے مغربی سیاح مشرقی تمدن کی تعریف میں رطب للسان ہیں تاہم اگر پہلے زمانہ سے مقابلہ کیا جائے تو اس میں گھن لگ چکا تھا۔ کسی میدان میں بھی کوئی شخص قدماء سے ایک قدم آگے نہیں بڑھتا تھا۔ لوگوں کے ذہن اس قدر پست تھے کہ ان سے یہ توقع ہی نہیں ہو سکتی تھی۔ مستقل تصنیف رک گئی اور آنے والی صدیوں کی پرنویسوں نے اگر کوئی قابلِ قدر کام کیا تو یہ کیا کہ اپنی تالیفات میں حسنِ انتخاب سے کام لیا۔ علم الفرائض اور علم العقائد کا تصوف نے خاتمہ کر دیا تھا۔ اور فلسفے کا بھی یہی حال تھا۔ شیخ الرئیس ابن سینا کے بعد کسی کو یہ توفیق نہ تھی کہ خود اپنے خیالات لے کر میدان میں آئے۔ اب تو امیں، شرحوں حاشیوں اور حاشیوں کے حاشیوں کا زمانہ آگیا تھا۔ اہل علم مدرسہ میں الفس باتوں سے جی بہلایا کرتے تھے۔ اور ادھر ضعیف الاعتقاد عوام روز بروز درویشوں کے لشکر کے معتقد ہوتے جاتے تھے۔

نصاب عامہ میں عموماً کسی قدر فلسفیانہ مبادات اور ریاضی وغیرہ کے بالکل ابتدائی اصول ہوا کرتے تھے۔ صوفیوں نے فیثاغورثی و افلاطونی حکمت سے بہت کچھ لیا۔ خصوصاً اولیاء اللہ اور کرامات کے اعتقاد کی تائید کے لئے اس فلسفے کا قائم رکھنا ضروری تھا یہ چیزیں ایک بے ثمر انتخابی تصوف کا زیور بن گئیں۔ اس تصوف نے ارسطو کو بھی اپنی حکمت کے دائرے میں لے لیا۔ لیکن اسے اغاتوذیموں اور ہرمس کا شاگرد قرار دیا گیا۔

بخلاف اس کے ذہی فہم اشخاص اور ارسطاطالیسیت پر اس حد تک قائم رہے جہاں تک کہ اس میں اور ان کے ذاتی خیالات اور اذغانی عقائد میں میل ہو سکتا تھا۔ قریب قریب ہر شخص ابن سینا

کے نظام کا پیرو تھا۔ صرف معدودے چند نے فارابی کی طرف رجوع کیا یا دونوں میں مطابقت کرنے کی کوشش کی۔ طبیعی اور مابعد الطبیعی حکمت کی طرف بہت کم توجہ کی گئی۔ علم الاخلاق اور... سیاست دانی کا زیادہ رواج تھا، اور منطق کی تحصیل عام تھی۔ یہ سب بہت خوبی کے ساتھ علم الکلام کے سانچے میں ڈھالی جا سکتی تھی۔ بحیثیت صوری منطق کے یہ ایک آلہ تھا جس سے ہر شخص کام لے سکتا تھا، منطق کے ذریعہ ہر بات ثابت کر دی جاتی تھی۔ اور اگر کبھی اتفاق سے کسی دلیل کا خطا پر ہونا بھی ثابت کر دیا گیا تو لوگ اپنے دل کو یہ کہہ کر تسکین دے لیا کرتے تھے کہ ہم دعوے کی دلیل صحیح طریقے سے نہیں دے سکتے، نہ سہی مگر دعوے کے صحیح ہونے کا امکان تو ہے۔

دسویں صدی کے ربع آخر میں عبداللہ خوارزمی کے قاموس میں فلسفہ، منطق کو بہ نسبت طبیعیات اور مافوق الطبیعیات کے زیادہ جگہ دی گئی تھی۔ یہی صورت اکثر اس کے بعد کے معلموں اور قاموس نگاروں میں تھی۔ اذعانی عقائد والے بھی اپنے نظام کا آغاز منطق اور نظریہ علم کے اقوال سے کیا کرتے تھے۔ جس میں رسم کے مطابق علم کی تعریف کی جاتی تھی۔ اور بارہویں صدی تک ارسطو کے اجزا کی تالیف کثیر تعداد میں ہوتی رہی۔

ان تصانیف میں سے جو بہت مقبول تھیں اور جن کی شرحیں وغیرہ بہت لکھی گئیں ان میں ایجاری (وسال وفات ۱۲۱۴ھ میں ایساغوجی کے نام سے پوری منطق کا خلاصہ لکھا گیا تھا) اور قزوینی (متوفی ۱۲۷۶ھ) کی تصانیف کا نام لیتے تھے [۱]

---

[۱] تاریخ فلسفہ اسلام: ٹ۔ج۔ دوبوئر، مترجم: ڈاکٹر عابد حسین صفحہ: ۱۹۵ — ۱۹۸ —

اگر ہم عربی معاجم کی تصنیف وتالیف کا تجزیہ کریں تو ہمیں ہر دور کی تصنیف میں اس دور کا مزاج نظر آتا ہے۔ اور اسی طرح مختلف ادوار میں جب یہ فن وجود میں آیا اور ان ادوار کی تصانیف اگر ہمارے سامنے ہوں تو ان کو دیکھ کر ہم ہر دور کے تصنیفی معیار اور اس کے انداز کو متعین کر سکتے ہیں۔

## عربی معاجم کے مختلف ادوار

(۱) جیساکہ مندرجہ بالا سطور میں ذکر کیا جاچکا ہے کہ مشکل الفاظ کے سمجھنے کا مسئلہ اس وقت زیادہ محسوس ہونے لگتا ہے جب زبان میں پھیلاؤ اور وسعت پیدا ہوجاتی ہے اور اس زبان کے بولنے والوں کی بڑی تعداد غریب اور مشکل الفاظ کے سمجھنے سے قاصر رہتی ہے. لیکن ایسا لگتا ہے کہ معاجم کی تدوین کے پہلے مرحلے میں عوام سے زیادہ خواص کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے مشکل الفاظ کی تدوین اور ترتیب اور پھر ان کی شرح اور توضیح کا کام اپنے ذمہ لیا تھا وہ اپنے دور میں زبان فہمی میں سب سے آگے تھے . اس لئے مشکل اور غریب الفاظ کے انتخاب میں ان کے مزاج اور ان کی اعلیٰ صلاحیت کا کافی دخل ہے ۔ اس لئے پہلے دور کے معاجم کو کلی کے بجائے ہم جزوی قرار دے سکتے ہیں ۔

مثال کے طور پر "الخیل" (گھوڑے) سے متعلق ایک نہیں متعدد کتابیں لکھی گئیں جن میں گھوڑے سے متعلق جو بھی چیزیں ذہن میں آسکتی ہیں سب پر تفصیلی بحث ہے، اسی طریقہ سے "الطیر" ۔ "الحشرات" ۔ "الہوام" (موسمی کیڑے مکوڑے) سے متعلق کتابیں معاجم کی شکل میں لکھی گئیں ۔ الحشرات اور الھوام کے ساتھ "النحل" ۔ "البعوض" ۔ "الذباب" ۔ "الجراد" ۔ (ٹڈی) وغیرہ پر کتابیں وجود میں آئیں ۔ پھر انسان سے متعلق دوسری صدی ہجری میں اس زمانہ کے مشاہیر لغت نے کتابیں لکھیں ۔

اس طرح اگر دیکھا جائے تو یہ کتابیں اگرچہ معجمی نقطۂ نظر سے

مکمل تھیں لیکن بالکل جزوی تھیں ۔ جزوی سے ہماری مراد یہ ہے کہ ایک زبان میں جو مختلف قسم کے مختلف الفاظ ہو سکتے ہیں ان کو نظر انداز کرکے زبان کے ایک پہلو کو ملحوظ رکھا گیا ۔ بہر صورت یہ معجم نگاری کا پہلا مرحلہ تھا ۔

(۲) زبان کے ارتقائی مراحل میں جو دینی اور مذہبی اثرات کارفرما ہوتے ہیں ان کی بڑی اہمیت ہوتی ہے ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ دینی لٹریچر عوام وخواص دونوں کے لئے یکساں ہوتا ہے ۔ اور سماج کے ہر طبقے کی دلی خواہش ہوتی ہے کہ دینی لٹریچر میں جو مشکل الفاظ اسے معلوم ہوں ان کو وہ سمجھے کیوں کہ مذہبی امور کے سمجھنے کا دارومدار بڑی حد تک الفاظ پر منحصر ہوتا ہے ۔

اسلام میں سب سے زیادہ اہمیت قرآن کی ہے کیوں کہ وہ قانونِ اخلاق اور عام معلومات کا سب سے اہم اور بنیادی سرچشمہ ہے ۔ اس لئے علماء لغت نے قرآن کے مشکل الفاظ کی الگ معجم تیار کرنی شروع کی ۔ قرآن میں اگرچہ نزول کے وقت جو مشکل الفاظ تھے وہ عربوں کے لئے بہت زیادہ نئے اور مشکل نہیں تھے کیوں کہ وہ انھیں کی زبان میں اور انھیں کے ماحول کے مطابق نازل ہوا تھا ۔ لیکن بعد میں جب دوسری جگہ کے لوگ اسلام کے دائرے میں داخل ہوئے تو جہاں ان کو کلام پاک کی تراکیب کو سمجھنے میں دشواریاں لاحق ہوتیں وہیں ان کے لئے قرآن کے بہت سے الفاظ غریب ونادر تھے ، اس لئے قرآن کے الفاظ کی مختلف لوگوں نے معاجم مرتب کئے ۔ یہ معاجم اگرچہ بہت محدود الفاظ پر مشتمل تھیں لیکن مختلف لوگوں نے ان پر کام کیا تھا اس لئے ہر معجم میں اس کے مصنف کی فکر ومزاج اور صلاحیت پوری طریقہ سے جلوہ گر ہوتی ہے ۔ قرآن کے بعد حدیث کی اہمیت کے پیش نظر علماء

نے احادیث کے مجموعہ سے اپنی سمجھ کے مطابق مشکل الفاظ نکالے اور ان کے معانی بیان کیے۔ یہ معاجم غریب الاحادیث کے نام سے مشہور رہیں۔ حدیث کے بعد جو چیز وجود میں آئی وہ فقہ ہے۔ یعنی جس کا بنیادی ماخذ قرآن وحدیث ہیں لیکن مختلف علاقوں اور مختلف زمانوں میں فقہائے جو کتابیں مرتب کیں ان میں یقیناً بعض الفاظ اور بہت سی اصطلاحیں عوام کی فہم سے بلند و بالا تھیں، اس لئے ان کی الگ سے شرح و توضیح کے ساتھ مرتب کرنے کی ضرورت محسوس کی گئی۔ اور ان کتابوں سے عربی معاجم میں ایک نیا اضافہ ہوا۔

مذہبی اور دینی لٹریچر کے بعد جن الفاظ کی ترتیب اور تالیف کی ضرورت محسوس کی گئی، وہ مختلف قبائل کے لہجات تھے۔ یہ لہجات جاہلی دور میں اور اسلام کے ابتدائی دور میں بڑی حد تک لوگوں میں مانوس تھے۔ لیکن جوں جوں زمانہ بڑھتا گیا ان کی دقتیں سامنے آتی گئیں۔ اس طرح مختلف قبائل کے لہجات کو جمع و تدوین کر کے ایک بہت بڑا کام انجام دیا گیا۔ اس طرح اگر دیکھا جائے تو معجم نگاری آہستہ آہستہ ایک طبقہ سے دوسرے طبقہ کی طرف قدم بڑھا رہی ہے۔ پہلے مرحلے میں جو تصانیف وجود میں آئیں علماء نے ان میں حروف تہجی کے ترتیب ( Alphabetical order ) کی بنیاد ڈالی۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ ترتیب ان کے لئے زیادہ آسان اور فطری تھی۔

پہلے اور دوسرے دور اور مرحلے کے معاجم میں افعال پر بحثیں کم کی گئیں۔ زیادہ تر بحثوں کا دارومدار "اسماء" پر تھا، مثال کے طور پر "کتاب الخیل"، "کتاب النحل"۔ "کتاب الھوام"، "کتاب الانسان" فقہ کی اصطلاحیں، قرآن وحدیث کے غریب الفاظ، یہ بالکل اسماء پر مبنی ہیں۔ حالانکہ زبان میں اسماء کے مقابلے میں "افعال" کا عنصر زیادہ

ہوتا ہے۔ کیوں کہ افعال میں استقاق وصلات کی تبدیلی سے معنیٰ میں تبدیلی ہو جاتی ہے۔

لیکن عصری تقاضوں کے تحت معاجم کا جزوی مخصوص تصور آہستہ آہستہ ختم ہونے لگا کیوں کہ بڑھتی ہوئی ضروریارت اور زبان کی ہر روز کی تبدیلی و ترقی نے اہل لغت کو اس بات پر مجبور کیا کہ معجم نگاری کو خواص کے دائرے سے نکال کر عوام کی ضروریات کے پیش نظر نئے روپ اور نئی شکل میں مرتب کریں۔ اس طرح یہ فن نئے انداز سے لوگوں کے سامنے آنا شروع ہوا۔ جزوی تصور کے بعد جب عوامی تصور ذہن میں آیا تو اسماء کے ساتھ ساتھ افعال کی بحث سامنے آئی جو لغت میں زیادہ اہم اور بنیادی ہوتی ہے، کیوں کہ افعال ہی کے اتار چڑھاؤ سے نئے نئے طرز نگارش (style) وجود میں آتے ہیں۔

اس مرحلے میں جو چیز قابل توجہ ہے وہ یہ کہ اس دور میں قاموس نگاری کا وہ پہلا اصول جو حرفِ تہجی کی بنیاد پر قائم تھا اس میں تبدیلی آئی اور وہ یہ کہ حروف کے مخارج نے حروفِ تہجی کی جگہ لے لی، اور یہ زیادہ فطری اور حقیقت پر مبنی نظر آتی ہے کیوں کہ جن اصولوں کے تحت یا جن راہوں سے الفاظ وجود میں آتے ہیں انھیں راہوں سے ان کو تلاش کیا جائے۔ یہ نیا موڑ عربی قاموس نگاری میں فلسفہ اور منطق کی بنیاد پر قائم ہے اور یہ شاید اس وقت وجود میں آئے جب دنیا کی مختلف زبانوں کے علوم وفنون عربی زبان میں منتقل ہو گئے، اور مختلف زبانوں میں جو اصول مرتب تھے ان کی روشنی میں عرب معاجم نگاروں نے عربی معجم نگاری کو نئی شکل دی۔ جو بظاہر مشکل اور غیر فطری نظر آتی ہے، لیکن درحقیقت یہی زبان کے مزاج کی صحیح

ترجمانی کرتی ہے کیوں کہ عربی زبان کا دار و مدار زیادہ تر صوتی بنیادوں پر قائم ہے اس سلسلے میں خلیل نے سب سے پہلے قدم اٹھایا اور اس نے "عین" سے اپنی کتاب کی ابتدا کی۔ چنانچہ اپنی کتاب کا نام بھی اس نے "کتاب العین" رکھا۔

خلیل کے بعد اسی بنیاد پر قاموس نگاری آگے بڑھتی ہوئی نظر آتی ہے اور ہر روز کی تبدیلی اور ترقی میں ضمنی عوامل (محرکات) کارفرما رہے ہیں۔ جہاں اصولوں کا تعلق ہے اس میں کوئی تبدیلی کی ضرورت نہیں تھی لیکن جو چیز اہم اور بنیادی تھی وہ یہ کہ عربی زبان کے پھیلے ہوئے الفاظ کو سمیٹنا اور یکجا کرنا تھا۔ پھر ان کی شرح اور تفسیر خود کلام عرب کے اشعار، امثال، اور محاوروں سے کرنی تھی۔ گویا فن معجم نے آہستہ آہستہ موصوعی (Encyclopeadic, ) رنگ اختیار کرنا شروع کیا جس میں معجم نگار کی ذہنی صلاحیت اور اس کے علم کی وسعت اور اپنے دور تک کی کتابوں پر تحقیقی نظر ہوتی تھی، کیوں کہ یہی چیزیں دراصل معجم نگاری کی اساس اور بنیاد ہیں۔ اور اس طرح یہ فن ایک مرحلے سے دوسرے مرحلے میں آنے کے بعد زیادہ وسیع اور مکمل ہوتا ہوا نظر آتا ہے۔

جہاں تک الفاظ، امثال، اور اشتقاق کا تعلق ہے ان میں ہر دور کے معجم نگاروں نے اپنی ذہنی صلاحیت اور وسعت مطالعہ کے مطابق کام کیا ہے، جو عربی ادب و لغت کے سرمایے میں عظیم الشان اضافہ ہوا ہے لیکن ایک چیز جو معجم نگاری میں بڑی نمایاں رہی ہے وہ یہ کہ حروف یا کلمات کی ترتیب کس طرح رکھی جائے تاکہ پڑھنے والوں کے لئے اس میں زیادہ آسانی ہو۔ یہ مسئلہ درحقیقت ان غیر عربی زبان و ادب سے تعلق رکھتا ہے جہاں فن تصنیف و تالیف صدیوں

سے موجود تھا۔ عرب مصنفین خواہ وہ کسی موضوع کے ہوں انھوں نے ان کی طرف کبھی اشارے نہیں کئے ہیں اور نہ کبھی عربی ذخائر سے استفادہ کا حوالہ دیا ہے لیکن تصنیفی ادوار کا جائزہ لینے کے بعد یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ عربی زبان میں خواہ کسی موضوع پر تصانیف کا سلسلہ شروع ہوا ہو اس میں غیر عربی عناصر کا بڑا دخل ہے۔ عربی معجم نگاری کو بھی اس میں شامل کیا جا سکتا ہے۔ جو ترتیب ہمیں آج تک قاموس نگاری میں ملتی ہے وہ چار طرح کی ہے:۔

ا کلام کی ابتداء حروف ہجاء کی بنیاد پر ہو۔ یہ پہلا مرحلہ ہے۔ مثلاً الف سے شروع کرے۔

ب دوسرا مرحلہ حروف ہجاء کے بجائے معجم نگاری میں حروف کے مخارج کی بنیاد پر مثلاً "خلیل ابن احمد" نے حروف کی ابتداء "ع"، "ح"، "ہ"، سے کی ہے اور اس کو اس نے زیادہ منطقی اور سائنٹفک (Scientific.) قرار دیا ہے۔

ت: اس کے بعد تیسرا مرحلہ جو "اسماعیل ابو علی القالی" نے تجویز کیا اور اسی طریقہ کو اس نے اپنی مشہور کتاب "البارع" میں اپنایا۔ یہ طریقہ خلیل کے طریقہ سے زیادہ قریب ہے لیکن اس میں حروف کے مخارج کی ترتیب میں خلیل سے کچھ اختلافات کیا اور اس نے ترتیب "ع"، "خ"، "ق"، "ص"، "ج" کو بنایا۔

یہی دونوں بعد کے طریقے عرصۂ دراز تک عربی قاموس نگاری میں مستعمل ہوتے رہے۔ لیکن بعد میں اس میں بنیادی تبدیلی آئی اور یہ بجائے حروف کے مخارج کے ہر لفظ کے آخر کو بنیاد بنایا مثلاً "قتل" کو بجائے ق۔ ت۔ ل۔ کے "ل" سے شروع کیا۔ یہ طریقہ بڑی حد تک مناسب نظر آتا ہے۔ لیکن اس میں سب سے اہم اور

بنیادی چیز جو ہمیں نظر آتی ہے وہ یہ کہ جب تک پڑھنے والے کو یا قاموس سے رجوع کرنے والے کی ہر لفظ کے اصل اور تعلیل پر نظر نہ ہو اس کو ان قوامیس سے استفادہ کرنا ناممکن ہے۔ اس لئے یہ طریقہ تھوڑا سا پیچیدہ نظر آتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود یہی طریقہ موسوعی قوامیس میں مستعمل رہا۔ اور آخری قاموس جو "تاج العروس" کے نام سے زبیدی کی ہے اس تک یا ان کے دور تک یہی طریقہ یا اصول مستعمل رہا۔ یوں "تاج العروس" کے بعد کوئی ایسا قاموس عربی زبان وادب کی تاریخ میں نظر نہیں آتا جس میں جدّت کے ساتھ ساتھ ہمہ گیریت نظر آئے۔

"تاج العروس" کے دور تک عربی زبان میں جو قوامیس مرتب ہوئے ہیں ان کو دیکھ کر عربی زبان کی عظمت اور وسعت اور ہر زمانے میں اہل علم اور اہل قلم کی جد وجہد اور سعی مسلسل نظر آتی ہے اور ان حضرات کی خدمات شمس وقمر کی طرح علم وادب کے آسمان پر درخشاں نظر آتے ہیں۔ ہم اس سلسلے میں ایک مفصل نقشہ پیش کریں گے جس کی روشنی میں مختلف ادوار میں جو قاموسی ادب پر کام ہوا ہے اس کا پورا جائزہ ہو جائے گا۔

# اشهر المشترکین فی بناء المعجم العربی

# عربی معجم نگاری کے معمار

| العصر | الشهرة | الاسم الكامل | الولادة | الوفاة | معطياته للمعجم واهم مؤلفاته اللغويه | مرجع معجمى لترجمته |
| --- | --- | --- | --- | --- | --- | --- |
| القرن الاول | الليثى | نصر بن عاصم | ........ | ٨٩ هج ٧٠٨ م | ترتيب حروف الهجاء | الادباء ١٩/٢٢٤ |
| القرن الثانى الهجرى | ابو مالك الاعرابى | عمرو بن كركرة النميرى | ........ | ........ | خلو الانسان - الخيل - النوادر | البغية ٢/٢٦٧ |
| | ابو خيرة | الاعرابى العدوى | ........ | ........ | الحشرات | الفهرست ١/٣٠ |
| | ابو عمرو | زمان بن العلا التيمى | ٧٠ هج ٦٩٠ م | ١٥٤ هج ٧٧١ م | النوادر | الاعلام ٣/٤٢ |
| | الخليل | بن احمد الفراهيدى ابو عبد الرحمن | ١٠٠ هج ٧١٨ م | ١٧٠ هج ٧٨٦ م | العين - معانى الحروف النقط والشكل | الاعلام ٢/٣٦٣ |
| | الليث | بن المظفر الخراسانى ابو هشام | ........ | ١٨٠ هج ٧٩٦ م | اتمام العين | الادباء ١٧/٤٣ |

| العصر | الشهرة | الاسم الكامل | الولادة | الوفاة | معطياته للمعجم وأهم مؤلفاته اللغويه | مرجع معجمی لترجمته |
| --- | --- | --- | --- | --- | --- | --- |
| القرن الثانی الهجری | یونس النحوی | ابن حبیب الضبی | ٩٤ هج<br>٧١٣ م | ١٨٤ هج<br>٧٩٨ م | معانی القرآن - اللغات | الاعلام ٩/٣٤٣ |
| | الکسائی | علی بن حمزة الاسدی<br>ابو الحسن | ١١٩ هج<br>٧٣٧ م | ١٨٩ هج<br>٨٠٥ م | معانی القرآن - المصادر - الحروف<br>ما تلحن فیه العامة | |
| القرن الثالث الهجری | النضر | بن شمیل التمیمی<br>ابو الحسن | ١٢٢ هج<br>٧٤٠ م | ٢٠٣ هج<br>٨١٩ م | الصفحات - السلاح - غریب الحدیث | الاعلام ٨/٣٥٧ |
| | ابو عمرو | الشیبانی اسحٰق<br>بن مرار | ٩٤ هج<br>٧١٣ م | ٢٠٦ هج<br>٨٢١ م | الحروف - النوادر - خلق الانسان<br>غریب الحدیث - النخله - الدبل - الخیل | الاعلام ١/٢٨٩ |

.... القرن الثالث الهجري ....

| العصر | الشهرة | الاسم الكامل | الولادة | الوفاة | معطياته للمعجم واهم مؤلفاته اللغويه | مرجع معجمي لترجمته |
|---|---|---|---|---|---|---|
| القرن الثالث الهجري | الفراء | يحيى بن زياد الديلمي | ١٤٤ هج | ٢٠٧ هج | معاني القرآن. اللغات. ماتلحن فيه | الاعلام ٩/٩٧٨ |
| | | ابوذكريا | ٧٦١ ع | ٨٢٢ ع | العامة. مشكل اللغة | |
| | الحياتي | على بن حازم ابوالحسن | ......... | ٢٠٩ هج | النوادر | الاعلام ٧/٥٦ |
| | | | ......... | ٨٢٤ ع | | |
| | ابوعبيدة | معمر بن المثنى | ١١٠ هج | ٢١٥ هج | معاني القرآن. غريب الحديث | الاعلام ٨/٩١ |
| | | التيمي | ٧٢٨ ع | ٨٣٠ ع | ماتلحن فيه العامة. الانسان. الزرع. الشوارد | |
| | ابوزيد | الانصاري سعيد بن | ١١٩ هج | ٢١٦ هج | النوادر. المطر. الحياه. خلق الانسان | الاعلام ٣/١٤٤ |
| | | اوس | ٧٣٧ ع | ٨٣١ ع | الشجر. غريب الاسماء | |

| العصر | الشهرة | الاسم الكامل | الولادة | الوفاة | معطياته للمعجم واهم مؤلفاته اللغويه | مرجع معجمی لترجمته |
|---|---|---|---|---|---|---|
| القرن الثالث الهجری | الأخفش الاوسط | سعید بن مسعدة المجاشعی | ......... | ۲۱۵ ھ / ۸۳۰ ء | تفسیر معانی القرآن - الاشتقاق - | الاعلام ۱۵۴/۳ |
| | الأصمعی | عبدالملك بن قریب ابوسعید | ۱۲۲ ھ / ۷۴۰ ء | ۲۱۶ ھ / ۸۳۱ ء | غریب الحدیث - الابل - الاضداد - النخل - الانسان - المترادف | الاعلام ۳۰۹/۴ |
| | ابن سلام ابوعبید | القاسم الهروی | ۱۵۷ ھ / ۷۷۴ ء | ۲۲۴ ھ / ۸۳۸ ء | الغریب المصنف - غریب القرآن - غریب الحدیث - الانساب | الاعلام ۱۰/۶ |
| | ابو مسحل | الاعرابی عبدالوهاب بن حریش | ......... | ۲۲۸ ھ / ۸۴۳ ء | النوادر - الغریب | معجم المؤلفین ۲۱۸/۶ |
| | ابن الاعرابی ابوعبدالله | محمد بن زیاد | ۱۵۰ ھ / ۷۶۷ ء | ۲۳۱ ھ / ۸۴۵ ء | اسماء الخیل - البئر - النوادر - الدرع | الاعلام ۳۶۵/۶ |

| العصر | الشهرة | الاسم الكامل | الولادة | الوفاة | معطياته للمعجم واهم مؤلفاته اللغويه | مرجع معجمى لترجمته | |
|---|---|---|---|---|---|---|---|
| القرن الثالث الهجرى | الباهلى | احمد بن حاتم ابو نصر | ........ | ٢٣٢ هج | اشتقاق الاسماء - ماتلحن فيه العامة | الاعلام | ١/١٠٢ |
| | | | ........ | ٨٤٦ م | الزرع والنخل - الجراد | | |
| | ابن السكيت | يعقوب بن اسحق | ١٨٦ هج | ٢٤٤ هج | الالفاظ - اصلاح المنطق - الاضواد | الاعلام | ٩/٣٥٥ |
| | | ابو يوسف | ٨٠٢ م | ٨٥٨ م | الحشرات - زيب القرآن | | |
| | ابن حبيب | محمد البغدادى | ........ | ٢٤٥ هج | المحبر، خلق الانسان، الامثال | الاعلام | ٦/٣٠٧ |
| | | ابو جعفر | ........ | ٨٦٠ م | على افعل | | |
| | السجستانى | سهل بن محمد ابو حاتم | ........ | ٢٤٨ هج | ماتلحن فيه العامة - الشجر والنبات | الاعلام | ٣/٢١٠ |
| | | | ........ | ٨٦٢ م | الوحوش - الحشرات | | |
| | ابو اسحاق | ابراهيم بن سفيان | ........ | ٢٤٩ هج | اسماء السحاب - الرياح - الامطار | الاعلام | ١/٣٤ |
| | | الزيادى | ........ | ٨٦٣ م | | | |

| العصر | الشهرة | الاسم الكامل | الولادة | الوفاة | معطياته للمعجم واهم مؤلفاته اللغويه | مرجع معجمي لترجمته |
|---|---|---|---|---|---|---|
| القرن الثالث الهجرى | المازنى | بكر بن محمد ابو عثمان | .........<br>......... | ٢٥٥ هج<br>٨٦٩ م | ماتلحن فيه العامة | الاعلام ٣٣/٢ |
| | الهروى | شمر بن حمدويه<br>ابوعمرو | .........<br>٨٦٩ م | ٢٥٥ هج | الجيم - غريب الحديث - السلاح<br>الجبال والاودية | الاعلام ٢٥٣/٢ |
| | ابن قتيبة | عبدالله بن مسلم | ٢١٣ هج<br>٨٢٨ م | ٢٧٦ هج<br>٨٨٩ م | غريب الحديث - الاشتقاق - مشكل<br>القرآن - النبات غريب القرآن ادب الكاتب | الاعلام ٢٨٠/٤ |
| | الدينورى | احمد بن داؤد<br>ابوحنيفه | .........<br>...... | ٢٨٢ هج<br>٨٩٥ م | النبات - ماتلحن فيه العامة إصلاح<br>المنطق | الاعلام ١١٩/١ |
| | المبرد | محمد بن يزيد الازدى<br>ابو العباس | ٢١٠ هج<br>٨٢١ م | ٢٨٦ هج<br>٨٩٨ م | الكامل المذكر والمؤنث اعراب<br>القرآن - المقتضب | الاعلام ١٠/٨ |

| العصر | الشهرة | الاسم الكامل | الولادة | الوفاة | معطياته للمعجم واهم مؤلفاته اللغويه | مرجع معجمي لترجمته | |
|---|---|---|---|---|---|---|---|
| القرن الثالث الهجري | ثعلب | احمد بن يحيى الشيباني ابو العباس | ٢٠٠ هـ ٨١٦ م | ٢٩١ هـ ٩٠٣ م | الفصيح - المجالس - معاني القرآن. معاني الشعر - ماتلحن فيه العامة | الاعلام | ٢٥٢/١ |
| .... القرن الرابع الهجري .... | كراع النمل | علي بن الحسين الهنائي ابو الحسن | | | المنجد - المنضد - غريب اللغة | الاعلام | ٧٩/٥ |
| | الاخفش الاصغر | علي بن سليمان النحوي ابو الحسن | | | المهذب - الانواء - التثنية والجمع | الاعلام | ١٠٣/٥ |
| | الهمداني | عبد الرحمن بن عيسى | | | الالفاظ الكتابية | معجم المؤلفين | ١٦٣/٥ |
| | ابن دريد | محمد بن الحسن الازدي ابو بكر | | | الجمهرة - الاشتقاق - الملاحن السرج واللجام - اللغات | الاعلام | ٣١٠/٦ |

| العصر | الشهرة | الاسم الکامل | الولادة | الوفاة | معطیاته للمعجم واهم مؤلفاته اللغویه | مرجع معجمی لترجمته |
|---|---|---|---|---|---|---|
| القرن الرابع الهجری | نفطویه | ابراهیم بن محمد الازدی ابوعبدالله | | | غریب القرآن | الاعلام ۱/۵۷ |
| | الانباری | محمد بن القاسم ابوبکر | | | الزهرا - الاضرار - غریب الحدیث شرح المعلقات | الاعلام ۲/۳۲۶ |
| | قدامة | بن جعفر البغدادی ابوالفرج | | | جواهر الالفاظ | الاعلام ۶/۳۱ |
| | الزجاجی | عبدالرحمن بن اسحق ابوالقاسم | | | الابدال والمعاقبة والنظائر. الامالی - معانی الحروف | الاعلام ۳/۶۹ |
| | غلام ثعلب | محمد بن عبدالواحد ابوعمر | | | الیواقیت فی غریب القرآن - غرائب الحدیث - الداخل - المستدرک | الاعلام ۷/۱۳ |

| العصر | الشهرة | الاسم الكامل | الولادة | الوفاة | معطياته للمعجم واهم مؤلفاته اللغويه | مرجع معجمي لترجمته |
| --- | --- | --- | --- | --- | --- | --- |
| ..... القرن الرابع الهجري ..... | البشتي | احمد بن محمد الخارزنجي | | | تكملة العين | الاعلام ٢٨٣/١ |
| | ابو الطيب | اللغوي عبد الواحد بن علي الحلبي | | | الاتباع - المثنى - الابدال - الاضداد - الفروق | الاعلام ٣٢٥/٣ |
| | الفارابي | اسحاق بن ابراهيم ابو ابراهيم | | | ديوان الادب | الاعلام ٢٨٣/١ |
| | الأصبهاني | علي بن الحسين الاموي ابو الفرج | | | الاغاني | الاعلام ٨٦/٥ |
| | القالي | اسماعيل بن القاسم. البغدادي ابو علي | | | البارع - الامالي - الممدود المقصود - الابل | الاعلام ٣١٩/١ |

| العصر | الشهرة | الاسم الكامل | الولادة | الوفاة | معطياته للمعجم واهم مؤلفاته اللغويه | مرجع معجمي لترجمته |
|---|---|---|---|---|---|---|
| القرن الرابع الهجري | الازهري | بن احمد الهروي ابو منصور | | | تهذيب اللغة - غريب الالفاظ | الاعلام ٦/٢٠٢ |
| | علي ابو القاسم | ابن حمزة البصري اللغوي | | | الشبهات على اغلاط الرواة - رد على اصلاح المنطق - الفصيح | الاعلام ٥/٩٤ |
| | الزبيدي | محمد بن الحسن - الاندلسي ابو بكر | | | مختصر العين - لحن العامة | الاعلام ٦/٣١٢ |
| | العسكري | الحسن بن عبد الله ابو احمد | | | تصحيفات المحدثين - المختلف والمؤتلف | الاعلام ٢/٣١١ |
| | الصاحب | بن عباد اسماعيل ابو القاسم | | | المحيط - جوهرة الجمهرة | الاعلام ١/٣١٢ |
| | ابن جني | عثمان الموصلي ابو الفتح | | | الخصائص - سر الصناعة | الاعلام ٤/٣٦٤ |

| العصر | الشهرة | الاسم الكامل | الولادة | الوفاة | معطياته للمعجم واهم مؤلفاته اللغويه | مرجع معجمى لترجمته |
| --- | --- | --- | --- | --- | --- | --- |
| القرن الرابع الهجرى | الجوهرى | اسماعيل بن حماد ابونصر | | | الصحاح | الاعلام ٣٠٩/١ |
| | ابن فارس | احمد بن ذكريا القزوينى ابوالحسين | | | مقابيس اللغة - المجمل - الصاحبى الفصيح - فقه اللغة | الاعلام ١٨٣/١ |
| | العسكرى | الحسن بن عبد الله ابو هلال | | | الفروق - اسماء بقايا الاشياء مالحن فيه العامة | الاعلام ٢١١/٢ |
| | البرمكى | محمد تميم ابوالمعالى | | | المنتهى فى اللغة - ترتيب الصحاح بحسب اوئل الكلمة | الاعلام ١٣٨/٩ |

| العصر | الشهرة | الاسم الكامل | الولادة | الوفاة | معطياته للمعجم واهم مؤلفاته اللغويه | مرجع معجمى لترجمته |
|---|---|---|---|---|---|---|
| ..... القرن الخامس الهجرى ..... | الهروى | احمد بن محمد ابو عبيد | | | غريب القران - غريب الحديث | الاعلام ١/٢٠٣ |
| | امكانى | محمد بن عبد الله الخطيب | | | غلط العين - مبادى اللغة | الاعلام ٧/١٠٢ |
| | الثعالبى | عبد الملك بن محمد ابو منصور | | | فقه اللغة - المتناب. المضاف المنسوب | الاعلام ٤/٣١١ |
| | ابن القيانى | تمام بن غالب الاندلسى | | | الموعب | الاعلام ٢/٧٠ |
| | ابن سيده | على بن اسماعيل ابو الحسن | | | المحكم والمحيط الاعظم - المخصص شرح المشكل من شعر المتنبى | الاعلام ٥/١٩ |

| العصر | الشهره | الاسم الکامل | الولادة | الوفاة | معطياته للمعجم واهم مؤلفاته للغوية | مرجع معجمی لترجمته |
|---|---|---|---|---|---|---|
| | الراغب الاصبهانی | حسن بن محمّد ابُو القاسِم | | | المفردات فی غریب القرآن ـ تحقیق البیان | الاعلام ٢٧٩/٢ |
| | التبریزی | یحیٰ بن علی الشیبانی ابو ذکریا | | | تهذیب اصلاح المنطق وتهذیب الالفاظ لابن السکیت | البغية ٣١٣/٢ |
| | الحمیری | نشوان بن سعید | | | شمس العلوم | الاعلام ٣٣٦/٨ |
| | ابن القطاع | علی بن جعفر السعدی ابو القاسم | | | التنبیه والایضاح مما وقع فی کتاب الصحاح ـ تهذیب الابنیة والافعال | معجم المؤلفین ٥٢/٧ |
| | الحریری | القاسم بن علی البصری ابو محمّد | | | مقامات ابی زید ـ درة الغواص فی اوهام الخواص | الاعلام ١٢/٦ |

| العصر | الشهرة | الاسم الكامل | الولادة | الوفاة | معطياته للمعجم واهم مؤلفاته اللغويه | مرجع معجمی لترجمته |
|---|---|---|---|---|---|---|
| القرن السادس الهجری | البطليوسی | عبد الله بن محمد ابو محمد | | | المثلث - الاقتضاب | الاعلام ٤/٢٦٨ |
| | ابن الاشتر كونی | محمد بن يوسف التميمی الاندلسی | | | المسلسل فی غريب اللغة | الاعلام ٨/٢٢ |
| | الزمخشری | محمود بن عمر ابو القاسم | | | اساس البلاغة . مقدمة الادب . الفائق فی غريب الحديث | الاعلام ٨/٥٥ |
| | الجواليقی | موهوب بن احمد ابو المنصور | | | المعرب . تكملة اصلاح ماتغلط فيه العامة | الاعلام ٨/٢٩٢ |
| | البيهقی | احمد بن علی | | | ينابيع اللغة . المحيط بلغات القرآن . تاج المصادر | الاعلام ١/١٦٨ |

| العصر | الشهرة | الاسم الكامل | الولادة | الوفاة | معطياته للمعجم واهم مؤلفاته اللغوية | مرجع معجمی لترجمته |
|---|---|---|---|---|---|---|
| القرن السادس الهجری | الانباری | عبد الرحمن محمد الانصاری ابو البرکات | | | اسرار العربیة لمعة الادلة | الاعلام ٣/١٠٢ |
| | ابن بری | عبد الله بن محمد المقدسی ابو محمد | | | حواشی علی الصحاح ـ حواشی علی درة الغواص | الاعلام ٣/٢٠٠ |
| القرن السابع الهجری | ابن الاثیر | مجد الدین مبارک بن محمد الجزری | | | النهایة فی غریب الحدیث ـ الاثر علی حروف المعجم | الاعلام ٦/١٥٢ |
| | ابن الاثیر | محمد بن نصر الله الشیبانی | | | لغة الفواکهة والثمار | الاعلام ٧/٣٤٣ |

| العصر | الشهرة | الاسم الكامل | الولادة | الوفاة | معطياته للمعجم واهم مؤلفاته اللغويه | مرجع معجمی لترجمته |
| --- | --- | --- | --- | --- | --- | --- |
| القرن السابع الهجری ...... | الصاغانی | الحسن بن محمد الصحری | | | العباب ـ مجمع البحرین ـ التکملة والذیل ـ الشوارد فی اللغات الاضداد | الاعلام ٢/٢٣٢ |
| | الزنجانی | محمود بن احمد ابو الناقب | | | تهذیب الصحاح ـ تنقیح الصحاح | الاعلام ٨/٣٧ |
| | الرازی | زین الدین محمد بن محمد | | | مختار الصحاح ـ غریب القرآن | الاعلام ٦/٢٧٩ |
| | الشاطبی | محمد بن علی الانصاری ابو عبد الله | | | حواشی علی صحاح الجوهری | الاعلام ٧/١٧٣ |
| القرن الثامن الهجری | ابن منظور | محمد بن مکرم الانصاری | | | لسان العرب | الاعلام ٧/٣٢٩ |

| العصر | الشهرة | الاسم الكامل | الولادة | الوفاة | معطياته للمعجم واهم مؤلفاته للغويه | مرجع معجمی لترجمته |
|---|---|---|---|---|---|---|
| القرن الثامن الہجری | ابوحیّان | محمد بن یوسف الاندلسی | | | تحفة الأریب فی غریب القرآن<br>ارتشاف العرب من لسان العرب | الاعلام ۸/ ۲۶ |
| | الفیومی | احمد بن محمد المقری ابو العباس | | | المصباح المنیر | الاعلام ۱/ ۲۱۶ |
| القرن التاسع الہجری | الفیروزآبادی | مجد الدین محمد بن یعقوب ابوطاہر | | | القاموس المحیط ۔ الجلیس البلیغ تحبیر الموثین ۔ المثلث ۔ الامع المعین ۔ الاشارات | الاعلام ۸/ ۱۹ |

| العصر | الشهرة | الاسم الكامل | الولادة | الوفاة | معطياته للمعجم واهم مؤلفاته للغوية | مرجع معجمى لترجمته |
| --- | --- | --- | --- | --- | --- | --- |
| القرن العاشر الهجرى | السيوطى | جلال عبد الرحمن بن ابى بكر | | | المزهر - الاشباه والنظائر بغية الوعاة - اسماء الاسد | الاعلام ٣/١ ٧ |
| القرن الحادى عشر الهجرى | الخفاجى | شهاب الدين احمد بن محمد | | | شرح درة الغواص - شفاء الخليل | الاعلام ١/٢٢٧ |
| القرن الثانى عشر الهجرى | الزبيدى | مرتضى محمد بن محمد الحسينى | | | تاج العروس - الروض المسلوف - فيماله اسمان الى الالوف - مختصر العين التكملة العلة والذيل - للقاموس | الاعلام ٧/٢٩٧ |

اس نقشہ کے بعد جو بالکل اجمالی ہے ہم ان قوامیس اور ان کے مصنفین کا ذکر کرنے کی کوشش کریں گے جو قاموس نگاری میں اہمیت کے ساتھ ساتھ ہر دور کے مصنفین کے لئے مرجع کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہاں ہم اس بات کی وضاحت کرنے کی کوشش بھی کریں گے کہ کوئی بھی قاموسی عمل جو وجود میں آیا اس کی اپنی جگہ پر بڑی اہمیت اور حیثیت ہے، کیوں کہ تصنیفی عمل میں ہر عمل یا ہر تخلیق بعد کے تخلیقی عمل کے لئے معاون و مساعد ہوتی ہے لیکن اس میں جو زیادہ وسیع اور مفصل ہوتی ہے انھیں کو بعد کے لوگ اپنے تصنیفی عمل کے لئے نمونہ بناتے ہیں۔ یعنی کبھی ان میں جو کمیاں ہوئی ہیں ان میں اضافہ کرتے ہیں یا کسی دور کے تخلیقی عمل کو بنیاد بنا کر اسی کی تشریح و توضیح کرتے ہیں۔ اور یہ تشریح مستقل تصنیف کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے جیسا کہ خود "تاج العروس" کے مصنف نے اپنی معرکۃ الآرا کتاب "تاج العروس" میں فیروز آبادی کی قاموس کو اصل بنیاد بنایا ہے۔

# "اسماعیل بن حماد الجوہری" [1]

اسماعیل بن حماد الجوہری الفارابی چوتھی صدی ہجری کا مشہور ادیب اور لغت کا ماہر قرار دیا جاتا ہے۔ عجیب اتفاق ہے کہ عربی زبان جزیرۂ عرب سے نکل کر مصر و شام اور عراق کی سرحدوں کو پار کرتے ہوئے ہندوستان اور ترکستان تک بڑھتی گئی۔ اور جہاں بھی گئی وہاں اس نے اپنا مقام پیدا کیا اور ایسے ایسے اہل فن اور اہل لغت وجود میں آئے کہ یقین نہیں آتا کہ بلادِ عجم کی سرزمین میں عربی زبان و ادب کے ماہرین ہی نہیں بلکہ زبان و ادب کے رخ اور سمت متعین کرنے میں ان کا غیر فانی عمل رہا ہے۔ یہ زبان کی وسعت

---

[1] معجم الادباء، یاقوت الحموی: ص ۱۵۱ — ۱۶۵

یتمۃ الدھر، الثعالبی: ص ۳۷۳ — ۳۷۴، ج: ۴

انباء الرواۃ : ص ۳۷۳ — ۳۷۴

لسان المیزان : ص ۴۰۰ — ۴۰۳، ج: ۱

ابن شھبۃ: طبقات النحاۃ و الفنون: ص ۲۱۵ — ۲۱۸

کشف الظنون: حاجی خلیفۃ: ص ۱۰۱۷

تاریخ اداب اللغۃ العربیۃ: جرجی زیدان: ص ۳۱۱ — ۳۱۲: ج: ۲

اعلام للزرکلی: ۱/ ۳۰۹ — ۳۱۰

النجوم الزاھرۃ: ۴/ ۲۰۷

لسان المیزان: ۱/ ۴۰۰

سیر النبلاء: خ - الطبعۃ الثانیۃ والعشرون

نزھۃ الألبا: ۴۱۸

کے ساتھ ساتھ اس فکر کی حقیقت پسندی کی علامت ہے جو اس زبان کے رگ وریشے میں رواں دواں رہی ہے اور جس کی بدولت زبان میں تازگی اور زندگی اور حرکت ہر زمانہ میں اور ہر علاقے میں رواں دواں رہی ہے

اسی بلادِ عجم کا ایک فرزند اسماعیل بن حماد الجوہری جس نے عربی زبان میں اپنی ایک قاموس مرتب کی جو "الصحاح" کے نام سے مشہور ہے جو اپنی جامعیت کے ساتھ جن اصولوں پر مرتب ہے وہ خود اپنی جگہ عربی زبان وادب میں ایک عجوبہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

اسماعیل بن حماد الجوہری فاراب میں پیدا ہوا جو اس زمانہ میں ترکستان کا علاقہ تھا۔ اس کی ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں ہوئی۔ لیکن علم وادب کا شوق اس کو ملکِ عراق کھینچ لایا۔ عراق اس وقت یعنی چوتھی صدی ہجری میں عربی زبان وادب کا ہی نہیں بلکہ دنیا کے تمام علوم کا مرکز اور گہوارہ تھا۔ خلفائے عباسیہ کی توجہ جہاں اس شہر کو سجانے اور بنانے میں لگی ہوئی تھی وہیں انھوں نے اس شہر کو علمی اداروں اور کتب خانوں سے مزین کر دیا تھا۔ ایسا لگتا ہے کہ ہر گلی میں کوئی عظیم الشان ادارہ ہے جہاں اس دور کا مانا ہوا محقق اور ادیب جلوہ گر ہے۔ اور دنیا کے گوشے گوشے سے لوگ اس کی طرف کھنچ رہے ہیں جہاں تک علمی کتب خانوں کا تعلق ہے عوام سے لے کر حکومت تک اس بات کی کوشاں ہے کہ کسی موضوع کی کتاب دنیا کے کسی بھی گوشے میں ہو اس کو ہر قیمت پر حاصل کیا جائے اور اس سے یہاں کے کتب خانوں کو مزین کیا جائے چنانچہ چوتھی صدی ہجری میں شہر بغداد جیسا "بيت الحكمة" ادارہ موجود تھا جس میں تصنیف وتالیف، تعلیم وتدریس کے ساتھ ساتھ ترجمے پر کافی زور تھا۔ دنیا کے تمام زبانوں کے ماہرین ایک ساتھ اس "بيت الحكمة" کی زینت بنے ہوئے تھے۔

حکومت کے کتب خانوں اور اداروں کے علاوہ صرف شہر بغداد میں معلوم نہیں کتنے ذاتی کتب خانے موجود تھے۔ اسماعیل بن حماد جوہری کو بچپن سے علم و ادب کا غیر معمولی شوق تھا اور اسی شوق کے پیچھے وہ دیوانہ بن کر شہر بغداد آیا اور وہاں ہر قوم پر جلتی ہوئی شمعوں کا پروانہ بن گیا۔ اس کی بہت بڑی خوش قسمتی تھی کہ اس شہر میں "ابوعلی الفارس" اور "ابوعبید السیرافی" جیسے ماہر لغت اور اپنے زمانہ کے علوم پر گہری نظر رکھنے والے افراد کی سرپرستی نصیب ہوئی۔ ان دونوں کے علاوہ بغداد میں قیام کے دوران جوہری نے معلوم نہیں کتنے لوگوں سے استفادہ کیا ہوگا۔ لیکن میرا خیال ہے کہ لغت کا صحیح ذوق اور الفاظ کی تصحیح و توضیح کا ملکہ یقیناً اس کو ابوعلی الفارس اور ابوعبید السیرافی کی عنایتوں اور مشوروں سے پیدا ہو جس کا مظہر جوہری کی عظیم الشان کتاب "الصحاح" میں پوری طرح عیاں ہے۔

اگرچہ جوہری کے تذکرہ نگاروں نے یہ لکھا ہے کہ وہ اپنے اس فن میں کسی کا مقلّد یا پیرو نہیں تھا۔ یہ بڑی حد تک صحیح ہو سکتا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اچھے استاد اور محقق کی رہنمائی ہر اچھے شاگرد کے لئے اساس اور بنیاد ہوتی اور بعد میں وہ اپنی ذہنی صلاحیت کے مطابق اس کو آگے بڑھاتا ہے۔ بسا اوقات اس کا ذاتی ذوق اس کی غیر معمولی محنت کے ساتھ مل کر فن کے ظاہر و باطن کو بدل دیتے ہیں اور ایسا لگتا ہے کہ جس موضوع پر وہ لکھتا ہے ماضی کے سرمائے سے الگ ہو کر ایک نئے رنگ اور روپ میں اس کا فن سامنے آتا ہے اسی بنا پر لوگ یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں وہ اس فن کا موجد ہے۔

"الجوہری" عرصۂ دراز تک عراق میں رہا اور اس ملک کے تمام علاقوں کا دورہ کیا اور جہاں کہیں بھی اس کو اپنے مقصد و موضوع کی کوئی چیز ملی اس سے پوری طرح استفادہ کیا۔ اس کے بعد وہ دوسرے عرب

ملکوں کا دورہ کرتا ہوا اپنے وطن واپس ہوا۔ آخر میں نیشاپور میں اس کا قیام رہا جہاں وہ تعلیم و تدریس کے فرائض کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف میں منہمک رہا۔ اس نے ایسی تصانیف چھوڑیں جو عربی لغت و ادب کی تاریخ میں زندۂ جاوید رہیں گی۔ یوں تو جوہری کا ہر تخلیقی، تحقیقی و تصنیفی عمل اعلیٰ معیار کا ہے لیکن ان میں "الصحاح" کو غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی۔ "الصحاح" میں چند ایسی خصوصیات پائی جاتی ہیں جن کی بناء پر چوتھی صدی ہجری تک جو بھی قوامیس مرتب ہوئے تھے ان کو اس پر فوقیت حاصل ہے چنانچہ ابن درید کی "الجمہرۃ" اور ابن فارس کی "مجمل" اور الازہری کی "تہذیب اللغت" پر اس کو فوقیت حاصل ہے۔

الجوہری نے اپنے زمانے تک کی جو قوامیس مرتب ہو چکی تھیں ان سے پوری طرح استفادہ کیا اور اس کے ساتھ ساتھ جن الفاظ یا جن لہجات کے متعلق اس کو شک و شبہ ہوتا انھیں وہ بادیہ کے قبیلوں میں جاکر ان کی تصحیح یا تصدیق کرتا۔ چوتھی صدی ہجری میں عربی تہذیب و تمدن کے اثرات شہروں اور قصبات سے آگے بڑھ کر بادیہ کی زندگی میں نمایاں ہو چکے تھے۔ لیکن جوہری کا یہ خیال تھا کہ اب بھی بادیہ کے قبائل میں بہت سی قدیم خصوصیات باقی ہیں اور ہم اس سے استفادہ کرسکتے ہیں چنانچہ اس نے اسی بات پر عمل کیا اس طرح "الصحاح" مستعمل و مدون الفاظ کے حاوی ہونے کے ساتھ ساتھ اس میں امثال و لہجات کی تصحیح و توضیح کو پوری طرح ملحوظ رکھا گیا ہے اور یہی اس کتاب کی سب سے بڑی خصوصیت ہے۔

دوسری خوبی اس کتاب کی یہ ہے کہ جوہری نے متقدمین کے لغوی سرمائے سے پوری طرح استفادہ کیا لیکن اس میں کسی ایک کی بھی اپنے تصنیفی عمل میں تقلید نہیں کی بلکہ وہ خود اپنے طریقہ کا موجد تھا۔

اس کتاب کی اہمیت تاریخ کے ہر دور میں رہی ہے اور آج بھی ہے۔ یہ کتاب بارہا مختلف علاقوں اور مختلف زبانوں میں شائع ہو چکی ہے اور اس کا آخری ایڈیشن ۱۲۷۳ھ میں مصر میں ایک اچھے اور عمدہ مقدمے کے ساتھ شائع ہوا۔

اس طرح جوہری نے علم و لغت کے سرمائے میں اضافہ کر کے ۳۹۳ھ اور بعض اقوال کے مطابق ۳۹۸ھ میں اس دنیا سے غیر فانی دنیا کی طرف کوچ کیا۔

# ابنِ سیّدہ

پہلی صدی ہجری میں خلفاءِ بنو امیہ نے سرزمین اندلس میں اسلامی حکومت قائم کی جو خود اپنی جگہ تاریخ کا عجیب و غریب واقعہ ہے۔ مختصر مدت میں اندلس کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک عربوں کی ایک مضبوط و مستحکم حکومت قائم ہوئی اور اس میں خلفائے بنو امیہ نے جس ذہانت اور سوجھ بوجھ کا مظاہرہ کیا، تاریخ کے صفحات کا ایک سنہرا باب ہے لیکن اس سے بڑھ کر جو چیز عقل کو حیرت میں ڈالتی ہے وہ یہ ہے کہ سیاسی فتوحات کے ساتھ ساتھ علم و ادب کا قافلہ جس تیزی کے ساتھ وہاں رواں دواں تھا کہ تھوڑے عرصہ میں اس علاقہ کی ثقافتی اور لسانی بساط بالکل الٹ گئی اور اسپینی (SPANISH) زبان اور تہذیب عربوں کی تہذیب و زبان کے آگے سرنگوں ہو گئی۔ بلکہ یوں کہا جائے کہ بازاروں اور ثقافتی مرکزوں سے نکل کر ان کے گھروں میں سمٹ آئی اور مقامی زبانوں کے بجائے عربی زبان و ادب کا پڑھنا اور سیکھنا ضرورت کے ساتھ ساتھ اس زمانہ کا فیشن بھی بن گیا تھا۔ کیوں کہ سماج میں ایسے آدمی کی کوئی قدر و منزلت نہیں ہوتی تھی جو عربی زبان و ادب سے ناواقف ہو۔

چنانچہ اس بات سے یہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ جب کوئی زبان کسی ضرورت کے تحت سیکھی جاتی ہے تو اس کا انداز بالکل مختلف ہوتا ہے۔ اس کے برعکس داخلی محرک اور شوق سے ابھرنے والی کیفیت بالکل مختلف ہوتی ہے۔ اندرونی محرک کے تحت جب زبان سیکھی جاتی ہے تو سیکھنے والا ظاہری الفاظ کے ساتھ ساتھ زبان کے معانی و بیان کی تہوں میں کھو کر صرف زبان ہی نہیں سیکھتا بلکہ زبان میں زندگی اور حرکت بھی پیدا کرتا ہے۔ ہمیں اندلس میں یہ احساس اور یہ شوق تاریخ کے ہر دور میں نظر آتا ہے

اندلس جو یورپ کا ایک حسین اور پُر بہار علاقہ ہے، دوسری صدی کے بعد یہاں کے شہروں، قصبوں اور قریوں میں علم و ادب کا چرچا، اور تحقیق و جستجو کا شوق و ولولہ اسی طرح تھا جس طرح بغداد، دمشق، قاہرہ اور ماوراءالنہر کے شہروں میں تھا۔ سب سے دلچسپ بات یہ ہے کہ اندلس اور بغداد کے خلفاء کے درمیان علم و ادب کے پھیلانے اور بڑھانے میں منافست اور مسابقت کا بھی جذبہ تھا۔ جس کی وجہ سے ہر علاقہ کا ادیب، محقق، اسکالر جہاں بھی چلا جائے وہاں کے عوام سے لے کر خواص تک اس کو سینے سے لگاتے۔ بلکہ وقتاً فوقتاً لالچ دینے کی بات آتی تو اس سے بھی گریز نہ کرتے۔ اس منافست و مسابقت کی وجہ سے تاریخ کے مختلف زمانوں میں مشرق و مغرب میں جو چھوٹی چھوٹی حکومتیں قائم ہو گئی تھیں، اور ہر حکومت کے سیاسی حدود بھی ہوتے تھے لیکن علماء و محققین کے لئے کہیں بھی کوئی سیاسی حد بندی نہیں تھی۔ وہ جہاں بھی جاتا مہمان نہیں بلکہ صاحب خانہ کی حیثیت سے رہتا۔ اس چیز نے جہاں علم و ادب کے قافلوں میں تیزی و حرکت پیدا کی اسی کی بدولت مشرق و مغرب کی علمی و ادبی تخلیقات ایک جگہ سے دوسری جگہ بہت کم مدت میں منتقل ہو جاتیں۔ مشرق کے محققین اور مؤلفین کی تصانیف سے اندلس کے کتب خانے مزین ہو جاتے اور اسی طرح مغرب کے محققین اور مصنفین کی تصانیف دمشق، بغداد اور قاہرہ کے کتب خانوں کی زینت بن جاتے۔ اسی طرح ایک ادبی و ثقافتی وحدت کا قیام عمل میں آیا۔ جس نے عربی تہذیب و تمدن اور ادب و ثقافت کو اعلیٰ منزل تک پہونچا دیا۔ اور اہم موضوع اور فن پر ایسا عظیم الشان تصنیفی و تحقیقی عمل وجود میں آیا جو آج تک اسی آن بان کے ساتھ زندہ و جاوید ہے۔ اندلس میں جہاں بڑے بڑے ..... مورخین، فقہ و شریعت کے علماء، فلسفہ اور سائنس کے اسکالر پیدا ہوئے وہیں لغت اور زبان کی ماہر ایسی شخصیتیں وجود میں آئیں جو عربی تہذیب کے لئے باعث فخر ہیں۔

انھیں شخصیتوں میں محمد بن حسن الاندلسی الزبیدی، ابن قیانی، تمام بن غالب الاندلسی اور علی بن اسماعیل بن سیدہ ہیں ۔

ابن سیدہ کے بارے میں تمام مورخین کا اختلاف ہے کہ ان کا نام احمد تھا یا۔ اسماعیل ۔ اگرچہ زیادہ تر مورخین اس بات کے مؤید ہیں کہ ان کے والد کا نام اسماعیل تھا۔ ابن سیدہ ۳۹۸ھ میں مرسیہ شہر جو قرطبہ کے مشرق میں واقع ہے، پیدا ہوئے [1] یہ قرطبہ شہر چوتھی صدی ہجری میں صرف اندلس ہی میں نہیں بلکہ دنیا کے چند اہم علمی اور ادبی مراکز میں شمار ہوتا ہے ۔ ابن سیدہ نابینا پیدا ہوئے اور ان کے والد بھی نابینا تھے لیکن اپنے زمانہ کے

---

[1] وفیات الاعیان: ابن خلکان ؛ ص ۷۳۱ ؛ ج ۔ ۱
معجم الادباء: یاقوت الحموی: ص ۲۳۱
انباء الرواۃ للقفطی ــــــــ ؛ ص ۲۲۵ - ۲۲۷ : ج ۔ ۲
لسان المیزان: ابن حجر ؛ ص ۲۰۵ - ۲۰۶ ؛ ج ۔ ۴
البدایۃ والنہایۃ : ص ۹۰ ؛ ج ۔ ۱۲
مرآۃ الجنان ؛ ص ۸۲ - ۸۳ ؛ ج ۔ ۳
کشف الظنون : ص ۶۹۱ ۔ ۸۱۲
ہدیۃ العارفین: البغدادی ؛ ص ۶۹۱ ؛ ج ۔ ۱
تاریخ آداب اللغۃ العربیۃ ؛ ص ۲۱۳ ؛ ج ۔ ۳
اعلام ؛ للزرکلی ؛ ص ۶۹ ؛ ج ۔ ۵
بغیۃ الملتمس ؛ ص ۴۰۵
نفح الطیب ؛ ص ۸۷۵ ، ج ۔ ۲
نکت الہمیان ؛ ص ۲۰۴
الصلۃ : ص ۴۱۰
دائرۃ المعارف الاسلامیۃ ؛ ص ۲۰۲ ج ۔ ۱

عربی لغت نویسوں میں ان کا بڑا بلند مقام تھا۔ اپنے والد کے علم سے انھیں استفادہ کا موقع ملا اور یہ چیز بڑی عجیب و غریب ہے کہ بصارت سے محروم ایک شخص صاحب بصارت سے زیادہ ذہین اور فہم و فراست کا مالک ہوتا ہے۔ قدرت کا اصول ہے کہ اگر وہ کسی ایک نعمت سے محروم کرتی ہے تو اس تناسب سے دوسری نعمتوں میں اضافہ کر دیا کرتی ہے۔ پھر نابینا باپ اپنے نابینا بچہ کی نفسیات کو ملحوظ رکھتے ہوئے تعلیم و تربیت زیادہ بہتر طور پر دے سکتا ہے کیوں کہ اس راہ کی دشوار منزلوں سے گزرنے کے بعد اسے تعلیم و تدریس کے تجربوں سے فائدہ پہچانے کا زیادہ موقع میسر ہوتا ہے۔ انھوں نے اپنے نابینا بیٹے کو بڑے شوق و لگن سے ابتدائی تعلیم دینی شروع کی۔ ابن سیدہ کے تذکرہ نگاروں نے ان کے والد کے لڑکپن کے اساتذہ میں صرف ان کے والد ہی کا تذکرہ کیا ہے۔ لیکن یہ چیز قرین قیاس نہیں ہے کہ ایک فرد کسی طالبِ علم کو ہر طرح کے موضوعات پڑھائے۔

ان کے والد کے بعد دوسرا نام جو ان کے اساتذہ میں آتا ہے وہ ابو الاعلیٰ ساعد بن حسن بن عیسیٰ الربعی البغدادی کا ہے، جو بغداد سے ہجرت کر کے اندلس میں مقیم ہو گئے تھے۔

ابو الاعلیٰ جو اصلاً بغداد کے تھے اور انھیں زمانہ کے علوم پر دسترس حاصل تھی۔ یقیناً جب وہ بغداد سے اندلس گئے ہوں گے تو ان کے ساتھ مشرقی علماء کے علمی نوادر بھی رہے ہوں گے۔ اس طرح ابن سیدہ کو ایک استاد کی رہنمائی نصیب ہوئی اور انھوں نے علم کی راہ میں قدم رکھا۔

چوتھی صدی ہجری میں اسلامی علوم کے ساتھ ساتھ ادبی علوم میں بڑی حد تک پختگی آچکی تھی۔ اور اس دور تک تمام بکھرے ہوئے علوم مرتب ہو چکے تھے۔ انھیں علوم میں علم لغت اور قاموس نگاری بھی شامل ہے۔ مشرقی علاقوں کے علماء کے لغت کے سلسلے میں دو کارنامے ہیں۔ پہلا یہ کہ مدوّنہ

کتب سے استفادہ اور دوسرا عرب قبائل میں جاکران سے امثال اور لہجات کے سلسلے میں معلومات فراہم کرنا، اور انھیں کی زبان سے ان الفاظ کے سلسلے میں جن میں شک وشبہہ ہو اس کی توضیح کرنا اور شبہات دفع کرنا۔ چنانچہ مشرقی علماء کے تذکروں میں ان کے مختلف علاقوں کے سفروں کا بھی تفصیل سے حوالہ ملتا ہے۔

اس کے مقابلے میں مغرب کے علماء کو اسفار کی زحمتیں نہیں اٹھانی پڑیں کیوں کہ اندلس کے قبائل کا قدیم عربی زبان سے کوئی تعلق نہیں، اور جہاں تک مشرقی علاقوں کے قبائل کے امثال ولہجات کا تعلق تھا وہ تیسری صدی تک کے علماء نے اس کام کو بڑی حد تک پورا کر دیا تھا۔ جو کتابیں لغت اور لہجات کے سلسلے میں منظر عام پر آئیں ..... ان میں بڑا تنوع تھا۔ کبھی تنوع اتنا پھیلا ہوا نظر آتا ہے کہ یہ شبہہ پیدا ہونے لگتا ہے کہ ان علوم کا تعلق لغت اور معجم نگاری سے کیا ہے ___ ؟ لیکن معاجم کا جب مطالعہ کیا جائے تو اس وقت اندازہ ہوتا ہے کہ معجم نگار کو کن کن علوم کی ضرورت پڑتی ہے۔ ان علوم میں نحو۔ صرف۔ الفاظ کے اصول۔ مختلف ادوار کے شعراء کے کلام پر نظر ایام العرب یعنی تاریخ یا وہ علوم جو ان سے متعلق ہیں جیسے جغرافیہ اور شریعت کا علم

ابن سیدہ کے بارے میں تمام مؤرخین لکھتے ہیں کہ ان کے اپنے زمانہ کے نحو، لغت، اشعار اور ایام عرب کے سلسلے میں اس سے بڑھ کر کوئی عالم اور نہیں تھا۔ جہاں ابن سیدہ کی تصانیف کا حوالہ ملتا ہے ان میں حماسہ کی شرح جو دس جلدوں پر مشتمل ہے، عروض وقافیہ کے موضوع پر "الوافی فی من القوافی" کے نام سے مشہور ہے۔ شرح اسرار و منطق اور "کتاب العالم" جس کو اس نے افلاک سے شروع کیا ہے اور ذرے پر ختم کیا یا ان تمام موضوعات پر گہری نظر ہے جس کا بظاہر فن لغت اور معجم نگاری سے تعلق نظر نہیں آتا لیکن

میرا خیال یہ ہے کہ تصنیفی عمل میں یہ علوم ہر طرح ... مفید اور معاون و مساعد ثابت ہوتے ہیں۔ کیوں کہ تصنیفی عمل میں موضوع کے ساتھ جو چیز زیادہ موثر ہوتی وہ یہ ہے کہ موضوعات کو کس طرح ترتیب دیا جائے اور ترتیب کتنی منطقی اور سائنسی ( Logical & Scientific, ) ہے اسی سے ہر تصنیفی عمل دوسروں سے ممتاز ہوتا ہے

اس طرح ابنِ سیّدہ نے اپنے زمانہ کے متداول علوم پر دسترس حاصل کرنے کے بعد تصنیف و تالیف کے میدان میں قدم رکھا۔ اور فنِ لغت اور معجم نگاری دو ایسی تصانیف چھوڑیں جس میں فنی تصنیف کے اعلیٰ معیار کے ساتھ ساتھ ... مواد کی کثرت و وسعت اس طرح شامل ہے کہ آج بھی موسوعی عمل ... ( Encyclopaedic Practices, ) کے لئے بڑے بڑے ادارے قائم ہیں وہ بھی اس طرح کا تصنیفی عمل پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ ابن سیدہ نے اپنی دو کتابوں "محکم" اور "مخصص" میں اپنے زمانہ کے تمام مواد کو سونگھ لیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ جو کلام عرب سے الفاظ کی شرح اور توضیح میں شواہد پیش کئے ہیں وہ اپنی جگہ بالکل نادر ہیں۔ کیوں کہ قاموسی عمل میں سب سے زیادہ بنیاد کلام عرب کے اشعار سے شواہد ہیں۔ چنانچہ ابنِ سیدہ کے بارے میں مشہور یہ ہے کہ اس نے اپنی دونوں کتابوں میں کلام عرب کے ان شواہد کو پیش کیا ہے جو ہر اعتبار سے ثقہ ہے۔ اس طرح معجم نگاری اس زمانہ کے عظیم معجم نگاروں کے ذریعہ آج کل کے موسوعی عمل سے زیادہ قریب ہیں۔

ابنِ سیّدہ نے "مخصص" کے مقدمے میں چند باتوں کی طرف اشارہ کیا ہے

(۱) الفاظ پر جو انھوں نے بحث کئے ہیں کہ وہ کس طرح وجود میں آئے ہیں وہ الہامی ہیں یا اکتسابی۔ اس مسئلہ کو جس طرح انھوں نے پیش کیا وہی انسان اس پر اپنی رائے دے سکتا ہے جس کو زبان کے مزاج سے پوری واقفیت ہو اور اس کے ساتھ ساتھ انسانی زندگی کے نشیب و فراز پر بھی اس کی

نظر ہو کیوں کہ بہت سے الفاظ میں زمانہ کے ساتھ ساتھ ان کے معنیٰ میں تبدیلیاں آتی رہتی ہیں۔ گویا لفظ جامد نہیں بلکہ متحرک ہوتا ہے اور جس کی بدولت اس میں انسانی فکر و فلسفہ زمانہ کے ساتھ ساتھ سمو جاتی ہے اور دیکھتے دیکھتے ایک قوم کا لغوی سرمایہ کہاں سے کہاں پہنچ جاتا ہے۔ اس طرح انھوں نے اس مسئلہ کے بڑے اہم نکات کی طرف اشارہ کیا۔

(۲) اپنی اسی کتاب کی تصنیف کے سلسلے میں انھوں نے جن کتابوں سے استفادہ کیا ہے ان کا حوالہ دیا ہے۔ ان کتابوں کے حوالوں سے دو باتوں پر یقین ہوتا ہے۔

(الف)

چوتھی صدی ہجری تک مشرقی و مغربی علماء کی تصانیف ہر علاقہ میں پہنچ چکی تھی۔ اگرچہ اس زمانہ میں نقل و حرکت کے ذرائع و وسائل بہت محدود تھے لیکن عوام و خواص کے علمی شوق نے دور دراز کی مسافتوں کو ختم کر دیا تھا اور علمی کارواں باد نسیم کی طرح ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ تک لوگوں کو اپنے علم و فن سے محظوظ و محفوظ کر رہے تھے۔

(ب)

جب کوئی مصنف اپنے تصنیفی عمل کے سلسلے میں متقدمین کی کتابوں کا ذکر کرتا ہے تو اس سے مختلف زبانوں کی کتابوں اور مختلف علاقوں کے مصنفین کی توثیق و تصدیق ہو جاتی ہے۔

(۳) مقدمہ میں انھوں نے اپنی قاموس کے سلسلے میں جو طریقہ اور نہج اپنایا ہے اس کی بھی وضاحت کی ہے۔ بلکہ جس نہج کو انھوں نے اپنایا ہے اس کے مقلدین کے متعلق بھی وہ بڑی صراحت سے بیان کرتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ فنِ لغت خلیل نے "کتاب العین" میں جو طریقہ اپنایا تھا

وہ لغت نگاری کے لئے بہت ہی موزوں تھا چنانچہ وہ خود بھی اسی طریقہ کے مقلدین طریقہ جو خلیل کا تھا اس کو ابو علی القافی نے اپنی کتاب "البارع" میں، اور ابو المنصور عصری نے اپنی کتاب "تہذیب" میں اور ابن العباد نے اپنی کتاب "المحیط" میں اور بحر ابن حسن زبیدی نے اپنی کتاب "مختصر العین" میں اپنایا ہے اور خود ابن سیدہ ہی نے اس طریقہ کو زیادہ مناسب و صحیح تصور کیا ہے۔

"محکم" اور "مخصص" کو لغت کی تصانیف میں بڑی مقبولیت حاصل ہوئی اور سب سے پہلے ان کتابوں کی نہج پر فیروز آبادی نے اپنی معرکتہ الآرا تصنیف "القاموس المحیط" مرتب کی اور اسی قاموس پر زبیدی نے اپنی عظیم الشان تصنیف "تاج العروس" جو اصلاً قاموس کی شرح ہے کی بنیاد رکھی۔ لیکن ان کی شرح نے مستقل تصنیف کی شکل اختیار کر لی اور آج تک اہل زبان کے لئے مرجع بنی ہوئی ہے۔

ہندوستان اور عرب کے تعلقات کی ابتدا تو بہت پہلے سے ہو چکی تھی، لیکن گہرا اور پائیدار تعلق اس وقت ہوا جب مسلمان عربوں نے ہندوستان کی سرزمین پر اپنے قدم رکھے۔ اس وقت سے عربی تہذیب و تمدن اور عربی زبان نے ہندوستانیوں کے دلوں میں اپنا گھر کرنا شروع کیا۔ ہندوستانی علماء نے عربی زبان و ادب میں اسی طرح دستگاہ حاصل کی جس طرح دوسرے علوم و فنون میں حاصل کی تھی۔ بڑے بڑے عربی شاعر و ادیب پیدا ہوئے۔ اس سلسلے میں تاریخ ابو عطاء السندی کو فراموش نہیں کر سکتی جو باوجود ہندوستانی ہونے کے عربی زبان کے ایک بلیغ شاعر گزرے ہیں۔ اس طرح عربوں کے ورود کے بعد سب سے پہلے مصنف بھی ایک ہندوستانی عالم ہوئے جن کو

تاریخ ابوبکر ربیع بن صبیح ( ۔ ۱۶۰ ھجر ) کے نام سے یاد کرتی ہے ۔ [1]

علم لغت چوں کہ زبان ہی کی ایک کڑی ہے ۔ اس کے بغیر زبان کا سمجھنا ناممکن سا ہے ۔ اس لئے لغت عربی کے سلسلے میں ہندوستان میں جو کام ہوا اسے ہم تین عظیم قاموس نگاروں سے موسوم کر سکتے ہیں ۔ [2]

---

[1] تعمیرِ حیات ( پندرہ روزہ جریدہ ) شعبۂ تعمیر و ترقی ۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء ۔ ج ۔ ۲ ، ۲۵ ، مئی ۱۹۶۴ء مطابق ۱۲ ، محرم الحرام ۱۳۸۴ ھجر ، شمارہ ۔ ۱۴ ۔ صفحہ ۔ ۷

[2]

Contribution of India to Arabic literature.

by : Dr. Zubaid Ahmad, page 172

" As to the contribution of India to Arabic lexicography, we find that three of the first class Arab dictionaries are works of scholars, connected with Indiaa in some way or the other. One of them is of foreign origin, but his father settled at Lahore, where he was born, and hence he is called Lahori or Hindi. The second is a genuine foreigner, but he paid two visits to India and received royal patronage from the King of Delhi. The third is a native of India, was born in India, and received his early education here, and then went abroad in pursuit of knowledge, to shine eventually like the Sun in the sky of Arabic learning"

(۱) عربی لغت حقیقی معنوں میں جن کا ممنون احسان ہے اور بلا کسی تکلف کے جن کا نام سر فہرست لیا جا سکتا ہے۔ ان میں سب سے پہلا نام حسن بن محمدؒ الصغانی کا نام ہے۔ ان کا انتقال ۶۵۰ھ میں ہوا۔ انھوں نے "العباب الزاخر" کے نام سے ایک ایسی کتاب لکھی جو اس فن میں سب سے پہلی اور ممتاز کتاب ہے۔

(۲) لغت عربی پر گہرا کام کرنے والے دوسرے عالم کا نام شیخ محمد بن طاہر پٹنی کا ہے۔ انھوں نے حدیث نبویؐ کی ایک جامع اور مفصل لغت تیار کی ہے جس کا نام "مجمع بحار الانوار فی غریب الحدیث" ہے۔ یہ ضخیم اور جامع کتاب ہے جو چار جلدوں پر مشتمل ہے۔ یہ در اصل صحاح ستہ کی شرح ہے۔ اس میں قرآن و حدیث کے مطالب کو اجاگر کیا گیا ہے اور ان کی لغات پر بحث کی گئی ہے ہندوستان کے ایک بڑے مصنف اور اہل علم نواب صدیق حسن خاں صاحب جنھوں نے خود لغت پر بڑا کام کیا ہے اس کتاب پر اس طرح تبصرہ کرتے ہیں ــــ

"کتاب متفق علیٰ قبولہ بین اھل العلم منذ ظھر

فی الوجوہ و لہ منۃ عظیمہ لاھل العمل علیٰ اھل العلم

اس کتاب کے مصنف شیخ محمد طاہر بن علی پٹنی گجراتی ہیں جو فنِ حدیث میں ایسا ملکہ رکھتے ہیں کہ ان کے فضل و کمال کی شہرت ساری دنیا میں ہے۔ ان کی تصنیفات سے حجاز و شام اور مصر کے علماء تک بے نیاز نہیں ہیں ان کی ساری عمر تصنیف و تالیف میں گزری۔ ۹۱۳ھ میں پٹن (جو صوبہ گجرات کا ایک شہر ہے) میں پیدا ہوئے اور ۹۸۶ھ میں شہادت حاصل کی۔ ان کی ایک دوسری کتاب لکھی ہے جس کا نام "کتاب فی حل غرائب مشکوٰۃ المصابیح" ہے۔ [۱]

---

[۱] تعمیر حیات ۔ جلد: ۲، ۲۵ رمئی ۱۹۶۴ء، شمارہ: ۱۴

(۳) تیسرے عالم سید مرتضیٰ الزبیدی ہیں جنھوں نے "تاج العروس" کے نام سے لغت عربی پر مکمل کام کیا ہے۔ ان کا انتقال ۱۲۰۵ھ میں ہوا۔ [1]

ان مصنفین کا اور ان کتابوں کا صرف ہندوستان ہی کے اہلِ علم پر احسان نہیں بلکہ یہ کتابیں ایسی معرکۃ الآرا ہیں کہ عرب کے اہلِ علم اور ممتاز علماء تک ان کی عظمت کے قائل ہیں۔ عرب علماء لغت نے برابر ان کتابوں سے استفادے کئے اور اب تک کرتے ہیں۔ انھوں نے ان کتابوں کے حاشیئے لکھے، ان کی شرحیں تیار کیں اور ان کے اقتباسات اور خلاصے لکھے۔

ان عظیم لغت نویسوں کے علاوہ بھی سرزمین ہندوستان پر چند ایسے علماء ہوئے جنھوں نے عربی لغت نویسوں میں کافی نام پیدا کیا۔ جن میں عبد الرشید ٹھٹھوی نے شاہ جہاں کے حکم سے ایک عربی

---

[1]

Contribution of India to Arabic literature -

- by Dr. Zubaid Ahmad.

" The third great Lexicon writer, who was real native of India, but left it for Arabia and Egypt in search of knowledge, is Sayyid Murtada Zabidi, already noticed, who was destined to write a very comprehensive and extensive commentary - entitled Tajul-'Urus on the Qamis. This work is also too well-known to need any discussion here.

لغت کی تالیف کی جو "منتخب اللغۃ" کے نام سے مشہور ہوئی [1]

دوسرے شیخ عبدالرحیم ابن عبدالکریم ہیں جو صفی پور ضلع اناؤ میں ایک بڑے عالم اور لغوی فاضل گزرے ہیں۔ انھوں نے لغت پر "منتھی الادب فی لغات العرب" کے نام سے ایک ضخیم اور مفید ترین کتاب لکھی ہے۔ جو اپنی افادیت اور ضخامت کے لحاظ سے بہت سی لغت کی کتابوں سے بے نیاز کردیتی ہے۔ اس کتاب کا ماخذ قاموس صحاح، نہایۃ، مجمع البحار، دیوان الادب، مہذب، مز اور کئی دوسری کتابوں میں ہے آپ کا

---

[1]

37- Contribution of India to Arabic Literature:
- by : Zubaid Ahmad, page: 174

" In addition of those three great Lexicographers, there has been in India another group of scholars of the same number (i.e. three) who were well-versed in this branch of Arabic Philology.

One of them is Abd al-Rashid Thathawi, who by order of Shahjahan, composed a dictionary of Arabic words entitled Munla Khab al-Lughat, using Persian as the vehicle. This work is much used in India."

انتقال کلکتہ میں ۱۱۶۰ھ میں ہوا۔ [1]

تیسرے لغوی مفتی سعد اللہ مرادآبادی ہیں جنھوں نے "القول المانوس فی صفات القاموس" تصنیف کی لیکن غدر کے بعد ان کا انتقال ہوگیا اس لئے سیّد مرتضیٰ زبیدی کے زمانہ کے علماء میں انھیں نہیں شمار کیا جاسکتا اس لئے یہاں ان کا تفصیلی ذکر مناسب نہ ہوگا۔ بارہویں صدی ہجری کے ہی ایک لغت نویس کا ذکر کرنا یہاں ضروری ہے جن کے بغیر عربی لغت نویسی کا مضمون نامکمل رہے گا۔ یہ محمد علی الفاروقی ہیں جن کی معرکتہ الآرا تصنیف —

---

[1]

Contribution of India to Arabic Literature:

- by : Dr. Zubaid Ahmad, page: 174

" The second of these scholars is Abd-al-Rahim of Safipur, who flourished about the end of the Mughal period and died shortly before the Mutiny. He composed a voluminous dictionary entitled Muntaha-al-' Irab, consisting of three volumess, but here again the medium is Persian. In India this lexicon is so much used that it has almost replaced all other dictionaries.

"کشاف اصطلاحات الفنون" ہے [1]

لغت نویسی ہی کے موضوع پر چار جلدوں پر مشتمل ایک کتاب اور ہے جس کا نام دستور العلماء (جامع العلوم فی اصطلاحات العلوم والفنون) ہے۔ یہ کتاب اپنے دامن میں بڑی توضیح و تفصیل کو سمیٹے ہوئے ہے۔ اس کی تین جلدیں اصل

---

[1]

Contribution of India to Arabic Literature :
- by : Dr. Zubaid Ahmad, page: 175

" This article on the contribution of India to Arabic Lexicography would remain incomplete if at the end - mention, were not made of a most important work written in India, which is not exactly a lexicon in the propper sense of that term, but a dictionary of technical terms, I mean the Kashshaf Istilahat al-Funun- composed by Muhammad Ali al-Faruqi, Thanabhawan (in the district of Muzaffarnagar) about the middle of the 12th century of the Higri, the dates of its completion being 1156. This work, as indicated by its very title, deals with all the technicalities of all the Arabic arts and sciences. It is of immense help as a reference book, and has been published in two large volumes - under the auspices of the Asiatic Society of Bengal.

ہیں اور چوتھی جلد اس کے ضمیمہ کے طور پر ہے جس کو ضمیمہ دستور العلمار کہا جاتا ہے۔ اس کے مصنف قاضی عبدالنبی بن عبدالرسول احمد نگری ہیں۔ یہ بزرگ احمد نگر (ہند) میں پیدا ہوئے اور تعلیم کے بعد احمد نگر ہی کے قاضی ہو گئے۔ ان سے بہت سے علمار نے استفادہ کیا اور یہ کئی تصانیف کے مصنف ہیں۔

اسی طرز پر بس تھوڑے سے فرق کے ساتھ شیخ قاضی ابراہیم بن فتح اللہ ملتانی نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام معارف العلوم ہے۔ یہ کتاب عربی علوم و فنون اور اس کے اصول پر لکھی گئی ہے۔ شیخ ابراہیم ملتان کے تھے جو پنجاب اور سندھ کے درمیان واقع ہے۔ انھوں نے بڑے بڑے علمار سے علم حاصل کیا اور آخر میں حیدر آباد کے شہر بیدر کے قاضی ہو گئے ۹۶۶ھ میں انتقال کیا۔

ان کتابوں سے پہلے ایک اور کتاب لکھی گئی ہے جو اگرچہ زمانہ کے اعتبار سے سب سے مقدم ہے لیکن چوں کہ لغت پر حاوی نہیں ہے۔ صرف ایک چیز کے متعلق تفصیلی ذکر ہے۔ اس کا نام "الجماھیر فی معرفۃ الجواھر" ہے۔ اس کتاب میں جواہرات اور اس کے قسموں کے متعلق تفصیل ہے۔ اس کے مصنف مشہور عالم ابوالریحان محمد بن احمد البیرونی خوارزمی ۳۶۲ھ میں بیرون (سندھ کے ایک شہر) میں پیدا ہوئے۔ بادشاہوں کے مقرب تھے۔ علم کے بڑے شائق تھے۔ علم نجوم ہیئت، منطق اور حکمت میں مہارت تامہ حاصل تھی، اور ان فنون میں ان گنت (بے شمار) تصانیف لکھی تھیں۔ ان کی ایک کتاب ہندوستان کے حالات پر ہے اس کا نام عجائب الھند ہے۔ اس کتاب میں ہندوستان کے حالات مذاہب کی تفصیل، جغرافیہ اور ہندسہ کا بیان ہے۔ اسی طرح ان کے عربی قصائد مشہور ہیں۔ ایک قصیدہ کے دو شعر درج کئے جاتے ہیں جو بادشاہوں کی

صحبت کے متعلق ہیں۔

ولمّا مضوا واعتضت عنهم عصابة

دعوا بالتناسی فاغتنمت الثنایا

وخلقت فی غزنین لحماً کمضغة

علی وضم للطّیر للعلم ناسیا[1]

---

[1] تعمیر حیات ــــ جلد: ۲، ۱۰ رجون ۱۹۶۴ء
مطابق ۲۸ محرم الحرام ۱۳۸۴ھ، شمارہ ۱۵،
صفحہ ۱۱ : ۹۔

(ہندوستان میں عربی لغت پر کام ــــ سید محمد ثانی حسنی

(مدیر رضوان)

# "الامام الصاغانی" [1]

۵۷۷ھ — ۶۵۰ھ ۱۱۸۱ء — ۱۲۵۷ء

اسلامی فتوحات کے بعد مملکت اسلامیہ کے حدود میں توسیع کے ساتھ ساتھ جو چیز قابلِ غور ہے وہ یہ کہ اسلام نے مختلف اقوام و اجناس کی ذہنیت سرے سے بدل دی۔ مقامی زبانوں اور ثقافتوں نے جہاں اسلامی فکر و ثقافت کے سامنے اپنا سر نگوں کیا وہیں اس کے اندر ایک عالمی وحدت کا تصور پیدا ہوا۔ اور شاید اسی تصور نے اسلامی اور عربی ثقافتی تہذیب کے کارواں کو تیز گام کر دیا۔ جس کی بنا پر مختلف علاقوں کے قبائل اور قومیں ایک جگہ سے دوسری جگہ اس طرح جاتیں اور بس جاتیں گویا ہر علاقہ ان کا آبائی وطن ہے۔ جہاں کبھی اس طرح کے کارواں آتے اور جاتے وہاں کے لوگ اسی پیار سے ان کا خیر مقدم کرتے۔ اور یہ

---

[1] سبعة المرجان: آزاد بلگرامی، ص: ۲۸ — ۲۹

ابجد العلوم، صدیق حسن خاں، ص: ۸۹۰ — ۸۹۱

الاعلام قاموس تراجم، خیر الدین الزرکلی، ص: ۲۳۲، ج: ۲ ط الثانیۃ

ھدیة العارفین، اسماعیل پاشا البغدادی، ص ۲۸۱، ط ۱۹۵۱ء

تذکرہ علماء ھند ......... ص ۱۲۲ — ۱۲۳

العباب الزاخر واللباب: مقالة للاستاذ عبد العزیز المیمی سنہ ۱۹۶۱ء مجلة اللغة العربیة بدمشق

نزھة الخواطر: عبد الحیٔ، ص ۱۳۶ — ج: ۱

تاریخ آداب اللغة العربیة، جرجی زیدان ص ۹۱، ۶۹ — ۶۹، ج ۲

ماثر الکرام: آزاد بلگرامی ص ۱۸۰ — ۱۸۱ — ۱۸۲

ثمرات القدس — ص ۳۲۸ — ۳۲۹

اس طرح کا خیر مقدم ہوتا جس طرح کوئی بھائی اپنے دور دراز سے لوٹ آنے والے بھائی کا کرتا ہے۔ کہ آنے والا خود ہی حیران ہو جاتا کہ وہ آیا کسی اجنبی جگہ پر قدم رکھ رہا ہے یا اس کا بھولا ہوا گھر ہے کہ جس کے در و دیوار اس کو اپنی آغوش میں لینے کے لئے بڑھ رہے ہیں۔

اسی طرح کے چلتے پھرتے کارواں میں امام صاغانی کے خاندان کا کارواں بھی ہے۔ وہ علاقائے ماوراء النہر میں صاغان مقام جو اصلاً چیغان ہے، سرگرداں اور پھرتا ہوا لاہور کے چمستانوں میں پہونچا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ لاہور ہندوستان میں عربی اور اسلامی علوم و فنون کا مرکز اور گہوارہ بنا ہوا تھا۔ اس شہر میں صاغانی کے آباء و اجداد اس طرح بس گئے اور لوگوں میں شیر و شکر ہو گئے گویا یہی ان کا آبائی وطن تھا۔

لاہور جو ہندوستان کا زرخیز، شاداب، پر بہار، اور اس زمانہ کا ادب و ثقافت

---

مسلسل:۔ عہد اسلامی کا ہندوستان : ریاست علی ندوی، ص ۱۶۸-۱۶۹

تاریخ الاولیاء ص ۱۱۷، ج ۲۱

تزکرۃ الواصلین ص ۹۶ — ۱۰۰

علامہ حسن صنعانی کا وطن : مولانا ضیاء احمد بدایونی ۔ ذو القرنین بدایوں نمبر، اپریل ۱۹۵۶ء

حدائق الحنفیۃ ص ۲۵۲ — ۲۵۵

اتحاف النبلاء ص ۲۴۳ — ۲۴۴

الفوائد البہیۃ ص ۶۳۶۔

النجوم الزاہرۃ ص ۲۶، ج : ۷

الجواہر المضیۃ ص ۲۰۱، ج : ۱

الفہرس التمہیدی ص ۲۴۰-۲۵۴-۲۶۱

تہذیب و تمدن کا مرکز بنا ہوا تھا جب اسلامی مملکتیں مختلف حصوں میں بٹی ہوئی تھیں۔ اور سیاسی نظام میں کہیں کہیں لوگوں میں بددلی اور بے چینی پیدا کئے ہوئے تھی۔ لیکن ایسا لگتا ہے کہ سلاطین اور حکام اپنی سیاسی بدگمانیوں کے باوجود علم دوست تھے اور اہل فن و کمال کے قدر داں بھی تھے

صاغانی ۵۷۷ھ میں پیدا ہوئے [1] ان کے والد کے بارے میں مورخین کا کہنا ہے کہ وہ اس زمانہ کے مروجہ علوم سے واقف تھے۔ چنانچہ امام حسن الصاغانی کو پہلے ہی مرحلے میں ایک اچھا اسکول اپنے باپ کی گود میں نصیب ہوا۔ اور درحقیقت یہ ایک ایسا اسکول ہے جہاں ہر چیز فطری طور پر بتائی اور سکھائی جاتی ہے کیوں کہ اس میں تصنع اور تشدد کا کوئی شائبہ تک نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس زبان سے بچہ ابتدائی تعلیم کے الفاظ سیکھتا ہے اس میں علم کی شعاعوں کے ساتھ ساتھ ان کی لہروں میں محبت بھی موجزن ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس مرحلہ میں دل و دماغ کو یکساں غذا میسر ہوتی ہے اور آئندہ کے مراحل آسان ہو جاتے ہیں۔ کیوں کہ لگن اور دھن جس کا مرکز دل ہے وہ اگر مضبوط اور مستحکم ہو تو منزل کی مشقتیں آسان نہیں بلکہ مسافر کو اس میں وجد و طرب محسوس ہوتا ہے

---

[1]

Contribution of India to Arabic Literature,
by Dr. Zubaid Ahmad, page..172.

"Radi-al-Din Hasan al-Saghani al-Hindi, (650/1252) who has already been noticed in the discussion on the contribution of India to Arabic Literature and Hdith. He was a great traditionist and Philologist, and wrote a number of books."

اور ایک منزل سے دوسری منزل تک جب وہ پہنچتا ہے تو اس کے جسم غبار راہ سے آلودہ تو ضرور ہو جاتے ہیں لیکن اس کی آنکھوں میں چمک بڑھ جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس طرح کے راہیوں نے جو کارنامے دکھلائے ہیں اگر وہ کتابوں میں محفوظ نہ ہوتے اور مختلف ذرائع سے ان کی تصدیق نہ ہوئی ہوتی تو بسا اوقات دماغ ان کو قبول نہ کرتا، لیکن ان کے کارنامے حقیقت ہیں نہ کہ افسانے۔ جو باتیں بھی کہی گئیں وہ صاغانی پر پوری طرح صادق آتی ہیں۔

امام الصاغانی نے اپنے والد کی آغوش میں اس زمانہ کی مروجہ تعلیم حاصل کر لی تھی جس کی بنا پر قطب الدین ایبک نے لاہور میں قضاۃ کا عہدہ پیش کیا تھا لیکن امام الصاغانی نے اس کو منظور نہیں کیا۔ ایسا لگتا ہے کہ ان کے علم کی تشنگی باقی تھی۔ ان کا نفس جوالہ صرف لاہور کی تعلیم پر راضی نہ تھا بلکہ ان کی دوربین نگاہیں حدود ہند کے پیچھے ماوراء النہر یمن، اور عراق کے کتب خانوں اور وہاں کے اہل کمالات کو دیکھ رہی تھیں۔ وہ وہاں کے اہل کمال سے ملنے کے لئے بے چین اور مضطرب تھے صاغانی کے حالات سازگار تھے۔ چنانچہ وہ اس زمانہ کے اسلامی مملکت کے اہم مراکز تک جا سکے اور وہاں سے جتنا بھی استفادہ ممکن تھا استفادہ کیا لیکن جس شہر سے ان کو زیادہ فائدہ پہنچا وہ تھا شہر بغداد۔ جو ہارون رشید کے زمانہ سے لے کر اس عہد تک دنیا کے تمام علوم وفنون کا مرکز تھا۔ سرکاری کتب خانوں کے ساتھ ساتھ ذاتی کتب خانے بھی تھے۔ ان کی وجہ سے یہ شہر شہر خرد وجنوں بنا ہوا تھا اور ہر گلی اور ہر کوچے میں علم کی شمعیں روشن تھیں۔ اور معلوم نہیں کہاں کہاں سے وہاں پروانے آئے اور اپنی بساط اور ذوق کے مطابق مستفید ہوئے۔ اور جب یہاں سے جاتے تو ان کے علم کی جھولی نوادرات اور جواہرات سے بھری

ہو ئی ہو تی تھی۔

صاغانی کو اسی شہر میں ہر موضوع کی کتابیں ملیں اور خاص طور سے فن لغت اور ادب کی جس میں ان کی بنیادی دلچسپی تھی۔ اس لئے جب انھوں نے "العباب الزاخر" اور "التکملہ" کی تصنیف کا منصوبہ بنایا تو اس وقت کے دنیا کے مختلف کتب خانوں کو کھنگال ڈالا۔ یہ کام ایسا تھا جس کے بارے میں ہندوستان کے مائۂ ناز ادیب اور محقق علامہ عبدالعزیز میمن فرمایا کرتے تھے۔

"عربی ادب و لغت کی تاریخ میں ساتویں صدی تک غیر معمولی کوششیں کی گئی ہیں جن کی بدولت لغت کا فن جس تیزی سے آگے بڑھا وہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے۔ لیکن جب ہلاکو نے شہر بغداد کو ویران کر دیا تھا اس کی ویرانی کے بعد صاغانی پیدا ہوئے۔ اور انھوں نے جوہری کی صحاح کا "تکملہ" لکھا اس کے بعد "العباب الزاخر" جیسی عظیم الشان کتاب لکھ کر لغت کی تاریخ کے صفحات پر ایسا نقش چھوڑا جو کبھی مٹ نہیں سکے گا۔ انھوں نے اس فن کو جس جانفشانی سے آگے بڑھایا یہ انھیں کا کام ہو سکتا تھا۔ ان کی شہرت بحیثیت اسکالر دنیائے اسلام کے ہر خطہ میں پھیلی ہوئی تھی۔ اور ابن العلقمی وزیر نے ان سے ایک جامع قاموس کی تالیف کی فرمائش کی جس میں ساتویں صدی تک کے نوادرات آجائیں۔ صاغانی نے وزیر کی فرمائش کو مان لیا اور تصنیفی عمل شروع کیا۔ اس تصنیف کا نام انھوں نے "العباب الزاخر" رکھا۔ لیکن موت نے صاغانی کی یہ خواہش پوری نہ ہونے دی اور میم کے مادہ "بکم" تک ان کا کام ہو پایا تھا کہ وہ دنیا سے چلے گئے۔"

صاغانی کی شہرت وعظمت علوم لغت کے ساتھ ساتھ دوسرے علوم سے بھی ہوئی اور خاص طور سے فن علم حدیث۔ لیکن یہاں ہمارا موضوع ان کی ادبی اور لغوی خدمات ہیں۔

ساتویں صدی تک علوم لغت پر ہر علاقہ میں اعلیٰ سے اعلیٰ کام ہو چکا تھا اور مفردات سے لے کر امثال پر مختلف کتابیں منظر عام پر آچکی تھیں۔ اس لئے لغت کے مصنف کے لئے بادیہ اور صحراء کے سفر کے بجائے مختلف علاقوں کے کتب خانوں کی تلاش و جستجو اور کھوج درکار تھی۔ کیوں کہ ساتویں صدی تک کا سرمایہ کسی نہ کسی طرح ان کتب خانوں میں مختلف کتابوں کے عناوین کے تحت محفوظ ہو چکا تھا۔ صاغانی جیسا کہ اوپر بتایا جا چکا ہے کو کتابوں کے پڑھنے اور دیکھنے اور مختلف علاقوں میں لوگوں سے ملنے، اور ان سے فائدہ اٹھانے کا شوق تھا۔ اسی شوق و حوصلے کے تحت انھوں نے جس علمی کام کا بیڑا اٹھایا اسے پایۂ تکمیل تک پہونچایا۔

ان کتابوں کی بڑی تعداد ہے لیکن جن کتابوں نے ان کو شہرت بخشی وہ مندرجہ ذیل ہیں :۔

"العباب الزاخر"۔ "مجمع البحرین"۔ "تکملۃ الذیل"۔ یہ تینوں کتابیں قاموس نگاری کے موضوع پر ہیں۔ اس کے علاوہ ان کی چند کتابیں مثلاً "الشوارد فی اللغات"۔ "الاضداد"۔ "اسماء الفار"۔ "اسماء الاسد"۔ "اسماء الذئب"، اور "شرح ابیات المفصل" ہیں۔ لہ

---

لہ

Contribution of India to Arabic literature.
- by: Dr. Zubaid Ahmed, page 172, 173

Some of his (Hasan al-Saghani) Philological works may be mentioned here :--

مسلسل

"العباب الذاخر فی اللغۃ التراکیب" بیس جلدوں پر مشتمل ہے
یہ لغت نویسی کے فن میں سب سے پہلی کتاب ہے جو ہندوستان کے
عالم نے لکھی۔ یہ اتنی ضخیم کتاب ہے کہ مصنف نے اپنی عمر پوری کر دی لیکن
پھر بھی اس کی تکمیل نہ ہو سکی۔

صاحب "کشف الظنون" نے لکھا ہے:۔

"ان الصغانی مات قبل ان یکملہ بلغ فیہ الی المیم ووقف فی مادۃ (بکم)، ولہذا قیل:۔

| | |
|---|---|
| ان الصغانی الذی | حاز العلوم والحکم |
| کان قصاری امرہ | أن انتهى الى "بکم" |

---

1. Al-Ubab, which is one of the standard dictionaries and which "after the Mulkam, is the greatest of the Lexicological works composed since the age of the Sihah to the time of the author of the Muzhir, of those known to him" (Lancs preface to his Arabic-English Lexicon, P.W.) Nothing more need be said of this work, as it is too well-known to require any further remark.

2. Takmilah wa Dhayl wa Silah (تکملہ وذیل وصلہ) a sort of critical - Supplement to the Sihah. The first two parts are complete, but the third remained incomplete owing to the death of the author. It runs upto the section of the letter 'Ayu ( بکم ). In one of these parts the author -- rectifies the mistakes made by the author of the Sihah, and in another, he has collected those words of importance which the Sihah does not contain. Neither of these tasks is easy or ordinary in any way, because to write a new dictionary is not so difficult as to criticise it, to point out its mistakes, and to supply its omission, just as Dozy's Arabic dictionary supplies such deficiencies.

مسلسل :۔

امام سیوطی ان کی تعریف میں فرماتے ہیں :-

"انه كان حامل لواء اللغة"

امام ذہبی کا قول ہے :-

"ان اليه المنتهى فى اللغة و الفقه والحديث

ان الصغانى انشرنا النغسح ۔

صاغانی جوہری کے بہت بعد میں پیدا ہوئے لیکن ایسا لگتا ہے کہ جوہری کی الصحاح فنی اعتبار سے اس قدر اعلیٰ تھی کہ اسی کو مشاہیر علمائے لغت نے اپنایا مثلاً خود صاغانی، فیروزآبادی اور ابن منظور (صاحب لسان العرب)

---

3. The third work of Saghani with which we are here concerned is the Kitab at Addad (كتاب الاضداد) which deals with words of opposite meaning. It is a small but useful treatise. One of the characteristics of the Arabic Language is that it has many words which express two opposite meaning. For example, the word Bay means both 'buying' and 'selling': the word Sarim means both 'day' and 'night' and the word 'Masih' signifies 'Christ' and also "Anti Christ" (Dajjal) this treat contains all such words arranged in alphabetical order.

4. Kitab-al-Dhib ( كتاب الذئب). Another feature of the Arabic language is its large number of synonymous words. In Arabic, for instance, there are 21 words for "light", 52 for "darkness", 29 for the 'Sun', 88 for the "Well", 350 for the "Lion" or tiger, 100 for the "Camel", and 255 for the 'She-Camel'. The Kitab al-Dhib contains all the words in the words in the Arabic Language for the "Wolf".

All these works are sufficient to prove what a great command this scholar had over the Arabic language.

ظاہر ہے کہ یہ کتاب جو چوتھی صدی ہجری کی لکھی ہوئی ہے اس کے بعد بہت سے زبان و لغت کے گوشے لوگوں کے سامنے آئے ہوں گے۔ اس لئے ہر بعد کے مصنف نے اس کتاب کو بنیاد ( Base ) بنا کر اس میں اضافے کئے۔ اور یہ اضافے مختلف طرح کے ہوتے تھے۔ چھُٹے ہوئے الفاظ کا اضافہ، مبہم الفاظ کی شرح، الفاظ کی فصاحت کے سلسلے میں زیادہ سے زیادہ شواہد اور اگر شواہد ہیں تو خود ان کی شرح۔ اس طرح ایک کتاب سے دوسری کتاب مزید اضافے اور شرح کے ساتھ منظر عام پر آتی رہی

صاغانی کی تصانیف اسی طریقۂ عمل اور طریقۂ فکر کا ایک تسلسل ہے۔ انھوں نے دو کتابیں "مجمع البحرین" اور "التکملہ" کا کام تو پورا کر لیا تھا جو اپنی جگہ خود اعلیٰ اور معیاری کام ہے لیکن الوزیر ابن العلقمی کی فرمائش پر جو کام انھوں نے شروع کیا تھا وہ بہت ہی وسیع اور پھیلا ہوا تھا۔ یہ صرف صاغانی کا ہی عزم و حوصلہ تھا کہ اس فرمائش کو انھوں نے مکمل کرنے کی کوشش کی۔ کام کی بنیاد اتنی وسیع اور دقیق تھی کہ اس کے لئے وقت کے ساتھ ساتھ کتبخانے کے نوادرات بھی میسر رہے ہوں گے، کیوں کہ تحقیقی کام بغیر نوادرات کے ایک قدم آگے نہیں بڑھ سکتا۔ ان کی بڑی خوش قسمتی تھی کہ شہر بغداد جو اس زمانہ تک مخزن علم و ادب تھا، اس شہر میں قیام کا موقع ملا اور انھیں اس میں ہر طرح کی آسانیاں میسر تھیں۔ کیوں علمی وقار کے ساتھ ساتھ انھیں حکومت کا اعزاز بھی حاصل تھا۔ اس کا اندازہ ہم اس سے لگا سکتے ہیں کہ خلیفہ عباسی نے انھیں کئی دفعہ ہندوستان سفارتی مہم پر بھیجا۔ سفارتی خدمت اسی شخص سے لی جاتی تھی جو ذہانت و ذکاوت کے ساتھ ساتھ دونوں ملکوں کے عوام اور خواص سے واقف ہو۔ اور ان کے باہمی روابط کے قائم کرنے میں مفید اور مؤثر ثابت ہو۔ ایک مصنف کی سب سے بڑی خوش قسمتی یہ ہو سکتی ہے کہ

اسے مختلف علاقوں میں جانے کا موقع ملے اور اس میں اس موقع سے فائدہ اٹھانے کی صلاحیت بھی ہو۔

صاغانی کے ترجمہ نگاروں نے ان کو مختلف حیثیت سے پیش کیا ہے اور جن موضوعات پر انھوں نے کتابیں لکھی ہیں ان کو منظرِ عام پر لانے کی کوشش کی ہے اور ان کی عظمت کو ہر طرح سے اُجاگر کیا ہے۔ لیکن جس چیز پر انھیں سند و کمال حاصل تھا وہ علم لغت اور قاموس نگاری ہے۔ چنانچہ "سیوطی" کا کہنا ہے کہ وہ لغت کے صحیح معنوں میں علمبردار تھے۔ "ذہبی" نے ان کے بارے میں یہ کہا ہے کہ وہ فن لغت میں حرف آخر ہیں۔ "دمیاطی" نے ان کے متعلق لکھا ہے کہ وہ لغت اور فقہ، اور علم حدیث میں اپنے زمانے میں یکتائے روزگار تھے۔

صاغانی نے جو مختلف لغت کے موضوعات پر اپنا تصنیفی عمل چھوڑا وہ لغت کے موضوعات پر سب کے لئے مشعل راہ بنے رہیں گے، اور جیسا کہ ہم نے کہا ہے کہ تحقیقی عمل کی کوئی منزل نہیں ہوتی اس لئے ہر محقق اور مصنف اگر اس کے اندر علمی صلاحیت کے ساتھ ساتھ عزم اور حوصلہ ہو تو بعد میں کچھ نہ کچھ اضافے ضرور کر دیتا ہے اور یہ اضافے بالکل فطری ہوتے ہیں

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ ساتویں صدی کے علم و ادب کا امام اپنی زندگی کے ایک ایک لمحے کو کار آمد بناتا رہا اور ہر لمحہ علمی دنیا کو اس سے سوغات ملتی رہی۔ اس طرح علم و ادب کی خدمت کرتے ہوئے اسی شہر میں اس دنیا سے کوچ کر گیا جہاں قدم قدم پر علمی ذخیرے تھے۔ لیکن اس کی آخری تمنا تھی کہ وہ اس خطے میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دفن کیا جائے جس خطے کی بدولت یہ علوم وفنون وجود میں آئے اور اسی خطے کا طفیل ہے کہ جس کی وجہ سے زندگی کے ہر لمحے میں علم کی خدمت کر کے محظوظ ہوتا رہا۔ یہ خطہ مکۂ معظمہ ہے جہاں سے اسلام کی شعاعیں اٹھیں اور دنیا کا ہر گوشہ منور ہو گیا، خدا نے ان کی یہ خواہش بھی پوری کی۔ بغداد میں دفن ہونے کے بعد ان کی لاش کو نکالا گیا اور مکۂ معظمہ لے جا کر اس کے گوشے میں ہمیشہ کے لئے سُلا دیا گیا۔

# ابنِ منظور [1]

ابھی تک جن لغت نگاروں کا ذکر ہوا وہ اندلس، عراق، ماوراء النہر، اور فاراب کے رہنے والے تھے۔ اور یہ علاقے یقیناً اصلاً عرب نہیں تھے، لیکن اسلامی اور عربی فتوحات میں مقامی تہذیبوں اور زبانوں کو اوبار نے عربی زبان وادب اور عربی ثقافت و کلچر کے ساتھ پھیلایا اور عام کر دیا تھا۔ اسی طرح جو پہلی ہی صدی ہجری میں اسلامی حکومت کے دائرے میں آگیا تھا۔ یہ علاقہ صدیوں سے تہذیب و تمدن اور فکر وفن کا احاطہ تصور کیا جاتا تھا۔ اس علاقے کے بارے میں مؤرخین کا کہنا ہے کہ قدیم عربی تہذیب اور یونانی اور رومن تہذیب سے پہلے اس وادی کی تہذیب و تمدن زیادہ شاندار تھی۔ اسلامی فتوحات

---

[1] فوات الوفیات — ابن شاکر الکتبی — ص ۲۶۵، ج ۲
بغیۃ الوعاۃ — السیوطی — ص: ۱۰۶ — ۱۰۷
نکت الھمیان — ص ۲۷۵
الدرر الکامنۃ — ابن حجر — ص ۲۶۲ ج ۴
حسن المحاضرۃ — ص ۲۱۹، ج: ۱
مفتاح السعادۃ — ص ۱۰۶، ج ۱
الفہرس التمہیدی — ص ۴۲۵
روضات الجنات، الطبعۃ الثانیۃ، — ص ۱۲ ۷
HUART — ص ۳۰۰
آداب اللغۃ — ص ۱۴۱ ج ۳
(PRINCETON) فی وصف مخطوطۃ لہ من "مختار الاغانی"
دار الکتب، — ص ۳۰۲-۳۰۴، ج ۳

کے بعد اس وادی میں علم وفن اس قدر رواں دواں نظر آتا ہے کہ لگتا ہے کہ دریائے نیل کے ہر قطرے میں علم وفن مضمر ہے اور جہاں بھی وہ قطرات پڑتے ہیں عظیم شخصیات کے روپ میں ظاہر ہو جاتے ہیں۔

انھیں شخصیات میں ساتویں صدی کا عالم اور محقق محمد بن منظور ر جس کا پورا نام محمد بن مکرم بن علی بن احمد بن ابی القاسم بن حیقہ بن منظور ر الانصاری الرویقعی الافریقی المصری ہے۔ ان کی پیدائش کے متعلق اختلاف ہے کہ وہ مصر میں پیدا ہوئے یا شمالی افریقہ کے شہر طرابلس غرب میں جو آج کل لیبیا میں ہے۔ لیکن زیادہ تر مؤرخین کا کہنا ہے کہ وہ مصر میں پیدا ہوئے ابن منظور اس زمانہ میں پیدا ہوئے اور ان کا تصنیفی عمل شروع ہوا جب کہ دو چیزوں کا بڑا رواج تھا۔ جمع وتدوین اور تلخیص واختصار۔ ابن منظور کو بھی ان کی علمی شہرت اور ان کی عظمت کے مطابق اس زمانہ کی حکومتوں نے نوازا تھا چنانچہ وہ قاہرہ میں دیوان الانشاء میں ملازم تھے اس کے بعد طرابلس میں قضاۃ کے عہدہ پر مقرر ہوئے۔ کچھ عرصہ تک وہاں اس عہدہ پر فائز رہے اس کے بعد مصر واپس آ گئے جہاں ان کا انتقال ہوا۔

ابن منظور بھی ان ادیب اور عالموں کی طرح ہیں جن کے تصنیفی عمل کو دیکھ کر بھی یقین ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنی زندگی کا ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کیا۔ ان کے ترجمہ نگاروں نے اس بات کی نشاندہی کی ہے کہ انتقال سے قبل انھوں نے مختلف موضوعات پر جو تصانیف کا مجموعہ مرتب کیا وہ پانچ سو جلدوں پر مشتمل ہے۔ اور آخر میں مسلسل کتابوں کے مطالعہ کی بدولت ان کی بینائی جاتی رہی۔

"ابن خضر اسکلائی" ان کے بارے میں رقم طراز ہیں کہ ابن منظور ادب کی طویل کتابوں کے اختصار کے بہت ہی دلدادہ تھے "صفدی" کا کہنا ہے کہ جو ادب کی بڑی اور اہم کتابیں ہیں جن کے بارے میں مجھے

واقفیت ہے ان کی ابن منظور نے تلخیص کی ہے۔

جن کتابوں کی انھوں نے تلخیص واختصار کیا ہے ان میں۔ مختار الاغانی (تلخیص کتاب الاغانی)، مختصر مفردات ابن البیطار، نثار الازھار فی اللیل والنہار، لطائف الذخیرہ، اختصار ذخیرہ ابن بسام مختصر تاریخ دمشق ابن عساکر، مختصر تاریخ بغداد للسمعانی، اختصار کتاب الحیوان للجاحظ، اور اخبار ابی نواس ہیں۔ اس طرح اور بھی ان کے بہت سے مختصرات ہیں۔ یہ مختصرات جو زبان وادب کے مسائل کے متعلق ہیں ان کے پڑھنے اور ان کے اختصار سے ان کے تصنیفی عمل میں جو مدد ملی ہوگی اور اس کے ساتھ ساتھ جو ان کے ذہن میں وسعت اور مطالعہ میں آفاقیت پیدا ہوئی ہوگی اس کا مظہر ان کی کتاب "لسان العرب" میں پوری طرح نظر آتا ہے۔ یہ کتاب جو بیس جلدوں پر مشتمل ہے۔ ابن منظور نے اس میں آٹھویں صدی تک کی لغت کی کتابوں کے تمام مسائل کو اس میں سمو دیا ہے۔ اور یہ کتاب معجم نگاری کا جہاں عظیم الشان نمونہ ہے وہیں یہ اخبار وانساب اور اشعار کی تخریج کا بھی اہم مرجع تصور کیا جاتا ہے۔

"سورتی" کا کہنا ہے کہ وہ اپنے زمانہ کے نحو، تاریخ، لغت، انشاء کے ماہرین میں سب سے اعلیٰ اور افضل تھا۔ ابن منظور کی کتاب کی اہمیت اور عظمت کے ہر زمانہ کے لوگ معتقد اور معترف رہے ہیں لیکن اس کے باوجود یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ معائب ونقائص سے خالی ہے۔

علامہ عبدالعزیز میمن کا کہنا ہے کہ "صاحب لسان" کو اس بات پر بڑا فخر تھا کہ اس نے اپنے زمانہ کی لغت کی کتابوں پر محققانہ نظر رکھی تھی۔

---

التیموریہ، ص ۲۹۲، ج ۳

لیکن عجیب اتفاق ہے کہ اس جیسے محقق اور اسکالر کو بھی بہت سی کتابوں کا علم نہ ہو سکا۔ انھیں کتابوں میں ابن سیدہ کی "المحکم" ہے۔ جو اپنے زمانہ میں تصنیفی دنیا میں نوادرات میں شمار ہوتی ہے جس میں انھوں نے مشرق و مغرب (اندلس) کی اہم کتابوں کو نچوڑ لیا تھا۔ لیکن ابن منظور اس کتاب کے استفادہ سے محروم رہے اور اگر ان کے سامنے یہ کتاب ہوتی تو کتاب کی عظمت اور حیثیت میں اور زیادہ اضافہ ہو جاتا۔

---

خزانة السيد حسن حسنى عبد الوهاب تبونس اجزاء من اختصاره للكتاب "فصل الخطاب" للتيفاشي،

وهو صاحب الابيات المشهورة۔

"الناس قد أثمو فينا بظنهم
وصدقوا بالذى ادرى وتدرينا"
"ماذا يضرك فى تصديق قولهم
بأن تحقق ما فينا يظنونا"
"حملى وحملك دنيا واحداً ثقة
بالعفو أجمل من اثم الورى فينا

| | | |
|---|---|---|
| هدية العارفين : اسماعيل البغدادى | | ص ۱۴۲، ج ۲ |
| كشف الظنون | | ص ۱۲۹ ـ ۱۳۰ |
| شذرات الذهب | | ص ۲۷ ـ ۲۸، ج ۶ |
| مرآة الجنان | اليافعى | ص ۲۵۱، ج ۔ ۴ |
| معجم المؤلفين | رضا كحالة | ص ۴۹، ج ۔ ۱۲ |
| الأعلام | | ص ۳۲۹، ج ۔ ۷ |

"لسان العرب" پر کام کا سلسلہ جاری ہے۔ کچھ لوگوں نے اس کے وارد و شواہد کو مرتب کیا ہے اور اس میں خامیاں رہ گئی ہیں اس کی بھی نشاندہی کی ہے۔ اس طرح یہ کتاب اپنی افادیت کے اعتبار سے ہر علاقہ اور ہر زمانہ میں زندہ رہی۔ "لسان العرب" کے مختلف اڈیشن چھپتے رہے ہیں اور آج کوئی بھی کتب خانہ اس عظیم کتاب سے خالی ہو تو اس کو کتب خانہ کہنا صحیح نہیں ہوگا۔

# محمد الفیروز آبادی [1]

(۷۲۹ — ۸۱۷ھ)

(۱۳۲۹ — ۱۴۱۴ء)

آٹھویں صدی ہجری تک عربی قاموس نگاری اپنی ترقی کے منازل کو بڑی تیزی سے طے کررہی تھی اور اس فن کے اہل قلم ہر علاقہ میں اپنے علمی کمالات دکھاتے رہے عربی تہذیب و تمدن اور ادب و ثقافت کی بساط کرۂ ارضی پر اس طرح پھیلی ہوئی نظر آتی ہے کہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہر جگہ اس پر علم کی شمعیں روشن و جگمگاتی ہوئی نگاہوں کو خیرہ کررہی ہیں اور ایک چراغ بجھنے نہیں پاتا کہ دوسرا چراغ اسی سے جل جاتا ہے۔ اور یہی قومی زندگی کی ایک سب سے بڑی علامت ہے۔ عربی کے مشہور شاعر نے جب یہ کہا تھا۔

اِذَامَاتَ مناسَیّدٌ قَامَ سَیّدٌ

(اگر ہمارا ایک سردار دنیا سے جاتا ہے تو اس کی جگہ دوسرا پیدا ہو جاتا ہے)

یہاں مطلب یہ ہے کہ ایک عالم یا اسکالر صفحۂ ہستی سے اٹھتا ہے تو معلوم نہیں کیسے اس کے جانشین پیدا ہو جاتے ہیں۔ عربی تہذیب و تمدن کے عظیم

---

[1] الضوء اللامع : النجاوی، ص ۷۹—۸۶ ج : ا

بغیۃ الوعاۃ : السیوطی، ص ۱۱۷—۱۱۸

شذرات الذہب : ابن العماد، ص ۱۲۶—۱۳۱، ج ۷

الدرر الطالع ص ۲۸۰، ۲۸۵

کشف الظنون ص ۱۴، ۸۵، ۸۶، ۳۲۸

مفتاح السعادۃ طاش کبری ص ۱۰۳—۱۰۶

علمبرداروں میں فیروز آبادی کا نام سرفہرست ہے۔ یہ بلادِ عجم کے شیراز شہر میں پیدا ہوئے جو اس وقت ایران کا علاقہ ہے۔ لیکن اس وقت ادب وتہذیب کے سیلِ رواں نے سیاسی اور جغرافیائی حدود کو یکسر ختم کر کے عربی ثقافت وادب کی وحدت کو اس طرح ملا دیا تھا کہ عرب وعجم کا تصور محض کاغذ ہی تک تھا لیکن اس کا وجود عملی دنیا میں بالکل نہیں تھا۔

اسی دیارِ عجم کا پروردہ فیروز آبادی بھی ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کا سلسلۂ نصب حضرت ابوبکر صدیقؓ تک پہنچتا ہے لیکن معلوم نہیں کس وقت اس کے آباء واجداد دیارِ عرب سے نکل کر سرزمین عجم میں منتقل ہوئے اور اس صحرا میں ایسا چمنستان بنایا جس کا ایک کھلا ہوا پھول فیروز آبادی ہے اور جس نے اپنے علمی کارناموں سے دنیائے عرب اور عجم کو منور کر دیا بلکہ یوں کہا جائے تو زیادہ بہتر ہو گا کہ وہ شمس وقمر کی طرح متحرک اور رواں دواں رہا۔ جہاں اس کے قلم میں حرکت وجنبش تھی وہیں اس کے سیر وسیاحت کے شوق نے سرزمین ہند سے لے کر دریائے نیل تک ایک کر دیا تھا، اور دریائے فرات کے کناروں سے لے کر نجد وحجاز کے ریگستانوں کو ملا دیا تھا۔

علمی کاوش کا دارومدار اگرچہ کتابوں کی فراہمی اور دستیابی پر منحصر ہے جو ایک حقیقت ہے لیکن قلب وجگر میں حرکت اور قلم میں جنبش اس وقت زیادہ ہو جاتی ہے جب ایک اسکالر یا عالم فنکار کے فن کی فراہمی کے ساتھ ساتھ مختلف مقامات کی زیارت اور ہر طرح کے لوگوں سے ملاقات کا موقع حاصل کرے۔ نقلِ مکانی سے جہاں ذہن میں وسعت وتنوع پیدا ہوتا ہے وہیں انسان کے بہت سے نظریات وآرا مقامات کو دیکھ کر اور لوگوں سے مل کر خود بخود بدل جاتے ہیں اور استفادہ وافادہ کی دونوں صورتیں خود بخود نکل آتی ہیں۔

فیروز آبادی کو کرۂ ارضی کے بہت بڑے علاقے میں جانے اور گھومنے کا موقع ملا اور معلوم نہیں کہ اس نے اس عرصہ میں کتنے لوگوں سے استفادہ کیا ہو گا

اور کتنے کتب خانوں کے نوادرات سے فائدہ اٹھایا ہوگا اور اپنے علمی ذخیرے میں کس قدر اضافہ کیا ہوگا۔ فیروزآبادی کے اندر جو مختلف علوم کے متعلق تنوع پیدا ہوا وہ اس کے متنوع تصانیف سے ظاہر ہوتا ہے کیوں کہ کسی اسکالر یا محقق کے علم کی کسوٹی اس کی تصانیف ہی ہوتی ہیں۔ اس کے ترجمہ نگاروں نے اس کی تصانیف کی ایک لمبی فہرست کا ذکر کیا ہے جس میں لغت اور تاریخ، حدیث و تفسیر تراجم سے لے کر ادب کے مختلف موضوعات پر شامل ہیں۔ اس طرح فیروزآبادی نے نویں صدی میں جو تصنیف کا موسوعی تصور تھا اس کو باقی و جاری رکھا۔ ان کا تصنیفی عمل اگرچہ بہت وسیع ہے لیکن ان کا اختصاص فن لغت میں زیادہ نمایاں ہے۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ ایک مصنف کی خواہ کتنی بھی تصانیف ہوں لیکن ان میں جو اہم اور نادر ہوتی ہیں وہ سب پر حاوی ہو جاتی ہیں۔[1]

---

[1]

Contribution of India to Arabic Literaure :
- by Dr. Zubaid Ahmad -

" The great lexicographer who has been associated with India, in the sense of having paid two visits to that country, is Majd-al-Din Firuzabad, author of the well-known Arabic, dictionary Qamus. He went to India for the first time in the reign of Firuz Shah Tughlaq (ruled 1351-1388) and the second time during the reign of Mahammad Shah II Tughlaq (Huarts Arabic literature, page 383)- The Qamus can not be claimed as an Indian product, but at the same time no one can ignore the significance of the fact that the Royal patronage of the Indian courts was extended to the author of it ".

فیروزآبادی کی قاموس "المحیط" جو فنّ لغت میں تصنیف کی گئی ہے۔
عربی ادب کی تاریخ میں اس کو جو اہمیت حاصل ہے وہ کم کتابوں کو حاصل ہے اس وجہ یہ ہے کہ فیروزآبادی نے جوان کی کتاب کے دیکھنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ اس زمانہ تک کی لغت کی تمام تصانیف کو سامنے رکھا تھا اور تصنیف کا جو جوہر تھا اس کو نچوڑ لیا تھا جیسا کہ اوپر کہا جاچکا ہے کہ تحقیقی عمل میں ذہانت کے ساتھ ساتھ جو چیز زیادہ مفید اور مُؤثر ہوتی ہے وہ اس موضوع کی تصانیف کی دستیابی ہے کیوں کہ موضوع سے متعلق جو بھی چیزیں سامنے ہوں گی تصنیف زیادہ مکمل اور جامع ہوگی۔ جہاں تک ذہنی صلاحیت کا تعلق ہے یہ تصنیف کی ترتیب وتدوین میں مُؤثر ثابت ہوتی ہیں۔ "قاموس المحیط" جو دوسری صدی سے لے کر نویں صدی تک کے قاموس نگاری کے تسلسل کا عظیم الشان مظاہرہ ہے کہ یہ فن کس طرح کوفہ، بصرہ، دمشق، بغداد، قرطبہ واشبیلیہ سے گزرتا ہوا یمن کے پہاڑی علاقوں میں اپنے جوہر دکھاتا رہا اور معلوم نہیں مقام زبید میں کتنے اہل فن اور اہل قلم پیدا ہوئے۔
محمد فیروزآبادی جو محمد بن یعقوب بن محمد ابراہیم بن عمر ابن ابوبکر بن احمد ابن محمد بن محمود بن ادریس بن فضل اللہ بن فیروزآبادی الشیرازی کے نام سے مشہور ہوئے جو شیراز کے قصبۂ گازرون میں ۷۲۹ھ میں پیدا ہوئے ان کی ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں ہوئی۔ اس وقت اس جگہ محمد بن یوسف الزوندی تھے۔ ان سے استفادہ کیا اور جوانی تک پہنچتے پہنچتے ان کے علم کا ہلال علم وادب کے آسمان پر منور ہوگیا۔ جہاں بھی وہ گئے ان کے جانے سے پہلے ان کی کتاب ہراول دستے کی طرح ان کا تعارف کرائیں اور ہر علاقے کے لوگ ان کی آمد سے قبل ان کے دیدار کے مشتاق اور متمنی رہتے فیروزآبادی کی بڑی خوش نصیبی تھی کہ نویں صدی، اگرچہ اس کو دورِ انحطاط سے تعبیر کیا جاتا ہے لیکن اسی زمانہ میں ابن تیمیہ، ابن القیم، صفوی، ابوالنصر تاج الدین سبکی جیسے اشخاص

موجود تھے۔ ان لوگوں سے ملاقاتیں فیروز آبادی کی ان کے اسفار کے دوران ہوئیں، جو ان کی زندگی کے اکثر و بیشتر حصے تک رواں دواں رہا۔ فیروز آبادی نے اپنے اس طویل سفر میں سرزمین ہند کو بھی نوازا اگرچہ ان کے ترجمہ نگاروں نے یہ ذکر نہیں کیا ہے کہ وہ ہندوستان میں کہاں کہاں گئے اور اس کے بعد وہ یمن آئے، جہاں مقام زبید میں مقیم ہو گئے۔ جہاں ان کا استقبال وہاں کے بادشاہ الاشرف اسماعیل نے کیا۔ جس کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ بہت جوہر شناس تھا چنانچہ اس نے ان کی تعظیم اور احترام کا حق ادا کر دیا اور علاقۂ زبید کا جج (قاضی) مقرر کر دیا۔ جو اس زمانہ میں علماء کے لئے آخری اکرام و اعزاز تھا۔

زبید میں وہ اس عہدہ پر تقریباً بیس سال کام کرتے رہے اگرچہ یہ عہدہ بالکل سرکاری تھا جس میں روز عوام سے سابقہ پڑتا۔ عدالتوں میں مختلف طرح کے مسائل پیش آتے اور وہ اپنی ذہانت اور قوت مطالعہ کے مطابق فیصلہ کرتے اگر وہ اپنے اس منصب میں پوری طرح کامیاب نہ رہتے تو اتنے طویل عرصہ تک اس پر برقرار رہنا مشکل تھا۔ عدالتی مسائل کے لئے سب سے زیادہ فقہ اور علم حدیث کی ضرورت پڑتی ہے۔ چنانچہ ان کے تذکرہ نگاروں نے جہاں ان کی کتابوں کی ایک طویل فہرست بتائی ہے ان میں بہت سی کتابیں فن حدیث اور فن تفسیر پر ہیں۔ اس کے علاوہ اور دوسرے علوم پر بھی ان کی کتابوں کا طویل سلسلہ ہے۔ لیکن سب سے تعجب خیز بات یہ ہے کہ اس طرح کی تصانیف کے ساتھ ساتھ ان کی تصانیف لغت اور ادب کے موضوعات پر بھی ہیں۔ جو دوسرے موضوعات کے مقابلے میں زیادہ وقیع اور مکمل ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھیں لغت و ادب کے مسائل سے زیادہ دلچسپی تھی۔ اور اسی لئے انھوں نے جس انہماک سے اس پر کام کیا، یہ کتابیں اس کی سب سے بڑی دلیل ہیں۔ ان کی لغت کی کتابوں

میں بہت سی کتابیں ہیں، لیکن ان میں سے کچھ زائل ہو گئیں۔ البتہ اس فن کی سب سے اہم کتاب "القاموس المحیط" موجود ہے۔ تاریخ کے مختلف ادوار میں لوگ اس سے پوری طرح استفادہ کرتے چلے آئے ہیں۔ یہ کتاب بارہا مختلف مقامات پر چھپ چکی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ انھوں نے اپنے والد کے حکم و مشورے کے مطابق اس کو مختصر بھی کیا تھا جس میں انھوں نے جوہری کے "الصحاح" کی خامیوں کو بتایا ہے۔ یہ کتاب قدیم کتابوں کی فہرست میں ضرور پائی جاتی ہے لیکن ابھی تک منظر عام پر نہیں آسکی۔

فیروز آبادی کا دور آٹھویں صدی ہجری ہے۔ وہ ۷۲۹ھ میں پیدا ہوئے اور ۸۱۷ھ میں انتقال ہوا۔ اس طرح دیکھا جائے تو ان کو طویل عمر نصیب ہوئی تھی، یعنی تقریباً وہ اٹھاسی سال زندہ رہے۔ زبید میں حکام کی عنایت اور اعلیٰ عہدہ کی بدولت انھیں خوش حال زندگی نصیب ہوئی تھی۔ اور اسی خوشحالی سے انھوں نے تصنیف و تالیف اور کتابوں کے حصول سلسلے میں پوری طرح فائدہ اٹھایا۔ اور پُرسکون زندگی کی بدولت عربی ادب و ثقافت کے میدان میں جو تصانیف چھوڑی ہیں وہ ہر زمانہ میں وقعت کی نگاہ سے دیکھی گئیں اور ان کی اہمیت ہمیشہ برقرار رہی۔

ان کی کتاب "القاموس المحیط" پر مختلف ادوار میں تنقیدیں بھی کی گئی ہیں اور ان کی خامیوں کو منظر عام پر لایا گیا ہے۔ جہاں تک کسی موسوعی کام پر تنقید و تعقیب کا تعلق ہے۔ شاید ہی کوئی کتاب خواہ کتنے ہی اعلیٰ پیمانہ کی کیوں نہ ہو، اس سے بچ سکی ہو۔ اس سے تعلق ناگزیر ہے۔ کیوں کہ اس طرح کے کام افکار و نظریات پر مبنی نہیں ہوتے ہیں۔ بلکہ ان کا دارومدار مصادر و مراجع ( Sources and Origins ) کے حصول پر ہوتا ہے۔ خواہ کوئی مصنف کتنی ہی کوشش کیوں نہ کرے۔ کوئی نہ کوئی اہم کتاب

اس کے مطالعے سے چھوٹ جاتی ہے جو اس کی کتاب کے لئے بہت مفید ہوتی ہے ۔ اس لئے موسوعی عمل پر تنقید و تعقیب کا سلسلہ ہر زمانہ میں جاری رہا ہے اور جاری رہے گا ۔ ہم ان کی کتاب "قاموس المحیط" کی شرح جو "تاج العروس" کے نام سے مشہور ہے جس کو ہندوستان کے ادیب و عالم سیّد مرتضیٰ بلگرامی زبیدی نے تصنیف کیا ہے، اس وقت اسی پر بحث کریں گے ۔

# مرتضیٰ زبیدی بلگرامی

اور

# تاج العروس

فیروز آبادی کی کتاب "القاموس المحیط" جو نویں صدی ہجری میں لکھی گئی تھی، وہ خود جوہری کی "الصحاح" کی ترقی یافتہ شکل تھی، جس کو فیروز آبادی نے بڑی ذہانت اور فراست سے آگے بڑھایا تھا۔ یہ کتاب "لسان العرب" کے بعد لکھی گئی تھی، اس لئے اس میں "لسان" سے یقیناً فائدہ اٹھایا گیا ہوگا۔ ابن منظور کے بعد کوئی لغت کی اعلیٰ کتاب نہیں تھی، چنانچہ جب فیروز آبادی کی "القاموس المحیط" منظر عام پر آئی تو بہی زیادہ مقبول تھی۔ عربی اور عجمی علاقوں کے اہل فن اور اہل علم اس کتاب سے مستفید ہو رہے تھے، اور لوگوں کے استفادہ کا سلسلہ جاری تھا "القاموس المحیط" کی مقبولیت کا اندازہ اس سے بھی کیا جا سکتا ہے کہ فیروز آبادی کے زمانہ تک اس کی بہت سی شرحیں لکھی جا چکی تھیں، چھٹی اور ساتویں صدی کے بعد کسی کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس پر مستقل شرحوں سے کیا جا سکتا تھا اور جس سے ہر طبقہ کے لوگ مستفید ہوتے تھے۔

زبیدی جو ہندوستان میں پیدا ہوئے اور انھوں نے اپنی تعلیم کا ایک حصہ اپنے وطن میں مکمل کیا، اس کے بعد وہ یمن کے "زبید" شہر میں مقیم رہے، جہاں انھوں نے وہاں کے اساتذہ و شیوخ سے استفادہ کیا۔ یمن کے بعد وہ عالم اسلامی کے مختلف علاقوں سے گزرتے ہوئے قاہرہ پہونچے اور وہاں مختلف علمی حلقوں میں شامل ہونے لگے، مصر پہنچنے تک وہ اپنی عمر کے تیس ۳۰ سال سے آگے نکل چکے تھے، لیکن اس لمحے تک

اپنے کو طالب علم سمجھنے پر نازو فخر کرتے تھے، جہاں بھی انھیں علم کی کوئی جھلک دکھائی دیتی وہ دیوانے بن جاتے۔

بارہویں صدی ہجری میں قاہرہ شہر عرب دنیا کا سب سے بڑا علمی مرکز تھا بغداد و دمشق، زوال اندلس کے بعد ترقی کی اس راہ پر نہیں تھے، جس پر کہ قاہرہ شہر تھا، اس کی وجہ یہ ہے کہ ۱۱ رویں صدی اور ۱۲ رویں صدی میں مصر کو ہی ممالک عربیہ کی قیادت حاصل تھی، زبیدی نے قاہرہ پہونچ کر اس شہر کے شیوخ سے جتنا استفادہ کرنا ممکن تھا کیا۔ اس کے بعد مصر کے دوسرے علاقے "اسیوط" "ومیاط" جیسے شہروں کے اہل علم حضرات سے جو حاصل کر سکتے تھے حاصل کیا۔ اس وقت زبیدی ایک عالم کی حیثیت سے مشہور ہو چکے تھے، اسفار کی وجہ سے ان کی شہرت میں اور بھی اضافہ ہوتا جارہا تھا۔ کیونکہ اس وقت لوگوں کے تعارف اور شہرت کے دو ہی راستے تھے، لوگوں سے ملاقاتیں، یا کتابوں کی شہرت واشاعت۔

زبیدی کو مختلف علاقوں میں شیوخ، اہل فن، مدارس کے طلبا و اساتذہ سے ملنے اور ان کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا، اور جہاں بھی وہ گئے، انھیں ان کتابوں کو اپنی نگاہوں سے دیکھنے کی نوبت آئی جو عام طور سے لوگوں کے پاس ہوا کرتی تھیں۔ زبیدی نے دیکھا کہ فیروزآبادی کی "القاموس المحیط"، ہی سے رجوع کرنے کا زیادہ رواج ہے، اس طرح اس کتاب کی اہمیت اور حیثیت ان کی نظر میں قائم ہوئی۔ وہ خود وسیع مطالعہ کے مالک تھے اور ان کی علمی پیاس کبھی بھی بجھتی نہیں تھی، یہی پیاس علم کی ترقی کا سب سے اہم زینہ ہے۔ کیوں کہ وجدانی کیفیت اسی وقت پیدا ہوتی ہے جب کسی عالم اور فنکار کا دل علم وادب کا گھر بن جائے۔ اور اس کا ذہن اس کو علم کے منازل و مراحل خواہ وہ کتنی لمبی نشاندہی کرے کہ ہر آنے والا مرحلہ اس کے لئے آخری مرحلے کی شکل میں پیش کیا جائے، لیکن جب اس مرحلے پر پہونچے تو اس

کے مراحل خواہ وہ کتنے لمبے کیوں نہ ہوں جہاں علم وادب کی شعاعیں فضا کو منور کئے ہوئے ہوں۔ اور فن کار نے اس مرحلے پر پہونچ کر دم بھی نہ لیا ہو اور اس کی سانس بھی رُکی ہو کہ وہ زاد سفر لے کر آگے کی منزل کی طرف دیوانہ بن کر اپنا سفر شروع کر دے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل علم وفن کی مختلف تصانیف وتالیفات میں ہر منزل کے نقوش ہوتے ہیں، اور جتنی منزلوں میں تنوع ہو اسی لحاظ سے نقوش میں تنوع پیدا ہوتا ہے۔ اور ہر نقش دوسرے نقش کے لئے معاون ورہبر کا کام دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تصنیفی وتالیفی عمل میں ایک فن کے ساتھ ساتھ مختلف فنون فن کار کے لئے محرک ہوتے ہیں۔ اور ایک فن میں جو آفاقیت پیدا ہوتی ہے وہ انھیں علوم وفنون کے تنوع کا نتیجہ ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر جو موضوع ہمارے زیر بحث ہے وہ علم لغت یا قاموس نگاری ہے، اس کے لئے کون کون سے موضوعات اور علوم معاون ومددگار ہوتے ہیں، اس کے متعلق ہم "تاج العروس" پر بحث کے دوران گفتگو کریں گے۔

ہندوستان سے جب زبیدی یمن پہونچے تو اس وقت ان کا علمی شعور بڑی حد تک پختہ ہو چکا تھا یمن کے دوران قیام انھیں ہر طرح کے لوگوں سے ملنے اور استفادہ کا موقعہ ملا۔ اور وہیں پر انھوں نے فیروزآبادی کی قاموس کو لوگوں کے ہاتھوں میں دیکھا۔ اور اس سے لوگوں کو جو لگاؤ اور تعلق تھا اس کو بھی محسوس کیا۔ ایک جگہ وہ کہتے ہیں کہ۔ فیروزآبادی نے اپنی قاموس میں ساٹھ[60] ہزار (اصل مادہ) کو جمع کیا ہے، اور اصل کتاب "الصحاح" میں چالیس[40] ہزار مادے تھے، اس طرح مصنف (صاحب قاموس۔ فیروزآبادی۔) نے بیس[20] ہزار مادوں کا اضافہ کیا۔ اس کے بعد ابن منظور جو "لسان العرب" کے مصنف ہیں، انھوں نے بھی بیس ہزار مادوں کا اضافہ کیا۔ اس طرح ہر آنے والا مصنف ماسبق کے مصنف کی تصنیف پر کچھ نہ کچھ

اضافہ کرتا رہا۔ ——— اس قول سے پوری طرح واضح ہوتا ہے کہ انھوں نے فیروز آبادی کے قاموس کے ساتھ ساتھ دوسری قوامیس کو بھی اپنے مطالعہ میں رکھا تھا۔ اور یہاں تک کہ اس میں جو مواد تھے ان کو بھی گن لیا تھا۔ مواد کے کہنے کا مطلب یہ ہوا کہ ہر مادہ کی شرح اور شرح کے ساتھ ساتھ شواہد کا بھی انھوں نے گہرا مطالعہ کیا ہوگا۔ اور ان قوامیس میں جو کمیاں رہ گئی ہوں گی ان کا بھی انھوں نے اندازہ کیا ہوگا

دوسری چیز جو بڑی قابل غور ہے وہ یہ کہ زبیدی کے زمانہ میں جو فن لغت کی مختلف کتابیں تھیں لوگوں کو ان سے دلچسپی تھی اور عوام اپنی مجلسوں میں اس کے متعلق ایک کا دوسرے سے موازنہ اور مقابلہ بھی کرتے تھے، انھوں نے اپنی کتاب میں اس طرح کے جو اقوال جمع کئے ہیں وہ کبھی نثر کی شکل میں ہیں اور کبھی نظم کی۔ ایک جگہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے شیوخ و اساتذہ سے جوہری کی "صحاح" اور فیروزآبادی کی "القاموس المحیط" کا تذکرہ سنا ہے۔ اور اس کا موازنہ کرتے ہوئے بھی سنا ہے، اور وہ موازنہ ان اشعار میں ہے جن کا انھوں نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں ذکر کیا ہے۔ یہ موازنہ کئی اشعار پر مشتمل ہے۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ فیروزآبادی کی "قاموس" اور جوہری کی "صحاح" دونوں اپنی جگہ پر بڑی قاموس ہیں، لیکن "القاموس المحیط" کے سامنے "صحاح" کی وہ حیثیت ہے جس طرح چاند کے سامنے تاروں کی، یا مدائن میں جادوگروں کے سحر کے مقابلہ میں حضرت موسیٰ کا سحر۔ ان کے سحر کے آگے دوسرے جادوگروں کے سحر بالکل غائب (معدوم) ہو گئے۔ ان اشعار میں فیروزآبادی کی اہمیت اور ان کی کتاب کی حیثیت پوری طرح واضح ہوتی ہے۔

"القاموس المحیط" کے تکملہ میں لغت کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے، "القاموس" اپنے مجموعۂ انتخاب کی وجہ سے جسے کسی دوسرے نے اس

حسن اختصار سے جمع نہیں کیا تمام شہروں میں پھیلی ہوئی تھی۔ اور اس کے باریک و دقیق نقاط کی طرف رہنمائی اس کی اصطلاحات اور رموز واشارات پر منحصر تھی۔ صاحب تکملہ نے سید مرتضیٰ زبیدی کی ایک تحریر بھی نقل کی ہے۔ انھوں نے اپنی شرح "قاموس" کے شروع میں ان حضرات کے اسمائے گرامی گنائے ہیں جنھوں نے "القاموس" کی شرح کی ہے۔ مثلاً "النور المقدسی" سعدی آفندی، ملا علی قاری، المناوی، القراضی، اور سید عبداللہ الحسینی حاکم یمن وغیرہ [1]

---

[1] القاموس المحیط، للفیروزآبادی، الجزء الرابع۔ فی التکملۃ (ھذہ فوائد شریفۃ وقواعد لطیفۃ فی معرفۃ اصلاحات القاموس جمعہ الفقیر لضرابو الوفاء الہورینی الراجی ممن اطلع علی عثرات العفو عن ھفواتہ عفا اللہ عنہ)

"حمدا لمن شرف وطہور اشرف الکائنات لسان العرب وقسم علومہ الی نقلیۃ ھی الشرعیۃ وعقلیۃ ھی الادب وجعل کلا منہما متوقفا علی معرفۃ اللغۃ۔ وصلاۃ والسلام علی سیدنا محمد والہ الذین نالوا من کل فضل ابلغہ۔ وبعد! فلما کان کتاب "القاموس" منتشراً فی جمیع الامصار لجمعہ مالم یجمع غیرہ مع حسن الاختصار وکان الاھتداء الی النقاط درر ہ والوقوف علی دقائقہ وغررہ ـــ موقوفاً علی علم اصطلاحات ومعرفۃ رموزہ واشاراتہ جمعۃ فی ذالک انطفتہا من مواضع متفرقۃ فی حاشیۃ للعلامۃ الفاسی المعروف بابن الطیب لکونہ آخر من کتب علی القاموس من الافاضل الاثنی عشر الذین ذکرھم تلمیذہ الامام الفاضل التحریر۔ ذو التدقیق والتحریر۔ السید محمد مرتضیٰ الزبیدی فانہ فی اول شرحہ علی القاموس سمی جملۃ ممن شرحہ کالنور المقدس وسعدی

پھر وہ لکھتے ہیں کہ۔ القاموس پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں سب سے جامع کتاب جو میری نظر سے گزری وہ ہمارے شیخ لغت نویسی کے امام ابوعبداللہ محمد بن الطیب بن محمد الفاسی کی ہے جو کہ ۱۱۱۰ھ میں "فاس" میں پیدا ہوئے۔ اور مدینہ منورہ میں ۱۱۷۰ھ میں انتقال فرمایا۔ اور وہی میرے اس فن کی بنیاد اور مقلد ہیں [1]

اسی طرح انھوں نے جوہری کے ہم نواؤں کے بھی اقوال نقل کئے ہیں جو نظم و نثر دونوں میں ہیں۔ جوہری کے ہم نواؤں کا کہنا ہے کہ "صحاح" کی فنی حیثیت اس سے ظاہر ہوتی ہے کہ ہر لغت کے مصنف نے جو ان کے بعد آیا اسی کو بنیاد بنایا، اور جہاں تک مواد کے پھیلاؤ کا تعلق ہے تو اگر جوہری کی کتاب موجود نہ ہوتی تو وہ لوگ بھی اپنی کتاب کو نہ تو اتنا عظیم کر پاتے اور نہ اس میں اتنی وسعت آسکتی تھی۔

ان مختلف اصول و آراء سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ گیارہویں اور بارہویں صدی میں لغت کی کتابوں سے علماء کو کتنا لگاؤ اور دلچسپی تھی۔ اور میرا خیال ہے کہ زبیدی نے ان حلقوں میں بیٹھ کر لغت کی کتابوں کے بارے میں لوگوں سے سنا، اور ان کے آپس میں جو مکالمے ہوا کرتے تھے ان کو بھی سُنا جس کی وجہ سے ان کے اندر لغت کی مختلف کتابوں کو دیکھنے کا

---

مسلسل ہے۔ آفندی، وملا علی قاری، والمناوی، والقرافی والسید عبداللہ الحسنی ملک الیمن۔ ثم

[1] القاموس المحیط۔ للفیروز آبادی، الجزء الرابع (فی التکملہ)

"قال ومن اجمع ما کتبت علیہ مما سمعت ورأیت شرح شیخنا الامام اللغوی ابی عبداللہ محمد بن الطیب بن محمد الفاسی المتولد بفاس ۱۱۱۰ والمتوفی بالمدینۃ المنورۃ ۱۱۷۰، وھی عمدتی فی ھذا الفن والمقلد جیدی العاطل بحلی تقریرہ المستحسن"

شوق پیدا ہوا۔ اور ان کتابوں کو دیکھنے کے بعد انھیں ان میں جو خامیاں اور کمیاں نظر آئیں وہی ان کے "تاج العروس" کی تصنیف وتالیف کا سبب و محرک بنی۔

خود زبیدی نے بھی مختلف مقامات پر لغت کی کتابوں میں جو خامیاں اور کمیاں ہیں ان کا بھی ذکر کیا ہے، اور ان خامیوں اور کمیوں کے مختلف اسباب بتائے ہیں، چنانچہ جب انھوں نے قاموس کی شرح کا منصوبہ بنایا تو ان کے سامنے لغت کی کتابوں کے ساتھ ساتھ خود قاموس کی وہ تمام شرحیں تھیں جو مختلف علاقوں اور مختلف زمانوں میں لکھی گئیں۔ ان شرحوں کا انھوں نے تفصیلی جائزہ لیا ہے۔ سب سے زیادہ انھوں نے جس شرح کو پسند کیا ہے وہ الفاسی کی شرح ہے اور یہ شرح قاموس کی آخری شرح ہے. اسی شرح کو انھوں نے "تاج العروس" کے لئے بنیاد بنایا۔ قاموس کی جو مختلف شرحیں مختلف زمانوں میں لکھی گئیں انھوں نے زبیدی کے لئے زمین ہموار کی، اور دوسری قوامیس کے سہارے انھوں نے اس بڑے کام کو پایۂ تکمیل تک پہونچایا جس روز وہ اس کتاب کی تصنیف سے فارغ ہوئے تھے قاہرہ میں ہر طرف جشن منایا جا رہا تھا۔ خود مصنف کی خوشی کا یہ عالم تھا کہ انھوں نے مختلف علاقوں کے سربراہوں، مدارس کے طلبا و اساتذہ کو ایک عام دعوت دی تھی، کتاب کی دھوم اس طرح مچی کہ پوری دنیا میں اس کی شہرت پھیل گئی۔ ہر علاقہ کے بادشاہوں اور امراء نے فوراً اس کی کاپی نقل کرنے کی گزارش کی۔ اور دنیا کے بڑے بڑے شہروں کے لئے باعث زینت بنی، اور کتب خانوں کے ساتھ ساتھ امراء اور بادشاہوں نے بھی اس کو سینے سے لگایا۔ اس روایت سے جہاں زبیدی کی کتاب کی اہمیت اور عظمت کا اندازہ ہوتا ہے وہیں یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ دور انحطاط میں بھی بادشاہوں اور خلفاء کو علم اور علماء سے کس قدر لگاؤ اور نسبت تھی۔ زبیدی کی کتاب

جب منظرِ عام پر آئی اس وقت تک جتنی بھی اہم لغات لکھی جا چکی تھیں ۔ پڑھے لکھے لوگ ان سے واقف تھے، اور ہر بڑے کتب خانے میں پائی جاتی تھیں۔ لیکن زبیدی کی کتاب جو سب سے بعد میں آئی، تمام کتابوں پر حاوی ہو گئی۔ یہاں تک کہ لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ اب اس کتاب کے بعد لغت کی دوسری کتاب کی ضرورت نہیں۔

انگریز تبصرہ نگار "ہے وڈ" نے اسے اٹھارویں صدی عیسوی کی عظیم ترین لغت میں گردانا ہے۔ لہ اس کا شمار عربی کی بنیادی کتابوں میں ہوتا ہے۔ یہ کتاب ان کے تمام کارناموں میں مثل ہار کے بیچ کے موتی کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ کتاب اسلامی ملکوں میں ان کی شہرت کا ذریعہ بنی

"تاج العروس" کے اجراء کی دعوت میں دور دراز علاقوں سے آئے ہوئے شیوخ اور علمائے کرام نے علامہ زبیدی کے فضل و کمال کا اعتراف کیا اور علامہ کو ان کے معاصرین نے فوقیت دی۔ فیروز آبادی کی قاموس حروف تہجی کے اعتبار سے مرتب کی گئی ہے۔ علامہ مرتضٰی بلگرامی نے "لسان العرب" و "العباب الذاخر" سے مدد لی، اور اس کی ترتیب حروف تہجی کے اعتبار سے رکھی۔ مشہور مستشرق "اردوارڈ لین" نے جب عربی انگریزی ڈکشنری

---

لہ

Modern Arabic Literature (1800-1970)

Joha- A. Haywood - Lund Humphries, London

" This then was typical of the literary scene on the eve of the "Renaissance". In fact the most influential Arabic book written in the 18th Century was the large scale dictionary Taj-al- "Aurus" compiled by the Egyptian Murtada-al-Zabidi".

مرتب کی تو اس نے صرف "تاج العروس" اور لسان العرب" سے مدد لی۔ "تاج العروس" کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں مفرد الفاظ کی تشریح بھی کی گئی ہے۔ علامہ نے "ممایستدرک علیہ" عنوان کے تحت مضمون میں فیروزآبادی سے ہوئی کمی کو پورا کر دیا ہے۔ اس میں حدیث، تفسیر اور ان اہم علمی شخصیات کا ذکر کیا گیا ہے جن کا ذکر فن اسماء الرجال کی اہم اور متداول کتابوں میں نہیں ملتا ہے۔ [1]

---

[1] "الکفاح" (جریدہ): ۱۶/ اغسطس، ۱۹۸۳ء: "تاج العروس و مؤلفہ السید مرتضیٰ الزبیدی البلگرامی" ۔ بقلم : الدکتور نثار احمد الفاروقی استاذ بجامعۃ دلہی،

یعد "تاج العروس" من امہات الکتب العربیۃ وصاحبہ ہو ابوالفیض محمد بن محمد بن عبد الرزاق المعروف بمرتضیٰ الحسینی البلگرامی ثم الزبیدی من کبار علماء اللغۃ العربیۃ مع أنہ کان ھندی الأصل والمولد ...... أما "تاج العروس" فی شرح جواھر القاموس ھو واسطۃ العقد بین جمیع اثارہ، صنفہ فی عشر مجلدات کبار ...... وصار "تاج العروس" ذریعۃ لصیتہ الذائع فی للبلدائع الأسلامیۃ ۔ وازدھم علیہ العلماء والطلاب والامراء والاکابر "والأعیان للأخذ والاستفادۃ، حتیٰ بدا یعش عیش الامراء، فلبس الملابس الفاخرۃ، ورکب الخیول المسومۃ ...... ولمّا اکمل شرح "القاموس" أولم ولیمۃ جیدۃ سنۃ إحدی وثمانین ومائۃ ألف (۱۱۸۱ھ) جمع فیہا الشیوخ والاعیان من انحاء القطر المصری نشہد والغزارۃ علمہ' واولی السید مرتضیٰ اما م لبیان جامع بصعف فیہ خصائص شرحہ حتیٰ افتخوا بفضلہ

مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں کہ:۔

"قاموس فن لغت میں گویا ایک متن متین ہے کیوں کہ فیروزآبادی نے نہایت مختصر لفظوں" میں زیادہ مطالب کے سمٹنے کی کوشش کی ہے۔ سید علامہ کی غالباً سب سے پہلی نگاہ انتخاب اس پر پڑی، اور کامل چودہ سال گوشۂ تنہائی میں بیٹھ کر آپ نے اس ٹھوس اور جامع کتاب کی ایک ضخیم شرح نو جلدوں میں لکھی ..... جب کام ختم ہو گیا تو آپ نے قدیم دستور کے مطابق مصر کے تمام اعیان و اشراف کی دھوم دھام سے ایک دعوت کی

---

[۱] وتفوقه بين معاصريه ..... القاموس للفيروزآبادي، هو اكثر المعاجم تداولاً بين أيدي الكتاب والعلماء وهو مرتب حسب اواخر الكلم .......... وعول السيد مرتضى في شرحه على "لسان العرب" و"العباب الزاخر" لرضي الدين حسن الصغاني وأبقى ترتيب الكلام على اواخر الالفاظ. وحين عني "ارد ولم لين" المستشرق بوضع معجم عربي انجليزي في مجلدات كثيرة كان تعويله على "تاج العروس" "ولسان العرب" وهي لغة تشتمل على اكثر من ثلاثة الاف صفحة كبيرة ـ ومن مميزات "تاج العروس" انه يغنيك في اللغة عن سائر اللغات ويحتوي على شرح مفصل لمفردات الالفاظ وأضاف الشارح المذكور مافات الفيروزابادي تحت عنوان "ممايستدرك عليه" فيضمن هذا الشرح الكبير كثيراً من الرجال العلماء والحديث والتفسير الذين لاتوجد تراجمهم في كتب المتداولة الاسماء الرجال - واستند السيد مرتضى في شرح غرائب الالفاظ على "العباب الزاخر" للصغاني، وعلى تكملة على الصحاح للجوهري وكلاهما غير مطبوعين حتى الآن،

جس میں علمائے کرام، صلحاء و مشائخ، الغرض ہر طبقہ کے لوگ جمع تھے، دعوت کے بعد آپ نے سب کو ایک مجلس میں جمع کیا اور اپنی محنت ان کے سامنے پیش کی۔ لوگ انگشت بدنداں تھے۔ حیرت تھی کہ ہندوستان کے غریب الوطن مسافر نے یہ کیا کیا۔ اور بالاتفاق سبھوں نے ان کی جلالت قدر کا اعتراف کیا مصر کے مسلم الثبوت اساتذہ و سر برآوردہ علماء نے نہایت فراخدلی کے ساتھ اس پر اپنی تقریظیں ثبت کیں۔ ان میں اپنے زمانہ کے شیخ الکل شیخ علی صعیدی، شیخ احمد دردیر، شیخ ابوانوار خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

مصر میں جس وقت اس کتاب کا غلغلہ بلند ہوا تو اطراف وجوانب سے جوق در جوق لوگ اس ندرت انگیز حیرت خیز چیز کو دیکھنے کے لئے امڈ پڑے۔ رفتہ رفتہ اس کی جلالت شان، علوم مرتب کا شہرہ دوسرے اسلامی ممالک تک پہونچا۔ قسطنطنیہ سے خلیفۃ المسلمین کا فرمان آیا کہ اس کا ایک نسخہ سلطان کتب خانہ کے لئے فوراً بھیجا جائے، مراکش کے سلطان نے بھی اس کا ایک نسخہ طلب کیا۔ دارفور کے امیر نے بھی ایک نسخہ اپنے لئے لکھوایا۔ حالانکہ اگر بکفایت لکھوایا جاتا تو ہر نسخہ کی لکھائی پر کم از کم ایک ہزار ریال خرچ کا اندازہ ہوتا ہے۔ اور یہ کل کی بات ہے۔ "لیکن زمانہ کی نیرنگی کا کچھ ٹھکانہ ہے۔ کہ اگر آج کسی اسلامی کتاب کی قیمت بدقسمتی سے دس یا بیس تک پہونچ جاتی ہے تو اس کے مصنفین صرف کیڑوں اور دیمک کے نگراں کار بن کر رہ جاتے ہیں۔" [1]

علامہ شیخ عبدالرحمن الجبوتی نے اپنی کتاب "تاریخ عجائب الآثار فی التراجم والاخبار" میں ان علمائے کرام و شیوخ کا تفصیلی ذکر کیا ہے

---

[1] رسالہ "معارف" مطبع معارف: دارالمصنفین اعظم گڑھ؛ نمبر: ۲، جلد: ۱۹، فروری ۱۹۲۷ء

جنھوں نے "تاج العروس" پر نظم و نثر دونوں میں تبصرے لکھے ہیں۔[2]

مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نے حیدرآباد شہر میں ۱۱ اکتوبر ۱۹۸۲ء میں منعقد عربک سیمنار میں اپنی تقریر میں سید مرتضیٰ زبیدی بلگرامی کی معرکتہ الآرا تصنیف "تاج العروس" کی افادیت اور اس کے محرک کے سلسلہ میں کہا ہے کہ:

> "میں نے ابھی آپ کے سامنے قاموس کا نام لیا ہے۔ میں جن زبانوں سے واقف ہوں ان میں میری معلومات میں کسی لغت کی اتنی مفصل شرح نہیں ملتی ہے جیسے "قاموس" کی شرح "تاج العروس" ہے جس کے مصنف ہمارے جوار (اودھ) کے ایک فرزند فخر ہندوستان علامہ سید مرتضیٰ بلگرامی ہیں، جو زبیدی کی نسبت سے مشہور ہیں

---

[1] "تاریخ عجائب الآثار فی التراجم والاخبار" للعلامۃ الشیخ عبد الرحمٰن الجبرتی ج۔ ص۔۱۰۴، دار الجیل۔ بیروت

"وسماہ تاج العروس ولما اکملہ اولم ولیمۃ حافلۃ جمع فیہا طلاب العلم واشیاخ الوقت بغیط المعدیۃ وذلک فی سنۃ أحدی وثمانین ومأۃ وألف۔ واطلعہم علیہ واغتبطوا بہ وشہدوا بفضلہ وسعۃ اطلاعہ ورسوخہ فی علم اللغۃ" وکتبوا علیہ تقاریظہم نثرًا ونظمًا۔ فممن قرظ علیہ شیخ الکل فی عصرہ الشیخ علی الصعیدی والشیخ احمد الدردیر، والسید عبد الرحمٰن العیدروس، والشیخ محمد الامیر والشیخ حسن الجوادی والشیخ محمد الزیات والشیخ محمد عبادۃ، والشیخ محمد العونی والشیخ حسن الہواری والشیخ ابوالانوار السادات، والشیخ علی القنادی۔ والشیخ علی خوانظ، والشیخ عبد القادر بن خلیل المدنی، والشیخ محمد المکی، والسید علی القدسی، والشیخ عبد الرحمٰن مفتی جرجا، والشیخ علی الشاوری، والشیخ محمد الغرتباوی، والشیخ عبد الرحمٰن المقری، والشیخ محمد سعید البغدادی الشہیر بالسویدی، وہو آخر من قرظ علیہ وکنت اذ ذاک حاضرًا وکتبہ نظمًا وارتجالًا وذلک فی منتصف جمادی الثانیۃ سنۃ أربع وتسعین ومائۃ وألف"

یہاں تک کہ بہت سے اچھے پڑھے لکھے لوگ ان کو مِصری سمجھتے ہیں۔ اس کتاب کو مصنف ہی کی زندگی میں (مجازاً نہیں حقیقتہً) سونے میں تولا گیا۔ اس وقت کے عظیم ملوک و سلاطین نے ان کو اپنے ملک میں آنے کی دعوت دی۔ اور ان سے سند لی۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ قاہرہ میں ان کا دربار اس طرح لگتا تھا جس طرح بادشاہوں کا دربار لگتا ہے، میں آپ سے پوچھتا ہوں، سید مرتضٰی کے لئے کیا محرک تھا؟ کیا سیاسی و معاشی محرک تھا؟ سیاسی محرک کا حال یہ ہے کہ تمام بلادِ عربیہ اس وقت ترکی کے ماتحت تھے اور ترکی کے سیاسی تعلقات کبھی بھی ہندوستان کے ساتھ باقاعدہ قائم نہیں ہوئے تھے۔ سفارت خانوں کا دور ابھی نہیں آیا تھا، نہ ملازمتوں کا۔ سید مرتضٰی کے لئے عربی زبان میں اس حد تک کمال پیدا کرنے کے لئے کیا کشش (CHARM) تھی کہ وہ عربی زبان کی طرف ایسی توجہ کریں اور قاموس کی ایسی شرح لکھیں کہ اگر علامہ مجدالدین فیروزآبادی زندہ ہوتے تو ان کا ہاتھ چومتے۔" دوسری طرف وہ حجۃ الاسلام امام غزالی کی زندہ جاوید کتاب "احیاء علوم الدین" کی شرح "اتحاف السادۃ المتقین شرح احیاء علوم الدین" کے نام سے تصنیف فرماتے ہیں جو ایک دائرۃ المعارف Encyclopaedia کی حیثیت رکھتی ہے۔" [1]

---

[1] "عربی زبان کی تحصیل و مہارت کا سب سے طاقتور محرک اور اس کے مجرب العقول نتائج"۔
مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی (مولانا کی وہ تقریر جو انھوں نے Central Institute of English and Foreign Languages.
حیدرآباد کے آل انڈیا عربک سیمینار منعقدہ ۱۱ اکتوبر ۱۹۸۲ء میں کی جس کی صدارت نواب میر اکبر علی خاں سابق گورنر اتر پردیش نے کی۔)

"تاج العروس" کے مبصرین میں سے اکثریت اس بات پر متفق ہے کہ اس عظیم تصنیف کے بعد لغت کے موضوع پر کسی دوسری تصنیف کی ضرورت نہیں، ہمارے نزدیک اس طرح کا تبصرہ بالکل سطحی تبصرہ ہے کیوں کہ لغت میں محض الفاظ کے معنیٰ ہی نہیں بتائے جاتے ہیں بلکہ خود معنی کی تعبیر بھی فن کی حیثیت رکھتی ہے۔ ہر مصنف کا اپنا الگ الگ انداز ہوتا ہے۔ اس طرح ہر کتاب اپنی جگہ پر اہمیت رکھتی ہے۔ دوسری کتاب خواہ کتنی ہی بلند اور اعلیٰ کیوں نہ ہو دیگر کتابوں سے بے نیاز نہیں ہو سکتی ہے۔

لغت نگاری ایک اہم ترین فن ہے۔ یہ ایسا فن ہے جو درحقیقت مختلف فنون کا مجموعہ ہے۔ اس لئے کوئی بھی لغت نگار جب اس فن کی تصنیف و تالیف کا مجموعہ بنائے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ ان تمام علوم پر اس کی گہری نظر ہو جن کا اس فن سے واسطہ ہوتا ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ اس فن کا واسطہ ہر فن سے ہوتا ہے۔ کیوں کہ اصل مادے کے تحت جو لفظ بھی آئے گا خواہ وہ کسی فن سے تعلق رکھتا ہو تو لغت کے مصنف کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ اس کے من وعن پر تفصیلی بحث کرے۔ یہاں تک کہ پڑھنے والا اور اس قاموس سے مراجعہ کرنے والا مطمئن ہو جائے۔ وہ لفظ کبھی تاریخ کا ہو سکتا ہے کبھی اس کا تعلق جغرافیہ سے ہو سکتا ہے کبھی وہ فلسفہ کا لفظ ہو سکتا ہے کبھی نباتات میں سے ہو سکتا ہے کبھی کسی جسم کے اعضاء کا نام ہو سکتا ہے۔ کبھی کسی علاقہ کے چرند و پرند سے متعلق ہو سکتا ہے ان تمام چیزوں سے اور اس کے متعلق علوم سے مصنف کی واقفیت ضروری ہے۔ زبیدی نے جہاں ان مخارج و مراجع کا ذکر کیا ہے جن کی بدولت یہ کتاب پایۂ تکمیل تک پہونچی ہے۔ تو انھوں نے بڑے فخر و افتخار کے ساتھ بتایا ہے کہ میں نے اس تصنیف کے سلسلے میں ایک ہزار سے زیادہ کتابوں کا مطالعہ کیا ہے۔ انھوں نے سب کتابوں کا ذکر تو نہیں کیا، لیکن جن کتابوں

کے نام کا "تاج العروس" کے مقدمہ میں ذکر کیا ہے وہ ان تمام علوم پر مشتمل ہیں جو بارہویں صدی ہجری تک وجود میں آچکی تھیں جس میں — تاریخ، انساب رجال، علم حیوان، علم نباتات، طب، فلسفہ، قرآن سے متعلق تمام علوم، حدیث، فقہ، لغت، اشتقاق، نحو، صرف، اور بلاغت و عروض پر مشتمل ہیں

"تاج العروس" کے حاشیہ پر "قاموس" کا متن درج ہے اور شرح میں ایک تفصیلی مقدمہ ہے جس میں نمبروار کئی چیزیں ہیں۔ مثلاً

۱ لغت کے متعلق بیان

۲ لغوی علماء کے مراتب کا حال

۳ اس بارے میں ذکر ہے کہ سب سے پہلے کس نے فن لغت پر قلم اٹھایا ہے [۱]

سید مرتضیٰ بلگرامی نے "تاج العروس" کے مقدمہ میں دس مقاصد کا تفصیلی بیان کیا ہے جس پر ان کا مقدمہ مشتمل ہے۔

۱ پہلا مقصد لغت کے بارے میں ہے کہ آیا لغت توصیفی ہوتی ہے یا اصطلاحی۔

۲ دوسرا مقصد یہ ہے کہ عربی لغت کی وسعت کا احاطہ کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

۳ تیسرا مقصد مستعمل و مہمل کلام سے متعلق ہے۔

۴ چوتھا مقصد نقل کی دو قسمیں تواتر اور آحاد کے متعلق ہیں۔

۵ پانچواں مقصد افصح اللغات و افصح اللسان کے بیان میں ہے۔

۶ چھٹا مقصد مطرد و شاذ، حقیقت و مجاز، مشترک و اضداد اور مترادف و مولد کے بیان میں ہے۔

۷ ساتواں مقصد آداب لغوی کی پہچان سے متعلق ہے۔

۸ آٹھواں مقصد مراتب لغویین کے بارے میں ہے۔ اس کی دو [۲] فرعیں

---

[۱] تعمیر حیات۔ جلد: ۲، ۱۰ر جون ۱۹۶۴ء مطابق ۲۸ر محرم الحرام ۱۳۸۴ھ، شمارہ ۱۵۔

ہیں۔ پہلی فرع بصری ائمۂ لغت، ان کی اسانید اور وفات وغیرہ کے بیان میں ہے۔ اور دوسری فرع کوفی امام لغت اور ان کی اسناد و القاب اور اُن کی وفات کے بارے میں ہے۔

۹ نواں مقصد مؤلف کے ترجمے سے متعلق ہے۔

۱۰ دسواں مقصد ان اسانید کے بارے میں ہے جو مؤلف سے متعلق ہیں[۱]

سید مرتضی بلگرامی "تاج العروس" کی دسویں جلد میں لغت کی افادیت کے بیان میں رطب اللسان ہیں، وہ کہتے ہیں کہ لغت" سارے علوم کے لئے مسلم ہے۔ اور کیوں نہ ہو۔ جب کہ لغت ہی تمام فنون ادب کا محور ہے اور لغت ہی قرآن مجید کے سمجھنے کا ذریعہ ہے۔ اور لغت ہی ایسا ذریعہ اور مرجع ہے جس پر مجتہدین نے شریعت اور قواعد اسلام کا استنباط کیا ہے۔ شاعر، ناشر، مقرر ہر ایک اسی کا سہارا لیتے ہیں، اکابرین علمار نے اس کی طرف کافی توجہ دی ہے انھوں نے تالیف و تعلیم و تصنیف و ایجاد میں اپنا وقت صرف کیا۔ بڑی سے بڑی کتابوں میں اس کے ابواب مقرر ہوئے اور نوادر کلمات کا اختصاص کیا اس کی گتھیوں کو سلجھایا، میں نے اس بات کا ارادہ کیا کہ لغت میں تالیف کردہ ساری باتوں کو آسان کر دوں، اور "قاموس" کی تاج العروس نامی شرح کو

---

[۱] "تاج العروس" سید محمد مرتضی الزبیدی، ج ۱ (مقدمہ) صفحہ ۱-۳۹۔

"المقصد الاول فی بیان أن اللغة هل هی توقیفیة أو اصلاحیة ........

المقصد الثانی فی سعة لغة العرب ...... المقصد الثالث فی عدة ابنية الكلام ...... المقصد الرابع فی المتواتر من اللغة والآحاد ..... المقصد الخامس فی بیان الأفصح ..... المقصد السادس فی بیان المطرد والشاذ والحقيقة والمجاز والمشترك والاضداد والمترادف والمعرب والمولد ...... المقصد السابع فی معرفة

تمام جواہر البیان یا شذور التحریر کی تعبیرات سے آراستہ کر دیا ہے۔ [1]
علاوہ ازیں "تاج العروس" میں ہی اس کے فصول اور ابواب میں آنے والے لغات کو معلوم کرنے کا طریقہ بھی بتایا گیا ہے۔ قاموس میں کسی لفظ کی تحقیق کے لئے اگر باب معلوم کرنا ہو تو اس کا آخری حرف، اور فصل معلوم کرنا ہو تو شروع کا حرف دیکھنا ہو گا، اور شروع و اخیر میں ہونے کا اعتبار بھی اسی وقت ہو گا جب کہ یہ حروف اصلی ہوں، حروف زائد نہ ہوں، ورنہ پھر ان زائد حروف کا اعتبار نہ ہو گا اس کی وجہ یہ ہے کہ قاموس ۲۸ باب پر اب ت کی ترتیب پر لکھا گیا ہے۔ البتہ "ھاء" کے باب کو "واو" اور "یاء" کے باب پر مقدم کیا گیا ہے [2]

---

آداب اللغوی..... المقصد الثامن وفی انواع النوع الاول فی بیان اللغویین وفیہ فرعان، الاول فی بیان أئمة اللغة من البصریین وبیان اسانیدھم ووفیاتھم۔ الفرع الثانی فی بیان ائمة اللغة من الکوفیین وبیان اسانیدھم ووفیاتھم..... المقصد التاسع فی ترجمة المؤلف.... المقصد العاشر فی أسانیدنا المتصلة الی المؤلف۔"

[1] الجزء العاشر من "تاج العروس"۔ ص: ۴۶۶ - ۴۶۹

[2] "تاج العروس"، ۹۱ لغت ا۔ د مفتاح الکتاب۔ الکشف اللغة من الفصول والأبواب کل من اراد ان یعرف المراجعة فی القاموس فلیحفظ ھذین البیتین۔

اذا أردت فی القاموس کشف اللغة　　　فآخرھا للباب والبدء للفصل
ولا تعتبر فی بدئھا واخیرھا　　　مزیدا ولکن اعتبارک للأصل

وذلک القاموس اشتمل علی ۲۸ بابا علی ترتیب اب ت الخ بحرنہ قدم باب الھاء علی باب الواو والیاء۔ واما فی الفصول فقد فضل الواو علی فصل الھاء ثم ان کل باب من الابواب المذکورة ...... والاسم الاعجمی والجامد تعتبر حروفہ کلا أصول کسمھند فھی من باب الدال وفصل السین وابراھیم من باب المیم۔"

"تاج العروس" کی اہمیت یہ ہے کہ اس نے بہت سی عربی ڈکشنریوں کے مطالعہ سے بے نیاز کر دیا ہے۔ اس کے سینے میں مفردات لغت سے متعلق وہ تمام شرحی تفصیلات محفوظ ہیں جو عربی ڈکشنریوں میں مندرج ہیں، اس کی دوسری امتیازی فضیلت یہ ہے کہ "قاموس" کے مؤلف کے شرح کئے ہوئے الفاظ سے مشتق جو نام اور نسبتیں یا اعلام امکنہ چھوٹ گئے تھے بلگرامی نے ہر لفظ کے اخیر میں " ومما یستدرک علیہ" کا باب باندھ کر ان کا صحیح تلفظ متعین کیا ہے۔ اسی طرح دوسرے یا تیسرے درجہ کے محدثین کے نام یا نسبتیں جو شرح کئے ہوئے لفظ سے مشتق ہیں اور جنھیں فیروزآبادی نے نظرانداز کر دیا تھا۔ بلگرامی نے مع سند وفات بیان کر دیئے ہیں، حدیث کے علاوہ دوسرے علوم کے فضلا، اور مصنفین کے نام نہ فیروزآبادی نے دیئے ہیں اور نہ بلگرامی نے، منمق ابن حبیب کی نثر تصحیح کے دوران اس کتاب میں اپنے بہت سے اجنبی اعلام اشخاص و امکنہ ہیں جو کسی دوسرے قاموس میں دستیاب نہیں ہوئے، بلگرامی نے ان میں سے بیشتر کے باب استدراک میں تلفظ متعین کر کے وضاحت کر دی ہے۔ اجنبی اور غریب الفاظ انھوں نے زیادہ تر صغانی کی "عباب" اور "تکملہ علی الصحاح" سے اخذ کئے ہیں اور یہ دونوں بلند پایہ کتابیں جیسا کہ معلوم ہے مطبوعہ شکل میں دستیاب نہیں ہیں۔

ذیل میں "لسان العرب" اور "تاج العروس" میں کی ہوئی "فدک" لفظوں کی شرح پیش ہے، اس سے قاری کو ان عظیم ڈکشنریوں کے اسلوب بیان اور دائرہ تشریح کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ [1]

---

[1] "لسان العرب" مادہ "فدك": فدك القطن تفديكا. وهي لغة أزدية، وفدك وفدكى إسمان، وفديك. اسم عربي وفدك موضع بالحجاز، قال زهير:

لئن حلت بجوفي بن اسد ※ في دين عمرو وحالت بيننا فدك

مسلسل:—

مسلسل حاشیہ
الازہری: فدك قرية بخيبر، قيل بناحية الحجاز فيها عين ونخل أفاء الله على نبيه وكان على والعباس عليهما السلام تينازعانها وسلمها عمر اليهما فذكر أن النبي كان جعلها في حياته لفاطمة وولدها وابى العباس ذلك وابو فديك رجل والفديكات قوم من الخوارج نسبوا إلى ابى فديك الخارجي
"تاج العروس":-
(فدك محركة بلدة بخيبر) فيها نخل وعين أفاء الله على نبيه وكان على والعباس تينازعانها وسلمها عمر رضى الله عنه اليهما فذكر على ان النبى كان جعلها لفاطمة وولدها وابى العباس ذلك. قال زهير بن ابى سلمى:
لئن حللت بجو فى بنى أسد ※ فى دين عمرو وحالت بيننا فدك
(وفدكى بن أعبد) كعربى وأبو ميا أم عمرو بن الاهتم) وأمها بنت علقمة من زرارة، قال عمرو بن الاهتم:
نمتنى عروق من زرارة للعلا ※ ومن فدكى والاشد عروق
(وفديك كزبير ع) كما فى العباب. وفى "اللسان" وفديك اسم عربى أو الفديكات قوم من الخوارج. نسبوا إلى أبى فديك الخارجى. كما فى اللسان والعباب (وتفديك القطن نفشه) قال الجوهرى: لغة ازدية ومما يتدرك عليه أبو اسمعيل بن محمد بن سلم بن ابى فديك واسم ابى فديك دينار من ثقات اصحاب الحديث نقله الصغانى. قلت: وهو مدنى مشهور. وقد تكلم فيه ابن سعد، وفديك أبو بشير الزبيدى له صحبة حجازى. روى عنه حفيده، وفديك بن عمرو ابو حبيب لهما صحبة
"لسان العرب" مادة "خبر"
الخبير من أسماء الله عز وجل العالم بما كان وما يكون وخبرت بالامر

علمته - وخبرت الامر أخبره، اذا عرفته على حقيقة، وقوله تعالى:
"فاسئل به خبيراً"، أى اسئل عنه خبيراً يخبر، والخبر (بالتحريك)
واحد الاخبار - والخبر ما اتاك من نبأ عمن تستخبر ابن سيده الخبر
النبا والجمع أخبار، وأخابير جمع الجمع ____________

فأما قوله تعالى: يومئذٍ تحدث اخبارها، فمعناه يوم تزلزل تخبر بما
عمل عليها، وخبّره بكذا او أخبره نبّأه واستخبره سأله عن الخبر وطلب
ان يخبره ويقال: تخبرت الخبر واستخبرته، ومثله تضعفت الرجل
واستضعفته وتخبرت الجواب واستخبرته، والاستخبار والتخبر
السوال عن الخبر، وفى حديث الحديبية: أنه بعث عينا من خزاعة
يتخبر له خبر، أنشد ثعلب:

وشفاء عيك خابراً ان تسالى؛

فسره فقال؛ معناه ما تجدين فى نفسك من العى أن تستخبرى،
ورجل خبرانى: ذو مخبر، كما قالوا المنظرانى ذو منظر والخَبر والخِبر
والمزادة العظيمة، والجمع خبور، وهى الخبراء ايضا ان كراع ويقال
الخبر الاانه بالفتح اجود - وقال الهيثم: الخَبَر بالفتح المزادة وأنكر
فيه الكسر، ومنه قيل ناقة خبرٌ أذا كانت غزيرة، والخَبر والخِبر الناقة الغزيرة
اللبنى - شبهت فى المزادة فى غزرها، والجمع كالجمع... وقد خبرت
خبوراً - عن اللحيانى الجزاء المجرية بالغزر، والخبرة القاع ينبت السدر،
وجمعه خَبُر، وهى الجزاء ايضا - والجمع خبراوات وخبار، قال سيبويه
وخبار كسروها تكسير الاسماء وسلموها على ذلك، وإن كانت فى الأصل
صفة لانها قد جرت مجرى الاسماء والخبراء منقع الماء، وخص بعضهم

مسلسل حاشیہ

بہ منقع الماء فی أصول السدر، وقیل الخبراء القاع ینبت السدر والجمع الخباری

والخبار ی مثل الصحاری والصحاری. والخبروات یقال خبر الموضع

بالکسر فهو خبر. وأرض خبرة. والخبر شجر السدر والأراك وما حولهما من

العشب واحدته خبرة وخبراء الخبرة شجرة شجرها، وقیل الخبر

منبت السدر فی القیان والخبراء قاع مستدیر یجتمع فیه الماء وجمعه

خبار ی وخباری. وفی ترجمة نقع النقائع خباری فی بلاد تمیم اللیث

الخبراء شجراء فی بطن روضة یبقی فیها الماء الی القیظ وفیها ینبت الخبر

وهو شجر السدر والاراك وحوالیها عشب کثیراً وتسمی الخبرة والجمع

الخبر وخبرة الخبرة شجرها، قال الشاعر:

فجادتك أنواء الربیع وحللت ∴ علیك ریاض من سلام ومن خبر

والخبر من مواقع الماء، ما خبر المسیل فی الرؤس فتخوض فیه وفی الحدیث:

فدفعنا فی خبار من الأرض أی سهلة لینة، والخبار عن الارض

ما لان واسترخی وکانت فیه حجرة، والخبار الجراثیم وحجرة

الجرذان، واحدته خبارة، وفی المثل: من تجنب الخبار أمن العثار

والخبار أرض رخوة تتعتع فیه الدواب وأنشد:

تتعتع فی الخبار إذا علاه ∴ ویعثر فی الطریق المستقیم

ابن : والخبار ما من الأرض خبراً کثر خبارها الخبر أن تزرع علی النصف

أو الثلث من هذا وهی المخابرة المزارعة ببعض ما یخرج من الأرض وهو الخبر ایضاً بالکسر،

وفی الحدیث کنا نخابر ولا نری بذلك بأساً حتی أخبر رافع أن رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نهی عنها وفی الحدیث إنہ نهی عن المخابرة قیل هی المزارعة علی نصیب

معین کالثلث والربع وغیرها، قیل هو من الخبار الأرض اللینة، وقیل اصل المخابرة من خیبر لأن

النبی اقرہا فی ایدی اہلہا علی النصف من فصولہا فقیل خابرہم أی عاملہم فی خیبر، وقال اللحیانی ہی المزارعة، فعم بہا، والمخابرة أیضًا المؤاکرة والخبیر الاکّار. قال:

تجز رؤس الأوس من کل جانب ٭ کجز عقافیل الکروم خبیر ہا

رفع خبیرہا علی تکریر الفعل اراد جزة خبیرہا ای اکارہا. والخبر الزرع والخبیر النبات وفی حدیث طہفة، نستخلب الخبیر ای نقطع النبات والعشب ونأکلہ، شبہ بخبیر الابل وہو وبرہا لانہ ینبت کما ینبت الوبر واستخلابہ احتشاہ بالمخلب وہو المنجل، والخبیر یقع علی الوبر والزرع والاکار والخبیر الوبر قال أبو النجم یصف حمیر وحشی:

حتی اذا ماطار من خبیرہا والخبیر نسالة الشعر والخبیرة الطائفة منہ. قال المتنخل الہذلی:

فأبو بالرماح وہن عوج ٭ بہن خبائر الشعر السقاط والمخبور الطیب الادام والخبیر الزبد وقیل زبد افواہ الابل، وأنشد الہذلی:

تعذّ من فی جانبیہ الخبیر ٭ لما وہی مزنہ واستبیحا

نعذّ من لمینی الفحول ای مضغن الزبد وعمینہ. والجرو الخبرة اللحم یشتریہ الرجل لاہلہ، یقال للرجل: ما اختبرت لاہلک: والخبر الشاة یشتریہا القوم بأثمان مختلفة، ثم یقیمونہا فیسہمون کل واحد منہم علی قدر مانقد. وتخبروا خبرة اشتروا شاةً فذبحوہا، واقتسموہا وشاة خبیرة مقتسمة قال ابن سیدة: أراہ علی طرح الزائد والخبرة بالضم النصیب تأخذہ من لحم او سمک، وأنشد:

بات الربیعی والخامیز خبرة ٭ وطاح طی بنی عمرو بن یربوع

وفی حدیث أبی هریرة رضی الله عنه حین لا آکل الخبیر. قال ابن الاثیر:
هکذا جاء فی روایة أی المأدوم" والخبیر والخبرة الأدام، وقیل هوالطعام
من اللحم. وغیره ویقال: اخبر طعامك أی وسمه وأتانا بخبرة وکم
یأتنا بخبرة وجمل مختبر کثیر اللحم. والخبرة الطعام وماقدم من شئ وحکی اللحیانی
أنه سمع العرب تقول: اجتمعوا علی خبرة یعنون ذلك، والخبرة
الثرید ة الضخمة، وخبر الطعام یخبره خبراً وسمه، والخابور
نبت أو شجر، قال:

ایا شجر الخابور مالك مورقاً ::: کأنك لم تجزع علی ابن طریف

"والخابور" نهر وأووادبالجزیرة وقیل موضع بناحیة الشام وخیبر موضع
بالحجاز، قریة معروفة، ویقال: علیه الدبری وحمی خیبری۔

" تاج العروس" .......

(الخبر محرکة النبأ) هکذا فی المحکم، وفی التهذیب الخبر ما أتاك
من نبأ عمن تستخبر، قال شیخنا: ظاهره علی صریحه أنهما مترادفان
وقد سبق الفرق بینهما، وأن النبأ خبر مقید بکونه عن أمر عظیم کما قید به
الراغب وغیره من ائمة الاشتقاق والنظر فی اصول العربیة، ثم ان
أعلام اللغة والاصطلاح قالوا: الخبر عرفاً ولغة ماینقل عن الغیر، زاد
فیه أهل العربیة: واحتمل الصدق والکذب لذاته والمحدثون
استعملوه بمعنی الحدیث أوالحدیث عن النبی والخبرما عن غیره وقال
جماعة من أهل الاصطلاح: الخبر اسم والاثر هوالذی یخبر به عن
غیر الحدیث کما لفقها خراسان وقد مرا یماء الیه فی اثر وبسطه فی
علوم أصطلاح الحدیث (ج اخبار) وجج (ای الجمع اخابیر) یقال

(رجل خابر وخبیر) عالم بالخبر والخبیر المخبر (و) قال ابوحنیفة فی وصف شجر: اخبرنی بذلك الخبیر، فجاء (كَنعف) قال ابن سیده: وهذا لا یكاد یعرف الا ان یكون علی النسب (و) یقال رجل خبر مثل (حجر) ای (عالم به) ای بالخبر علی المبالغة كزید عدل ———

(واخبره خبوره) بالضم (أی انباه بما عنده، والخبر والخِبرة بكسرهما، ویضمان، والمخبرة) بفتح المواحدة (والمخبرة) بضمهما (العلم بالشیٔ) تقول لی به خبر وخِبرة (كالاختبار والتخبر) وقد اختبره وتخبره یقال: من أین خبرت بهذا الامر ای من این علمت، ویقال: صدق الخبر الخبر، وقال بعضهم: الخبر بالضم العلم الباطن الخفی لاحتیاج العلم به للإختبار، والخبرة العلم بالظاهر والباطن وقیل بالخفایا الباطنة ویلزمها معرفة الامور الظاهرة (وقد خبر) الرجل (ككرم) خبوراً فهو خبیرٌ (والخبر) بفتح وسكون (المزادة العظیمة كالخبراء) ممدود الاخیر عن الكراع (و) من المجاز الخبر (الناقة الغزیرة اللبن) شبهت بالمزادة العظیمة فی غزرها، وقد خبرت خبوراً عن اللحیانی (ویكسر فیهما) وأنكر أبو الهیثم الكسر فی المزادة. وقال غیره الفتح أجود.

(ج) أی جمعها (خبور) الخبر (ة[1] بشیراز) بها قبر سعید اخی الحسن البصری (منها) أبو عبد الله (الفضل بن حماد) الخبری الحافظ (صاحب المسند) وكان یعد من الابدال، ثقة ثبت یروی عن سعید بن أبی مریم. وسعید بن ابی عفیر وعنه ابو بكر بن عبدان الشیرازی

[1] ة بلدة

وابوبکر عبد اللہ بن ابی داؤد السجستانی، وتوفی ۲۶۴ھ (و) الخبر (ۃ بالیمن) نقلہ الصغانی (و) الخبر (الزروع و) الخبر (منقع الماء فی الجبل) وهو ما خبر المسیل فی الرؤس فتخوض فیه، والخبر (السدر) والأراک وما حولهما من العشب. قال الشاعر:

فجادتک انواء الربیع وهللت ※ علیک ریاض من سلام ومن خبر

(کالخبر ککتف) عن اللیث واحدتهما خبرة وخبرة (والجزاء القاع تنبته) ای السدر (کالخبرة) بفتح وجمعه خبر. وقال اللیث: الجزاء شجراء فی بطن روضة یبقی فیها الماء الی القیظ وفیها ینبت الخبر وهو شجر السدر والاراک وحوالیها عشب کثیر، وتسمّی الخبرة (ج الخبار) بفتح الراء (والخبار) بکسرها مثل الصحاری (والخبرادات والخبار) بالکسر. وفی التهذیب فی نقع النقائع خباری فی بلاد تمیم (و) الخبراء (منقع الماء) وخص بعضهم به منقع الماء (فی اصوله) ای السدر وفی التهذیب الخبراء قاع مستدیر یجتمع فیه الماء (والخبار کحاب مالان من الارض واسترخی) وکانت فیها حجارة رادابن الاعرابی وتحفو وقال غیره هو ما تهوّر وساخت فیه القوائم، وفی الحدیث فدفعنا فی خبار من الأرض ای سهلة لینة، قال بعضهم: الخبار أرض خوة تتعتع فیها الدواب، وانشد

تتعتع فی الخبار اذا علاه ※ وتعثر فی الطریق المستقیم

(و) الخبار (الجراثیم) جمع جرثوم وهو التراب المجتمع بأصول الشجر (و) الخبار (جحرة الجرذان) واحدته خبارة (ومن تجنب الخبار امن العثار مثل) ذکره المیدانی فی مجمعه والزمخشری فی المستقصی

مسلسل حاشیہ:

و الاساس و (خبرة الارض) خبراً (کضرح کثر خبارها) وخبر الموضع کفرح فہو خبر کثربہ، وهو السدر وأرض خبرة، وهذا قد اغفله المصنف (و نبغاء او نیف الخبار ع بنواحی عقیق المدنیة) کان علیه طریق رسول الله صلی الله علیه وسلم حین خرج یرید قریشا قبل وقعة بدر، ثم انتہی عنه الی یلیل (و المخابرة المزارعة) عم بہا اللحیانی. وقال غیره هو المزارعة ببعض ما یخرج من الارض (کالخبر بالکسر) وفی الحدیث: کنا نخابر ولا نری بذلك بأسا حتی أخبر رافع ان رسول الله نہی عنها. قیل هو من خبرت الارض خبراً کثر خبارها، وقیل اصل المخابرة من خیبر لان النبی اقرها فی ایدی المخابرة ایضا المؤاکرة و الخبیر ها الاکار) قال:

تجز رؤس الأوس من کل جانب ※ کجز عقاقیل الکروم خبیرها

رفع خبیرها علی تکریر الفعل اراد جزه خبیر أی اکارها (و) الخبیر (العالم بالله تعالی) بمعرفة اسمائه وصفاته والمتمکن عن الاخبار بما علمه، و الذی یخبر الشئ یعلمه (و) الخبیر (الوبر) یطلع علی الأبل واستعاره ابو النجم لحمیر وحش، فقال: حتی اذا ما طار من خبیرها (و) من اعجاز فی حدیث طہفة: نستخلب الخبیر أی نقطع النبات والعشب ونأكله، شبه بخبیر الابل، وهو وبرها لانه ینبت کما ینبت الوبر واستخلابه احتشاشه بالمخلب، وهو المنجل (و) الخبیر الزبد وقیل زبد أ فواه الابل و انشد الهذلی:

| | | |
|---|---|---|
| تعذب فی جانبیه الخبیر | ※ | لما هی مزنه واستیحا |
| تعذب من یعنی الفحول | ※ | أکا مضغن الزبد دعمنیه |

(و) الخبیر (نسالة الشعر) قال المنتحل الهذلی:

مسلسل حاشیہ

فأبوا بالرماح وهن عوج ❊ بهن خبائر الشعر السقاط

(و) خبير (جد والد احمد بن عمران) بن موسى بن خبير الغويدنى (المحدث) النسفى عن محمد بن عبد الرحمن الشامى وغيره (و) الخبيرة (بالهاء) اسم الطائفة منه أى من نسالة الشعر (و) الخبير الشاة تشترى بين جماعة) بأثمان مختلفة (فتذبح) ثم يقتسمونها فيسهمون كل واحد على قدر ما نقد (كالخبرة بالضم وتخبروا) خبرة (فعلوا ذلك) أى اشتروا شاة فذبحوها وتقسموها، وشاة خبيرة مقتسمة. قال ابن سيدة: أراه على طرح الزائد. (و) الخبرة (الصوف الجيد من أول الجزء) نقله الصغانى (و) المخبرة بفتح الموحدة (والمخراة) موضع الخراءة نقله الصغانى (و) المخبرة (نقيض المرءة) وضبطه ابن سيدة بضم الموحدة، وفى الأساس، ومن المجاز تخبرة (النصيب تأخذه من لحم أو سمك) وانشد۔

بات الربيعى والخاميز خبرته ❊ وطاح طى من بنى عمرو بن يربوع

(و) الخبرة (لما تشتريه لأهلك) وخصهم بعضهم باللحم (كالخبرة بغير هاء) يقال للرجل ما اختبرت لأهلك (و الخبرة الطعام من اللحم وغيره (و) قيل هو اللحم) يشتريه لأهله (و) الخبرة (ما قدم عن شئ وحكى اللحيانى أنه سمع العرب تقول اجتمعوا على خبرته يعنون ذلك (و) قيل الخبرة (طعام يحمله المسافر فى سفرته) يتزود به (و) الخبرة (قصعة فيها خبز ولحم بين اربعة او خمسة، والخابور نبت) او شجر له زهر زاهى المنظر أصفر جيد الرائحة تزين به الحدائق. قال شيخنا: ما اخاله خاله يوجد بالمشرق. قال:۔

مسلسل حاشیہ

أیاشجر الخابور مالك مورقًا ٭ کأنك لم تجزع علی ابن طریف
(و) الخابور (نهر بین رأس عین والفرات) مشهور (و الخابور)
(آخر شرقی دجلة الموصل) بینه و بین الرقة علیه قری کثیرة و بلیدات
ومنها ابو الریان شریح بن ریان بن شریح الخابوری کتب عنه السمعانی
(و) الخابور (واد) بالجزیرة وقیل بسنجار منه یعش بن هشام
القرقسانی الخابوری القصار روی عن مالك وعنه عبد بن عمرو السرقی
و قال الجوهری موضع بناحیة الشام وقیل بنواحی دیار بکر کما قاله
السید و السعد فی شرح المفتاح و المطول کما نقله شیخنا ومراده
فی شرح بیت التلخیص و المفتاح أیاشجر الخابور مالك مورقا التقدم ذکره (و) خابوراء
(ع) ویضاف الی عاشوراء وماءعه و (خیبر) کصیقل (حصن) أی
معروف (قریب المدینة) المشرفة علی ثمانیة برمنها الی الشام سمی بأسم
رجل من العمالیق منزل بها۔ وهو خیبر بن قانیة بن عبیل وهو آخر عاد
و قال قوم خیبر بلسان الیهود الحصن ولذا سمیت خبائر ایضًا۔ وخیبر معروف
غزاه النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولہ ذکرہ فی الصحیح وغیره وهو اسم للولایة به سبعة
حصون حصولها مزارع ونخل وصادقت قوله صلی اللہ علیه و سلم، اللہ اکبر
خرجت خیبر، هذه الحصون السبعة اسماءها شق وطیح ونطاة وحصوص وسلالم
وکیتبة وناعم (و احمد بن عبد القاهر) اللخمی الدمشقی یروی عن منبه بن سلیمان قلت
وهو شیخ للطبرانی (و محمد بن عبد العزیز) ولد منصور الاصبهانی سمع من ابی محمد بن فارس
(الخیبریان کانهما ولداً) وهو شیخ الأبی اسحاق المستحلی (و الخیبری) بفتح الراء والف
مقصورة ومثله فی التکملة وفی النسخ بکسرها و یاء النسبة (الحیة السوداء) یقال بلاه اللہ
بالخیبری یعنون به تلك وکأنه لما خرب صار مأوی الحیات القاتلة۔

اس وقت جب کہ عربی زبان کی روز بروز ترقی ہو رہی ہے، اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ "تاج العروس" کو علمی اور تحقیقی انداز میں پیش کیا جائے اس کتاب کی اہمیت اپنے بے شمار فوائد او مفید اعلام و مصطلحات، اور لاتعداد مفردات کو اپنے اندر سمیٹے ہونے کی وجہ سے کسی سے مخفی نہیں ہے۔ اس کا شمار عربی کی قدیم اور وسیع معجمات میں سے ہوتا ہے۔

عربی زبان کی نشاۃ ثانیہ کے اوائل میں علمائے کبار اس مآثرۂ لغوی سے واقف ہوئے، اور اس کی اہمیت کو سمجھا، چنانچہ انھوں نے دو مرتبہ اس کتاب کی نشر و اشاعت کا اہتمام کیا۔ لیکن دونوں مرتبہ یہ کتاب غلطیوں سے خالی نہ رہ سکی اس کتاب کا پہلا جز کئی سال قبل حکومت کویت کے مطبع "سلسلۃ التراث العربی" کے تحت شائع ہوا تھا۔ پھر بقیہ اجزا بھی یکے بعد دیگرے سامنے آتے رہے۔ حتیٰ کہ اس کی دسویں جلد بھی سال ۱۹۷۲ء میں زیور طبع سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آگئی، اس کی تحقیق کا اہتمام "الاستاذ ابراہیم القرزی" نے کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ یہ کتاب جیسے ہی میرے ہاتھ میں آئی، میں اس کے بے شمار فوائد کی وجہ سے مطالعہ میں لگ گیا اس کی گہرائی عربی زبان کے مفردات کو سمیٹے ہوئے ہے، اور جس چیز نے اس کتاب کی قیمت بڑھا دی ہے اور اسے فائدہ بخش بنا دیا ہے وہ محقق کی جانب سے توثیق النص ہے۔ لیکن میں نے محقق کے اندر ایک چیز پائی کہ وہ علمی تحقیق میں اصل روش سے کچھ ہٹے ہوئے ہیں۔ "الاستاذ برہان صدقی" نے محقق کی تحقیق پر جامع تبصرہ کیا ہے۔ اور ان کی تحقیق کو بہتر سے بہتر انداز میں پیش کرنے پر مبارکباد دی ہے [1]

---

[1] "مجلۃ المجمع اللغۃ العربیۃ" بدمشق - ، ۱۵ - (تاج العروس من جواهر القاموس للسید محمد مرتضی الحسینی الزبیدی: الجزء العاشر) تحقیق: ابراهیم القرزی - راجعه عبد الستار احمد فراج. بإشراف لجنة فنية من وزارة الأعلام - طبع بمطبعة حکومت الکویت - ۱۳۹۲ھ - ۳۰ ، ۱۹۷۲ء

بقلم الاستاذ برہان صدقی۔

"تاج العروس" کے جزء اول میں کتاب کی مقبولیت و افادیت کا ذکر ہے۔ مذکور ہے:۔ خدا کی قسم یہ کتاب جب بھی کسی محفل میں لائی جاتی تو وہ اس محفل کی رونق ہوتی۔ اور فاضلوں کے لئے ایک حیرت انگیز چیز ہوتی۔ یہ کتاب مشرق و مغرب میں پھیل گئی اور پورے ملک میں ایک بلند مقام حاصل کرلیا۔ اور موضوع گفتگو بن گئی۔ اس کتاب نے وسیع بحر الکاہل بھر دیا اور اس کا جھاگ اس پر غالب آگیا اور اہل فن نے اس کو ہاتھوں ہاتھ لیا..... چوں کہ یہ کتاب ایجاز و اختصار کے ساتھ لکھی گئی ہے، اور اس کے ایجاز میں ہی اس کا اعجاز ہے لہٰذا اس کے پوشیدہ معانی کو ظاہر کرنے کے لئے چند اہل علم تیار ہوئے۔ ان میں سے بعض ایسے ہیں جنھوں نے صرف اس حصے کی شرح کی ہے جس میں "الامثال" ہیں جس کو بعض اہل کمال نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ جیسے محب بن الشحنہ۔ قاضی ابو الروح عیسیٰ بن عبد الرحیم گجراتی اور علامہ مرزا علی شیرازی۔ اور بعض ایسے ہیں جنھوں نے پوری کتاب کی شرح کی ہے جیسے نور علی بن غانم المقدسی، علامہ سعدی آفندی، نور شیخ ابو محمد عبد الرؤف المناوی [1]

---

[1] الجزء الاول من "تاج العُروس": للامام اللغوی محب الدین ابی الفیض السید محمّد مرتضیٰ الحسینی الواسطی الزبیدی الحنفی نزیل مصر المعزیۃ رحمہ اللہ (الطبعۃ الاولیٰ: بالمطبعۃ الخیریۃ المنشأۃ بجمالیۃ مصر: المحبہ سنۃ ۱۳۰۶ھ۔)

ھٰذا الکتاب اذا احضریہ فی المحافل فہو بہاء وللأفاضل متی ورودہ ابہۃ قد اخترق الآفاق مشرقاً و مغرباً، وتدارك سیرۃ فی البلاد مصعدا ومصوباً وانتظم فی سلك التذاکر وافاضۃ أضلام التناظر، ومد بحر الکاہل البسیط وطمی عبابہ الزاخر المحیط

مسلسل

لغت کے متعلق سید مرتضیٰ بلگرامی زبیدی کے ایک مکتوب کا بھی ذکر کرنا یہاں لازمی ہے، یہ مختصر مکتوب زبیدی نے ان حضرات کے جواب میں لکھا تھا جنھوں نے آپ کے نام ایک خط میں لغت کے متعلق ایک مسئلہ دریافت کیا تھا اور اس کی خواہش ظاہر کی تھی کہ آپ "الکوع والکرسوع" کے درمیان فرق واضح کریں۔

اس رسالہ کے مختصر ہونے کی وجہ سے بہت کم سوانح نگار حضرات نے اسے زبیدی کی مولفات میں شمار کیا ہے۔ نواب صدیق حسن خاں کے فہرست کتب میں اس رسالہ کا نام درج ہے۔

زبیدی نے اس رسالہ کا نام "القول المسموع فی الفرق بین الکوع والکرسوع" رکھا۔ زبیدی نے اپنے جواب میں دیگر قاموس نگاروں کے

---

ا وجلت منة عند أهل الفن وبسطت أيا ديه واشتهر في المدارس ....كان ابرله في غاية الايجاز وايجازة "عن حد الاعجاز تصدى لكشف غوامضه ودقائقه رجال من اهل العلم شكر الله سعيهم وأدام نفعهم - فمنهم من اقتصر على شرح خطبة التى ضربت بها الامثال وتداولها بالقبول اهل الكمال كالمحب بن الشحنة والقاضى ابى الروح، عيسى بن عبد الرحيم الكجراتى، والعلامة ميرزا على الشيرازى ومنهم من تقيد بسائر الكتاب - وعز على افنانه طائرة المستطاب كالنور على بن غانم المقدسى والعلامة سعدى آفندى، والشيخ ابى محمد عبد الرؤف المناوى ا-

مختلف اقوال کا بھی اس سلسلے میں ذکر کیا ہے۔ ان میں جوہری اللیث بن نصر بن سیار الخراسانی صاحب تخلیل ابو الدقیش الاعرابی ضاغانی، ابوالشعثاء العجاج، ابن منظور، زمخشری وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

اخیر میں زبیدی نے لکھا ہے کہ۔ طویل گفتگو میں جانے کے بجائے منتخبات کو مختصر طور پر پیش کر کے ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں اور جو حضرات اس سے زیادہ کے طالب ہوں وہ میری "تاج العروس شرح القاموس" کی طرف رجوع کریں۔ اس خط کو سید مرتضیٰ بلگرامی الحسینی الواسطی نے ربیع الاول ۱۱۹۰ھ میں قلمبند کیا[1]

مندرجہ بالا مکتوب میں سید مرتضیٰ بلگرامی نے خود ہی اپنی عظیم تصنیف "تاج العروس" کی طرف رجوع کرنے کی تلقین ان لوگوں کو کی ہے جنھیں علم لغت کی باریکی اور اس کی پیچیدگیوں کو حل کرنے میں دلچسپی تھی۔ یوں بھی یہ علوم بارہویں صدی تک اس طریقہ سے نکھر کر لوگوں کے سامنے آچکے تھے کہ ان علوم کے پڑھنے پڑھانے کا سلسلہ ہر جگہ اور ہر طبقہ میں تھا کوئی بھی علم ہو اس کا پڑھنے والا یا اس پر کام کرنے والا جب کسی مشکل لفظ پر رکے گا یا۔ روانی سے چلتی ہوئی اس کی گاڑی پھنسے گی تو اس وقت وہ کسی لغت کی کتاب ہی کا

---

[1] "البعث الاسلامی" شہریہ اسلامیۃ جامعۃ، العدد السابع:
المجلد الثامن والعشرون، ربیع الثانی ۱۴۰۴ھ ینایر ۱۹۸۴م۔
لقدرھا ندوۃ العلما لکھناؤ (الھند)
رسالۃ لغویۃ للسید مرتضی الحسینی البلگرامی ثم الزبیدی:۔
ابو محفوظ الکریمی معصومی استاذ فی الحدیث والتفسیر
بالمدرسۃ العالیۃ الحکومیۃ۔ کلکتا (بنغال الغربیۃ)

سہارا لیتا ہے۔ کیوں کہ بغیر لفظ کا مفہوم واضح ہوئے بہت سے مسائل الجھ جاتے ہیں. پھر اس کے علاوہ ایک لفظ کے مختلف معنی بھی ہوتے ہیں جو محل وقوع کی بنا پر سمجھے جاتے ہیں. اس لئے اگر ان کے معنی پر پوری نظر نہ ہو تو کبھی بھی مفہوم واضح نہیں ہو سکتا پس لغت کے مصنف کا کام جتنا پھیلا ہونا ہے اتنا ہی باریک اور پیچیدہ ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ اپنی مہارت اور ذہانت اور اس طول وعرض میں پھیلے ہوئے معلومات کو اپنے وسعت مطالعہ کی بنیاد پر مرتب کرتا ہے۔ کیوں کہ لغت نگاری میں نظم و تنسیق کی اتنی ہی زیادہ اہمیت ہے۔

زبیدی نے جہاں مقدمہ میں مختلف علوم کی تاریخ اور ان کے ارتقائی مراحل پر بحث کی ہے وہیں انھوں نے ان علوم کی بھی نشاندہی کی ہے جو لغت کے لئے اصول و بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں۔

اس طرح زبیدی نے دو بڑے کام کئے۔

(۱) ایک تو انھوں نے علوم لغت کا علمی جائزہ لیا جو لغت نگاری کے ساتھ ساتھ لغت فہمی کے لئے بھی بنیاد ہے۔ عربی زبان کی لغت اس وقت تک سمجھ میں نہیں آسکتی جب تک کہ اصل مادہ پر پڑھنے والے کا ذہن نہ جائے۔

(۲) چنانچہ انھوں نے اس سلسلہ میں الفاظ کے اصول اور ان کے اشتقاق پر بھی بحث کی ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ ان اصولوں اور قوانین کے تحت انھوں نے اپنی اس عظیم الشان کتاب کو پایۂ تکمیل تک پہونچایا۔

زبیدی کی کتاب "تاج العروس" بارھویں صدی ہجری کا انمول موتی ہے۔ یہ اس زمانہ کا نادر تحفہ ہے۔ یہ درحقیقت جہاں زبان و لغت کی عام کتابوں کی تلخیص ہے وہیں ابن سیدہ جوہری، ازہری، صاغانی، ابن منظور، اور فیروزآبادی کی اعلیٰ تصانیف کا عطر بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کتاب کی

اہمیت و عظمت میں دوچند اضافہ ہوا۔ زبیدی کا یہ علمی کارنامہ علم وادب کی دنیا میں زندہ وجاوید رہے گا۔ یہ ممکن ہے کہ مستقبل میں شاید کوئی لغت لکھی جائے جو اس سے زیادہ پڑھی جائے۔ البتہ بارہویں صدی کے بعد سے آج تک عربی زبان وادب میں مختلف راہوں سے جو بھی الفاظ اس میں آئے ہیں وہ زبیدی کی کتاب کا تحملہ بن سکتی ہیں۔ کیوں کہ آج تک بارہویں صدی ہجری کے بعد سے لغت کے موضوع پر کوئی اعلیٰ اور منظم کتاب تصنیف نہیں کی گئی۔

زبیدی کی "تاج العروس" شائع ہوئی تو عرب وعجم میں اس کے نسخے پہونچے یہ نسخے دنیا کے ہر کتب خانے کے لئے باعث شرف ہیں آج یہ کتاب کویت میں بڑے عمدہ کاغذ پر شائع کی جارہی ہے۔ اگر زبیدی سے اس کتاب کے لکھنے میں کچھ سہو اور فردگذاشت ہوئی ہے تو نئے دور کے محققین اگر اس کی طرف توجہ کریں، اور اس کی کتاب کو یاددا شتوں اور حواشی۔ (Notes and References.) کے ساتھ شائع کرائیں تو یہ ایک عظیم علمی کارنامہ ہوگا۔

# بابُ الرّابع

# زبیدی کے معاصرین

سب سے پہلے ریسرچ اور تحقیق کے میدان میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کسی ادیب یا فنکار کے سلسلے میں اگر کوئی چیز لکھی جائے یا مرتب کی جائے تو آیا ان کے معاصرین کا تذکرہ کرنا ضروری ہے کہ نہیں۔ یہ سوال ہر ریسرچ اسکالر ( Research Scholar ) کے ذہن میں کبھی خود بخود ہی اٹھ سکتے ہیں اور کبھی انھیں پیدا کیا جاتا ہے۔ ریسرچ کی بڑھتی ہوئی تکنیک ( Technique ) کے پیش نظر ہم اس موضوع کو دو حصّوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

ایک وہ اشخاص جو کسی خاص ادبی، تنقیدی اور فکری اسکول سے وابستہ ہوں، اور یہ فکری اور تنقیدی اسکول اپنے زمانہ میں مختلف ذہنوں کو اپیل کر رہے ہوں اور اسی طرح کچھ ذہنوں میں شکوک و شبہات پیدا کر رہے ہوں جن کی وجہ سے دوسرا مد مقابل اسکول وجود میں آتا ہے۔ اس طرح دونوں اسکولوں میں فکری اختلافات کی بنا پر گرمی پیدا ہوتی ہے، اور ہر اسکول اپنے مخالف کے نظریات کو غلط ثابت کرنے کے لئے اعلیٰ سے اعلیٰ طریقۂ ادب اور طریقۂ استدلال استعمال کرتا ہے۔

اس طرح ایک عرصہ تک ان دونوں اسکولوں کی موشگافیاں جاری رہتی ہیں۔ جن کی وجہ سے نئے نئے نظریات اور افکار اچھی اور حسین عبارتوں اور

تراکیب میں لوگوں کے سامنے آتی ہیں۔ جن کی بنا پر علمی خزانہ مالا مال ہوتا ہے۔ اور لوگوں کے ذہن و فکر میں ایک تنوع پیدا ہوتا ہے۔ اس طرح یہ ادبی اور فکری اسکول کتابوں کے ساتھ ساتھ لوگوں کے دل و دماغ میں زندہ رہتے ہیں۔ ان حالات میں ہر بڑے مفکر اور محقق کے معاصرین کا تذکرہ ضروری ہوجاتا ہے کیونکہ اس کے قلم میں حرکت و جنبش، توانائی اور شگفتگی میں ان کے معاصرین کا بڑا دخل ہوتا ہے۔

دوسرا علماء کا وہ طبقہ ہے جس کا کسی فکری اسکول سے رابطہ نہ ہو۔ بلکہ اس کی تحقیق و جستجو کا میدان زیادہ تر متقدمین کی کتابیں اور ان کے اقوال ہوں۔ اور اسی دائرہ میں رہ کر وہ اپنی محنت و ہمت سے اپنے کمالات کے جوہر دکھارہا ہو۔ اس کے علم کا ذریعہ معاصرین نہیں ہوتے ہیں بلکہ متقدمین ہوتے ہیں، کیونکہ وہ مختلف علوم و فنون کے علماء کی کتابوں اور ان کے علمی کارناموں کو حاصل کرتا ہے، اور ان کے حاصل کرنے کے بعد ان کے درمیان موازنہ و مقارنہ کر کے اپنے علم کی بساط کے موافق اضافہ کرتا ہے، کوئی لازمی نہیں ہے کہ یہ اضافے تنقیدی بنیاد پر ہوں، بلکہ ہوسکتا ہے خود متقدمین نے اقوال سے ایک دوسرے کی خامیوں کو پورا کر کے اپنے تصنیفی عمل کو پایۂ تکمیل تک پہونچایا ہو۔ اس طرح کا کام کبھی جمع و تدوین کی شکل میں اور کبھی نظم و نسق کی شکل میں، اور کبھی حاشیہ و تضمین کی صورت میں سامنے آتا ہے۔

اس طرح کے کاموں میں اسکالر اپنے معاصرین سے کوئی خاص رابطہ نہیں رکھتا ہے۔ ہاں اگر اس موضوع پر کوئی اہم اور کوئی مفید کام کسی معاصر نے کیا ہو تو وہ یقیناً اس سے استفادہ کرنے کی کوشش کرتا ہے، اور یقیناً یہ استفادہ بالکل جزوی ہوتا ہے۔ کیونکہ تصنیفی عمل میں تبدیلی فکری اختلافات ہی کی بنا پر آسکتی ہے، لیکن تحقیقی عمل میں کوئی خاص اضافہ نہیں ہوتا ہے۔

اس لئے اس صورت میں معاصرین کا تذکرہ اتنا ضروری نہیں ہوتا جتنا کہ

پہلی صورت میں ہوتا ہے۔ دوسری صورت میں معاصرین کا تذکرہ صرف اس لئے کیا جاتا ہے کہ جس موضوع پر ہم کام کر رہے ہیں یا جو شخص ہمارا موضوع بحث ہے اس کی اپنے زمانہ میں علمی حیثیت کیا تھی۔ ؟ یہ چیز اس وقت صحیح طریقہ سے واضح ہوتی ہے جب اس کے معاصرین کا تذکرہ کرکے ان کے علمی کارناموں کو سامنے لایا جائے۔ اس صورت میں بغیر کسی خاص ارادے کے جس پر ہم کام کر رہے ہیں اور اس کے زمانہ کے دوسرے لوگوں کے درمیان موازنہ ہو جاتا ہے۔ اور اس کی شخصیت پوری طرح نگاہوں کے سامنے آجاتی ہے۔ اس لحاظ سے معاصرین کا تذکرہ دوسری صورت میں بھی مفید ہوتا ہے۔

گزشتہ ابواب میں زبیدی کے مختلف پہلوؤں کو ہم نے اُجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس باب میں ہم ان کے معاصرین کا تذکرہ کریں گے جو موضوع اور فن کے اعتبار سے زبیدی سے قریب تھے۔ معاصرانہ بحث میں یہ بڑا مشکل ہوتا ہے کہ کسی معاصر کی زمانی تحدید کردی جائے۔ بلکہ اس میں وسعت کی گنجائش ہے۔ مثلاً ایک شخص اگر دسویں صدی ہجری کا اسکالر ہے تو اس موضوع سے متعلق نویں صدی کے اسکالر کا تذکرہ اس ذیل میں آسکتا ہے۔ اسی طریقہ سے گیارہویں صدی کا کوئی اسکالر ہے تو اس کا بھی تذکرہ مفید ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ ہم نے کہا کہ معاصرین کے تذکرے سے وہ شخص جس پر ہم تحقیق کر رہے ہیں اس کی شخصیت نکھر آتی ہے اور اس کا تشخص پوری طرح اجاگر ہو جاتا ہے۔

زبیدی جیسا کہ ہم نے لکھا ہے ہندوستان میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم بھی ان کی اسی ملک میں ہوئی۔ اس کے بعد وہ یمن چلے گئے۔ یمن میں وہ کافی عرصہ تک مقیم رہے۔ اس لئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان کی عقل و شعور میں پختگی و تجربہ کاری وہیں آئی، یمن کے بعد وہ مصر میں قاہرہ گئے اور زیادہ تر ان کا تصنیفی عمل یہیں وجود میں آیا۔ عوام اور خواص سے ان کے روابط اسی جگہ سے زیادہ بڑھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی شہرت کا آفتاب تقریباً اسی شہر میں طلوع

ہوا۔ اور ان کے یہاں مقیم ہونے کے بعد ہی دنیا کے گوشے گوشے اور چپے چپے میں لوگ ان سے واقف ہو گئے۔

اس لئے ہم ان کے معاصرین کے تذکرے میں اس بات کی کوشش کریں گے کہ ہندوستان کے علاوہ یمن اور مصر کے بھی چند اہم مشاہیر کا تذکرہ کریں۔ جن کا تعلق زبیدی کے علمی موضوعات سے رہا ہو، کیونکہ زبیدی کے تذکرہ نگاروں نے جہاں ان کی زندگی کے بارے میں لکھا ہے وہیں انھوں نے ان کی تصانیف کا بھی مکمّل جائزہ لیا ہے۔ یہ تصانیف ہر موضوع اور ہر فن پر محیط تھیں۔ سب سے پہلے ہم ان معاصرین کا تذکرہ کریں گے جن کا تعلق سرزمین ہند سے ہے۔ کیونکہ یہیں کی سرزمین سے انھوں نے جنم لیا، یہیں ان کا خمیر اٹھا اور یہیں ان کے بال و پر پیدا ہوئے۔

# شیخ الاسلام ولی اللہ بن عبدالرحیم الدہلوی[1]

(۱۱۱۰ - ۱۱۷۶ھ، ۱۶۹۹ - ۱۷۶۲ء)

جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ زبیدی ہندوستان میں پیدا ہوئے اور چودہ سال کی عمر تک یہیں مقیم رہے۔ اس لئے ان چودہ سالوں کی مدت میں انھیں جہاں بھی حصول علم کے مواقع میسر آئے وہ وہاں گئے۔ وہ قصبہ بلگرام میں پیدا ہوئے۔ یہ قصبہ ہندوستان کے مردم خیز قصبات میں شمار ہوتا ہے۔ جہاں انھیں ہر فن کے

---

[1]: نزهة الخواطر، جلد السادس ص ۳۹۸، رود کوثر اسلامی ہند اور پاکستان کے مذہبی اور روحانی تاریخ دعہد مغلیہ، از شیخ محمد اکرام آئی سی۔ایس۔ص ۳۲۲ - ۳۳۲، تذکرۃ الصلحاء: محمد عبدالحی صدیقی الصفحہ ۱۳، هدیة العارفین: اسماعیل پاشا البغدادی، ج ۲، ص ۵۰۰، الاعلام: قاموس تراجم: ۱۴۹، فهرس الفهارس، ۱: ۱۲۵، انسان العین فی مشائخ الحرمین از شاہ ولی اللہ دھلوی انفاس العارفین از شاہ ولی اللہ دھلوی، الجزء اللطیف فی ترجمة العبد الضعیف از شاہ ولی اللہ دھلوی، رسالہ دانشمندی از شاہ ولی اللہ دھلوی، حدائق الحنفیة ص ۴۴۷ - ۴۴۸، شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات از پروفیسر خلیق احمد نظامی، شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک از مولانا عبید اللہ سندھی "الفرقان" کا شاہ ولی اللہ نمبر۔ مرتبہ: مولانا منظور احمد نعمانی، علمائے ہند کا شاندار ماضی از مولانا محمد میاں۔ ج ۲ ص ۱ تا ۱۴۰، حیات ولی از مولوی رحیم بخش دہلوی، تذکرہ شاہ ولی اللہ دھلوی از مولانا مناظر احسن گیلانی، تراجم علمائے اہل حدیث ص ۴۴ - ۴۸، ملفوظات شاہ عبدالعزیز ص ۹۹، ۱۰۱، ۱۰۲، واقعات دار الحکومت دہلی حصہ دوم ص ۵۸۴ - ۵۸۵، وصیت نامہ شاہ ولی اللہ دہلوی معہ شرح از قاضی ثناء اللہ پانی پتی، ابجد العلوم ص ۹۱۲ - ۹۱۴، تصنیف رنگین از سعادت یار خاں رنگین (قلمی مملوکہ محمد ایوب قادری) الیانع الجنی فی اسانید الشیخ عبد الغنی ص: ۷۹، امداد فی مآثر الاجداد از شاہ ولی اللہ دھلوی۔ ولی اللہ از محمد اسمٰعیل گودھری، کلمات طیبات: ص ۱۵۸ - ۱۹۷، اتحاف النبلاء: جلد ششم ص ۳۹۸ - ۴۱۵،

A History of the Freedom Movement, vol. I pages (491-541)

اساتذہ میسر آئے وہیں انھوں نے اپنی ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد انھوں نے دہلی کا سفر کیا۔ دہلی اس وقت سلطنت مغلیہ کے زوال کے آخری لمحات میں سانس لے رہی تھی۔ اس شہر کی سیاسی حیثیت صرف صفحۂ قرطاس پر ہی رہ گئی تھی۔ لیکن علمی اعتبار سے یہ شہر ہندوستان کے ہی نہیں بلکہ دنیا کے بڑے بڑے شہروں کا مقابلہ کرتا تھا۔ سیاسی زوال کی وجہ سے مغلیہ سلطنت مریض نیم جاں بنی تھی۔ لیکن دلی کے گلی کوچوں میں علم کی شعاعیں نمودار تھیں۔ کہیں مرزا جانِ جاناں کی ادبی اور دینی محفلیں ہیں تو کہیں خسرو کی مجلسوں میں ادبی شمعیں جل رہی ہیں۔ تصوف و طریقت کے میدان میں نظام الدین اولیاؒ اور ان کے مریدوں نے دہلی ہی کو نہیں بلکہ پورے ہندوستان کو روحانی زوال سے بچائے رکھا تھا۔

اسی سرزمین میں ولی اللہ کا شجر علم نمودار ہوا۔ اور یہ شجر طوبیٰ سے کم نہیں تھا۔ شاہ ولی اللہ کے نام سے دہلی کا گلی کوچہ منور ہو گیا تھا۔ اس وقت کی عہد مغلیہ کی سیاست پر شاہ ولی اللہ کے وجود سے جو اثرات پڑے اس کے متعلق پروفیسر خلیق احمد نظامی صاحب نے جنوری ۱۹۶۴ء میں دہلی میں منعقد ہونے والے چھبیسویں بین الاقوامی مستشرقین کانگریس میں اپنا بصیرت افروز مقالہ پڑھا تھا [1] شاہ ولی اللہ دہلوی نے ہندوستان میں پہلی مذہبی تجدید کی رہنمائی

---

[1]

Naqshbandi Influence on Mughal Rulers & Politics - by : Prof. Khaliq Ahmed Nizami - (Paper read at the 26th International Congress of Orientalists, held in Delhi, January-1964) pp. 51.

" Another outstanding Naqshbandi saint who exercised great influence on contemporary politics was Shah Waliullah of Delhi. When he appeared on the stage of history, the age of Great Mughals was over ........ He was thus fully conversant with the social and political trends in the Muslim World in 18th Century ......"

اور بعد میں ولی اللہ کے نام سے علم و فن کے میدان میں آفتاب اور ماہتاب کی طرح روشن و رخشاں ہوا۔

زبیدی ان کی علمی شہرت سُن کر دہلی آئے اور تقریباً ایک سال تک ان کے حلقے میں شاگرد کی حیثیت سے مستفید ہوتے رہے۔ ایک سال کی مدت اگرچہ علمی میدان میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی لیکن اچھے استاد کی صحبت کے لئے کسی خاص مدت کی شرط نہیں کیونکہ ماہر استاد تدریس سے زیادہ اپنے شاگردوں میں علمی ذوق پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور علمی ذوق اچھے استاد کی صحبت میں تھوڑے عرصہ میں حاصل ہو سکتا ہے۔ زبیدی حلقۂ ولی اللہ ہی سے مستفید ہو کر ارضِ یمن کی طرف روانہ ہوئے۔ شاہ ولی اللہ تقریباً ۶۵ ۶۶ سال تک زندہ رہے۔ اور اس عرصہ میں انھوں نے جو کارنامے انجام دیئے انھیں کئی حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے مثلاً

۱ اصلاحی و تجدیدی
۲ تعلیمی و تدریسی
۳ تصنیفی و تالیفی

یہ تینوں کام بڑے اہم اور پیچیدہ ہیں۔ جس کے لئے ذہن کی سلامتی و بلندی اخلاص و حوصلہ اور سعی پیہم درکار ہوتی ہے۔ اگر تینوں چیزیں الگ الگ وقت میں کی جائیں تو مسئلہ آسان ہے۔ لیکن تینوں کو ایک دوسرے سے مربوط کر کے نئی راہ اور نئی فکر دینا، یہ بہت بڑا علمی اور فکری کارنامہ ہے۔ شاہ ولی اللہ کی زندگی اور ان کے تصنیفی عمل کو سامنے رکھ کر اگر تجزیہ کیا جائے تو یہی نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ انھوں نے ان تینوں کے درمیان ایک مضبوط اور مستحکم ربط اور سلسلہ پیدا کیا ہے۔ اور یہ تاریخ کا ایک زریں باب ہے۔

وہ اپنے اس طرزِ عمل اور طرزِ فکر میں ہندوستان کے قدیم اور اپنے زمانہ کے علماء کے درمیان ممتاز و منفرد ہیں۔ ان کا یہ کام سرزمین ہند

کے جغرافیائی حدود سے نکال کر بلکہ ضمنی حدود سے اٹھا کر ساتویں اور آٹھویں صدی کے اہل فکر اور اہل علم کی صف میں کھڑا کر دیتا ہے۔ اگر بعد کے زمانے کی کتابوں میں یہ مذکور نہ ہوتا تو یہ کہنا بڑا آسان ہو جاتا کہ وہ ابن تیمیہؒ، ابن القیمؒ، عزالدین بن السلامؒ اور امام غزالیؒ کے فکر کے تسلسل سے تعلق رکھتے ہیں۔

بُعد زمانی اگرچہ فکری تسلسل میں کبھی حائل ہو جاتا ہے لیکن عالم اور مفکر کی پرواز بلند ہو تو حال سے ماضی کی طرف پرواز کر کے اپنے ذہن و فکر کے مطابق بلند درختوں کی شاخوں پر اپنے آشیانے بنا لیتا ہے۔ دوسری طرف جس زمانہ میں وہ ہوتا ہے اُس کے افکار و نظریات عام سطح سے اتنے بلند ہوتے ہیں کہ اس کے رموز و حقائق صدیوں کے بعد پوری طرح سمجھے جاتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ کا شمار انھیں نادر شخصیات میں ہوتا ہے۔ جس کا ایک سِرا ماضی کی عظیم شخصیات سے جڑا ہوتا ہے، تو دوسرا سِرا مستقبل بعید تک چلا جاتا ہے۔ اور ایک طویل عرصہ تک اُس کے اثرات باقی رہتے ہیں۔ اسی طرح ایک محقق و مفکر کے علم و فکر کا میدان وسیع سے وسیع تر ہوتا جاتا ہے۔ جس کے آئینہ میں ماضی و حال ایک ساتھ دیکھے جا سکتے ہیں۔ اسلامی تاریخ میں شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے بلند ترین مقام کے متعلق پروفیسر خلیق احمد نظامی اپنے ایک مضمون میں اس طرح رقمطراز ہیں:۔

"شاہ ولی اللہ دہلوی (۱۷۰۳ء۔ ۱۷۶۲ء) اٹھارویں صدی کی اسلامی شخصیات میں ایک درخشاں ترین شخصیت ہیں۔ دینی علوم میں آپ کی عمیق تر علمیت و فضیلت، آپ کی غیر معمولی معرفت و بصیرت جو کہ آپ کے تصورات کی حرکت و تیزی سے پیوستہ تھی۔ مذہبی قوانین و شرع کی روشنی میں وہ تمام تر

کا تاج اپنے سر پہ پہنا اور یہ اسلامی اجتہاد کا زریں دور تھا [۱]

ان کے والد کا نام عبدالرحیم تھا۔ جو سلسلۂ نقشبندیہ کے روشن چراغ تھے۔ جن کے علمی فیوض اس شہر کے گوشے گوشے میں تھے۔ ان کے دوستوں نے انھیں ایک ہونہار فرزند کی بشارت بھی دی تھی۔ اور شاید وہ شیخ قطب الدین بختیار العوشی ہیں —— ان سے، بشارت دینے کے بعد یہ درخواست کی تھی کہ ہونے والے فرزند کا نام نامی قطب الدین ہی رکھیں۔ ۱۱۱۴ھ میں قطب الدین کا یہ خواب شرمندۂ تعبیر ہوا۔ اور قطب الدین نام کا یہ فرزند دلی کی سرزمین پر ایک چھوٹے سے گاؤں میں پیدا ہوا [۲]

---

[۱]

Islam -- in India's transition to modernity --
by : M.A. Karawdikar : Orient Longmans Ltd., Reprinted 1969 - Delhi : Chapter-5 : 'The First Revivalist Movement', pp. 125 - 127.

" In 1739, Nadir Shah invaded northern India and Delhi and exposed the weakness of the mighty empire ....... In these days of decadence Shah Waliullah Dehlavi led the first modern revivalist movement in Islam ...... His first pamphlet, "Hujjattullah-al-Baliga", was addressed both to the emperor and other authorities ..... He wrote pamphlets on Hadith, theology and Sufism. He also translated the Koran in Persian and spearheaded the first syncretic & revivalist movement.

[۲]

Article : Shah Waliullah of Delhi -- by Prof. K.A. Nizami, Hyderabad; Islamic Culture 1951 pp. 5. --

" Shah Wa'iullah was born in 1703 at Phulat, a small village near Delhi in the same year in which Muhammed bin Abdul Wahhab was born at Ujaina." -- For a short autobiographical account see, - Al Jajwat Latif fi-tarjamah-i-Abd-al-Zaif, Delhhi 1355 -- A detailed biography was prepared by Maulana Muhammed Ashiq and manuscript of this work is preserved in a library at K.A. Nizami, ---- IInd Edition, Delhi.

سماجی حالات کی تشریح کرسکتی تھی۔ اور جس نے آپ کو اسلامی نظریات کی تاریخ میں ایک بہترین بنیادی شکل میں پیش کیا۔" لے

---

لے

Article : Shah Waliullah of Delhi - by Prof. K.A.Nizami : Hyderabad : Islamic Culture 1951 pp. 1 and 2 ---

"Shah Waliullah of Delhi (1703-1762) is one of the most resplendent personalities of Islam during the 18th Century. His deep erudition, his rare insight into the religious sciences combined with the vigour and dynamism of his thought which could analyse all socialogical situations in the light of religious principles, makes him one of the most seminal figures in the history of Islamic thought ....... Shah Waliullah had a pre-eminent place in the history of Islam is the depth and dimension of his approach which responded to the changing needs of the time and provided new tools for the interpretation of moral and religious values of Islam -----"

A contemporary thus evaluates his contribution; in Kalmat-i-Tayyabat, pp. 115. --

حضرت شاہ ولی اللہ محدث رحمۃ اللہ علیہ طریقہ جدیدہ بیان نمودہ اند و در تحقیق اسرار معرفت و غوامض علوم طرز خاص دارند، بایں ہمہ علوم و کمالات از علمائے ربانی اند مثل ایشاں در محققان صوفیہ کہ جامع اند در علم ظاہر و باطن و علم نو بیان کردہ اند چند کس گزشتہ باشند۔"

شاہ ولی اللہ جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے، ۱۷۰۳ء میں پیدا ہوئے اور ابتدائی علوم کی تعلیم اپنے گھر میں حاصل کی۔ بلکہ اس زمانہ کے جو متداول علوم تھے مثلاً فقہ، حدیث، تفسیر، تصوف، صرف و نحو، فلکیات اور یہاں تک کہ طب کی بنیادی تعلیم بھی اپنے گھر ہی کے ماحول میں حاصل کی۔ پچیس ۲۵ سال کی عمر کو پہونچنے تک ان کو اپنے زمانہ کے علوم میں اتنی دسترس حاصل ہو گئی کہ انھیں درس و تدریس کی اجازت مل گئی۔ پچیس ۲۵ سال کی عمر اس زمانہ کے لحاظ سے بہت ہوتی تھی۔ کیونکہ طالب علم یکسوئی سے علوم و فنون کے حصول میں منہمک رہتا تھا۔ اس لئے اس کے وقت میں ہر لحاظ سے برکت ہوتی تھی۔ پچیس سال کی عمر کے بعد جبکہ وہ تعلیم و تدریس کے مجاز ہو چکے تھے اور ذہن میں پختگی بھی آ چکی تھی، لیکن انھوں نے اپنے تئیں یہ محسوس کیا کہ وہ ابھی علم کے ساحل سے بہت دور ہیں چنانچہ ان کا جذبۂ شوق حصول علم کے لئے ہنوز بے قرار تھا۔ اور اس وقت انھیں علم کی شعاعیں دنیا میں کہیں بھی نظر نہیں آ رہی تھیں، سوائے حرمین شریفین کے۔

حرمین شریفین کی عظمت کا تصور انھیں اس ماحول سے ملا تھا جس میں انھوں نے آنکھ کھولی تھی۔ جہاں علم کے ساتھ ساتھ سلوک اور طریقت کی بھی اتنی ہی اہمیت تھی۔ خدا نے ان کے شوق کو پورا کیا۔ اور وہ ۱۱۴۳ھ میں سرزمین حجاز کی طرف روانہ ہوئے۔ ان کے ساتھ ان کے ماموں اور ایک ماموں زاد بھائی بھی تھے۔ سرزمین حجاز میں انھیں پونے دو سال رہنے کا موقع ملا۔ دو سال کی مدت، ایسے عالم اور عاشق علم کے لئے کافی تھی۔ کیونکہ وہ اس زمانہ کے علوم سے پہلے ہی مسلح تھے، انھیں اب محض اس کی نئی چیزوں کی تلاش و جستجو تھی۔ یا پھر وہ علوم، خاص طور سے علوم قرآن، علوم حدیث، علوم فقہ، علوم اسرار شریعت کی فہم و تفہیم کے ساتھ ساتھ ان کے اظہار و تعبیر کے لئے بھی خواہاں تھے۔ کیونکہ علم اور ذوق علم میں بنیادی فرق ہے۔ اگر علوم کا دار و مدار الفاظ تک محدود ہو تو وہ جامد اور سطحی ہوتا ہے۔ لیکن اگر عالم اس کا سراغ معنی میں تلاش

کرتا ہو تو وہ ایک دوسری حقیقت ہے۔ اور یہیں سے علم دو حصوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔

(۱) علم جامد۔

جس کی بنیاد تقلید اور ظاہری الفاظ کی شرح ہے۔

(۲) علم معانی۔

جو علوم کے اسرار و رموز پر مبنی ہوتا ہے۔

شاہ صاحبؒ اسی دوسرے طرح کے علم کی صنف کے طالب تھے۔ شاہ صاحب حرمین شریفین پہونچ کر وہاں بھی اپنے حصولِ علم میں ایک نوجوان طالب علم کی حیثیت سے مشغول ہو گئے۔ مدینہ منورہ میں اس وقت اس زمانہ کی ایک عظیم شخصیت موجود تھی۔ جو شیخ طاہر محمد بن ابراہیم الکردی المدنی کے نام سے جانی پہچانی جاتی تھی۔ وہ اپنے زمانہ کے فن حدیث میں یکتائے روزگار سمجھے جاتے تھے۔ شاہ صاحبؒ نے حدیث کی تمام اہم کتابوں کو ان سے پڑھا خاص طور سے امام حنبلؒ کی "مسند" امام بخاریؒ کی "المفرد"، اور امام شافعیؒ کی "الأم"، (اصول) ان میں سے اکثر و بیشتر کتابیں وہ ہندوستان میں پڑھ چکے تھے۔ لیکن علم کے اس مرحلے پر پہونچنے کے بعد اچھے استاد کے زیرِ سایہ ان پر علم و عرفان کے نئے نئے زاویوں کا انکشاف ہوا ہوگا۔ یہی درحقیقت ریسرچ اور تحقیق کی منزل ہے۔

مدینہ منورہ سے وہ مکہ تشریف لائے۔ اس وقت وہاں شیخ تاج الدین القلعی الملکی اس شہر کے لئے شمع کی حیثیت رکھتے تھے۔ اور حدیث نبویؐ کے عشاق وہاں پروانے بن کر ان سے مستفید ہوتے۔ شیخ القلعی کی مجلس میں بھی شاہ صاحب نے حدیث کی وہی کتابیں پڑھیں جو مدینہ منورہ میں شیخ طاہر محمد بن ابراہیم الکردی المدنی کے یہاں پڑھ چکے تھے۔

شاہ صاحبؒ کا مقصد ہر مجلس میں حدیث و قرآن اور فقہ و شریعت

کے رموز و حقائق سے واقفیت حاصل کرنی تھی۔ اس طرح دو سال کا عرصہ شاہ صاحب کے لئے بہت ہی قیمتی تھا۔ اس قلیل مدت میں انھوں نے لوگوں سے جو کچھ حاصل کر سکتے تھے حاصل کیا۔ لیکن سب سے بڑا فائدہ ان کو حرمین شریفین کے کتب خانوں سے ہوا۔ کیونکہ انھیں ان میں متقدمین کے وہ نوادرات دستیاب ہوئے جو ہندوستان میں ناپید تھے۔

اس طرح شاہ صاحبؒ دو سال کی مدت گزارنے کے بعد ہندوستان میں نئے جوش، امنگ اور حوصلے کے ساتھ حدیث و قرآن کے شارح اور مفسر کی حیثیت سے لوگوں کے سامنے آئے [1] مدینہ منورہ جانے سے قبل شاہ صاحبؒ کی کسی اہم تصنیف کا تذکرہ نہیں ملتا ہے لیکن وہاں سے واپسی جو ۱۱۴۵ھ میں ہوئی، اس کے بعد وہ ۱۱۷۶ھ تک زندہ رہے، تقریباً اکتیس [۳۱] سال، اس عرصہ میں شاہ صاحب نے علمی دنیا کو وہ انمول تحفے دیئے جو ہمیشہ ہمیش زندہ جاوید رہیں گے

نزهة الخواطر کے مصنف مولانا عبد الحی الحسینی صاحب نے شاہ صاحبؒ کے علوم کا تذکرہ کیا ہے جنھیں انھوں نے ہندوستان کی تاریخ میں نئے فن سے تعبیر کیا ہے۔ مولانا الحسینی کا کہنا ہے کہ شاہ ولی اللہ کو عربی زبان میں بلاغت و فصاحت کا ملکہ حاصل تھا۔ نظم و نثر میں معنی کی ترتیب و تنظیم میں انھیں عجیب و غریب قدرت حاصل تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ شاہ صاحب نے اپنی تصنیفات کے لئے دو طرح کی زبان اختیار کی ایک فارسی جو اس وقت کی سرکاری زبان تھی اور دوسری عربی جو شریعت کی زبان تھی

---

[1] اکتفاء القنوع: ۱۸۵،۱۸۰،۹۰، والیانع الجنی ۷۹، وفیه عند ذکر ترجمة القرآن الی الفارسیة " وقد نسج علی منواله ابنه عبد القادر، فأحسن الترجمة الی الهندیة للقرآن اقتباساً من شکاته، ولقد سهل لترجمة بعده علی الناس قدوة به و بمن تبعة وهو أول من اتقن هذا الفن و دون اصوله "

اس زمانہ میں عام طور سے علماء مصنفین ان دونوں زبانوں میں لکھتے تھے۔ شاہ صاحب کو ان دونوں زبانوں پر یکساں قدرت تھی۔ بلکہ ان کے لکھنے کا انداز ایسا تھا کہ ہر زبان میں اسلوب و طرز (Style) نیا اور نرالا نظر آتا ہے۔ فارسی تو عام طور سے لوگ اچھی طرح لکھ لیتے تھے کیونکہ عوام اور خواص دونوں میں اس کا چلن تھا۔ لیکن عربی زبان کا جہاں تک تعلق تھا تو ہندوستان ہی نہیں بلکہ پورے دنیائے عرب میں جو زبان لکھی جاتی تھی اس میں تصنع و تکلف ہوتا تھا۔ جس میں مشکل الفاظ اور پیچیدہ تراکیب پر فخر کیا جاتا تھا۔ اس وقت یہی طرز (Style) پسندیدہ سمجھا جاتا تھا

شاہ صاحب نے ہندوستان کی سرزمین میں سادہ نثر نگاری کی بنیاد رکھی جس کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ ابن خلدون کے مقدمہ کے بعد شاہ صاحب کی تصنیف "حُجَّةُ اللهِ الْبَالِغَة" دوسری کتاب ہے جس میں سلیس اور حسین تراکیب میں اعلیٰ سے اعلیٰ معانی اور بلند سے بلند افکار سمو دیئے گئے ہیں۔ شاہ صاحب نے عربی و فارسی دونوں زبانوں میں جو کتابیں لکھیں، ہر کتاب میں ان کی مجتہدانہ اور مجددانہ فکر جلوہ گر ہوتی ہے۔ فقہی مسائل پر شاہ صاحب کا انداز فقہائے مجتہدین کا سا ہوتا ہے اور حدیث کے مسائل میں، اسناد کے ساتھ ساتھ حدیث کی فکر اور روح کو سمجھنے کے لئے جو طریقے اپنائے ہیں وہ بھی تصنیف و تالیف کے میدان میں بالکل نئے ہیں۔ اسی طریقہ سے کلام پاک کے سلسلے میں خواہ اس کا ترجمہ ہو، خواہ اس کے اصول ہوں، اس میں بھی شاہ صاحب علمائے متقدمین کی صف میں کھڑے ہوئے نظر آتے ہیں لے

---

لے Article : Shah Waliullah of Delhi : Prof. K.A. Nizami Hyderabad, Islamic Culture 1951 pp. 16. ---

" Like most Muslim writers of the middle ages Shah Waliullah did not simply focus his attention on the administrative and financial bankruptcy of the state. He went deep into the causes of moral inertia and analysed carefully the factors which had devitalized Muslim society by disturbing its economic equilibrium and creating Schism in its soul."

مسلسل

Page 24 ..... " The range of Shah Waliullah's learning was encyclopaedic. His versatility of erudition and originality of thought encompassed almost every branch of Muslim Sciences. What strikes a student of Shah Waliullah most is how his soul had registered like seismograph the attitudes and trends of an age that was yet to be born. In his thought one can catch the glimpse of the new age.

The movement initiated by Shah Waliullah for the reconstruction of Muslim religious thought and revival of Muslim religious sciences and the social and moral uplift of Muslim society did not die with him. His successors Shah Abdul Aziz, Shah Abdul Qadir Shah Rafiuddin, Maulana Ismail Shahid, Sayyed Ahmed Shahid, Haji Imdadullah and others ---- worked zealously to propogate the ideas of their master and bring about an intellectual Renaissance of the Mosalmans. It is significant that there is hardly any Muslim institution of religious learning in India, which does not owe its existence, directly or indirectly, to Shah Waliullah. He was a seminal personality which give birth to a number of movements for the reconstruction of religious thought and revivalization of Muslim Society .... When one looks at the versatility of Shah Waliullah's erudition and the nature of his impact on the main currents of Muslim religious thought, one cannot help saying with the poet :

لیسَ علَی اللّٰہِ مستنکرٍ
اِن یجمعَ العَالمُ فی واحدٍ

ان کی کتاب "ہدایت الخلفاء" جو خلفائے راشدین کی تاریخ ہے اس میں شاہ صاحب نے جو طریقہ اپنایا ہے ایسا لگتا ہے کہ ان کی نظر ایک طرف خلفائے راشدین کی سیرت وسلوک پر تھی تو دوسری طرف ان کی نظر ان کے طرزِ حکومت پر تھی۔ جس میں شاہ صاحب ایک مؤرخ، ایک مدبر اور ایک ماہر سیاسیات کے روپ میں نظر آتے ہیں

ان کی دوسری کتاب جو ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ عالمِ اسلام کی عظیم الشان کتابوں میں شمار ہو سکتی ہے وہ ہے "حجۃ اللہ البالغۃ" ..........

اس کا موضوع اسرارِ شریعت ہے۔ اس کتاب میں شاہ صاحب کہیں امام الغزالیؒ، کہیں عزالدین ابن السلام کہیں ابن عربی اور کہیں ابن تیمیہؒ اور ابن القیمؒ کے قالب میں نظر آتے ہیں۔ شاہ صاحبؒ کے صاحبزادے نے اپنے ایک خط میں جو بلگرام کے ایک عالم کے نام لکھا تھا اس میں انھوں نے اس معرکۃ الآرا کتاب کی غیر معمولی تعریف کی ہے۔ اور اس کو زمانہ کے نوادرات میں شمار کیا ہے، اس خط کا ذکر نُزھۃ الخواطر" میں شاہ صاحبؒ کے تذکرے کے ضمن میں کیا گیا ہے [1]

---

[1] نزھۃ الخواطر: جلد ۶، ص ۴۰۲۔

وقد قال ولدہ عبد العزیز فی کتابہ الی امید حیدر البلگرامی۔

وکتاب حجۃ اللہ البالغہ التی ھی عمدۃ تصانیفہ فی العلم اسرار الحدیث یتکلم فی ھذہ العلم احد قبلہ علی ھذہ الوجہ من تأصیل الاصول وتفریع الفروع وتمھد المقدمات والمبادئ واستنتاج المقاصد منھا الی المجلس والنادی وانما استنشم نفحات قلیلۃ من ھذا العلم فی کتاب "احیاء العلوم" للغزالی وکتاب "القواعد الکبری" لشیخ عزالدین عبد السلام المقدسی وربما یوجد بعض فوائد ھذا العلم فی مواضع من "الفتوحات المکیۃ" للشیخ الاکبر والاکبریات الاحمر للشیخ ابن العربی وکذا مؤلفات تلمیذۃ الشیخ الکبیر الشیخ صدر الدین القونوی قدس سرھما وقد جمعھا الشیخ عبد الوھاب الشعرانی کتاب "المیزان" انتھی ..........

:- اس کے علاوہ ان کی دیگر تصیفات مندرجۂ ذیل ہیں :-

(۱) فتح الرحمٰن (ترجمہ قرآن فارسی (۲) الفوز الکبیر فی اصول التفسیر (۳) المسوی (شرح الموطا عربی) (۴) المصفیٰ (شرح الموطا فارسی) (۵) القول الجمیل (۶) فیوض الحرمین (۷) انسان العین فی مشائخ الحرمین (۸) عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید (۹) ہمعات (۱۰) الطاف القدس (۱۱) مقالہ مرضیۃ فی النصیحہ والوصیۃ (۱۲) الانصاف فی بیان سبب الاختلاف (۱۳) لمعات (۱۴) سطعات (۱۵) المقدمۃ السنیہ فی انتصار الفرقۃ السنیہ (۱۶) انفاس العارفین (۱۷) شفاء القلوب (۱۸) قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین (۱۹) البدور البازغہ (۲۰) زہراوین (۲۱) الخیر الکثیر (۲۲) الانتباہ (۲۳) الدر الثمین (۲۴) ازالۃ الخفاعن خلافۃ الخلفاء (۲۵) تفہیمات (۲۶) الجزء اللطیف فی ترجمۃ العبد الضعیف (۲۷) وصیت نامہ (۲۸) رسالہ دانشمندی (۲۹) الفتح الخبیر فیما لابد من حفظہ فی علم التفسیر (۳۰) سرور المحزون (۳۱) مکتوبات المعارف الاعتقاد الصحیح وغیرہا۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی صاحب نے اپنے مضمون میں ان کی تصانیف کے متعلق لکھا ہے کہ تقریباً ۹۰ کتب انھوں نے تصنیف کیں جن میں صرف ۴۶ ہی باقی ہیں۔ [1]

---

[1] Article : Shah Waliullah of Delhi : Prof. K.A. Nizami, Hyderabad : Islamic Culture : 1951 page 8.

" He wrote about 90 books. Of these only 46 have survived but they cover almost all the principal areas of Muslim learning.

One feels almost staggered when he looks at the encyclopaedic range of Shah Waliullah's knowledge and the impact of his ideas which in the words of H.A.R. Gibb - "Contributed essential elements to the present currents of thoughts in Islam." ----- (Foreword to Contribution of India to Arabic Literature -

-- Zubaid Ahmed)

شاہ صاحب نے رسالہ دانشمندی میں اپنے علم کی اسناد اس طرح تحریر فرمائی ہیں۔

"اما بعد فقیر ولی اللہ ابن عبدالرحیم نے فن دانشمندی اپنے والد سے حاصل کیا اور انھوں نے میر محمد زاہد (بن قاضی اسلم ہروی) سے اور انھوں نے ملا محمد فاضل سے اور انھوں نے مرزا جان سے اور انھوں نے ملا محمد یوسف شیخ شیرازی سے اور انھوں نے ملا جلال الدین دوانی سے اور انھوں نے اپنے والد ملا اسعد (بن عبدالرحیم) سے اور انھوں نے ملا مظہر الدین گازرونی سے اور انھوں نے ملا سعد الدین تفتازائی اور سید شریف جرجانی سے اور انھوں نے قطب الدین رازی سے اور انھوں نے اور ملا سعد الدین تفتازائی نے قاضی عضد سے اور انھوں نے ملا زین الدین سے اور انھوں نے قاضی بیضاوی سے اور ان کی سند ابوالحسن اشعری تک پہونچتی ہے۔ جو کتب تواریخ میں مشہور و معروف ہے۔

لا یدرک الواصفُ المطری خصائصهم
وان لم یکن بالغانی کل ما وصفا [1]

شاہ ولی اللہ دہلوی کے علمی فضائل اور ان کی عظمت کی تشریح کے لئے پروفیسر خلیق احمد نظامی صاحب نے اپنے مقالہ میں مغرب کے معروف نقاد میتھیو ارنلڈ۔ ( Mathew Arnold ) کے لکھے ہوئے ان

---

[1] ابجد العلوم: ابی الطیب صدیق بن حسن بن علی الحسینی القنوجی البخاری، صفحہ ۹۱۴

سطور کو پیش کیا ہے جو گوتھ ( Goethe ) کے متعلق لکھے گئے ہیں [1]
یہاں ہمارا مقصد شاہ صاحب پر کوئی تفصیلی مقالہ لکھنا نہیں ہے۔ کیونکہ یہ ایک الگ موضوع ہے۔ بلکہ محض یہ دکھانا اور بتانا ہے کہ بارہویں صدی ہجری میں ہندوستان تفسیر، حدیث، فقہ، تصوف، اسرار شریعت، اصول تفسیر، اصول حدیث کے میدان دوسرے ممالک کے مقابلے بہت آگے تھا۔ علم و عرفان کی شمعیں بیت ولی اللہ ہی میں جل رہی تھیں۔ اور ان کی شعاعیں ہندوستان کے ذرے ذرے کو تابناک کر رہی تھیں۔ زبیدی کو بھی بیت ولی اللہ ہی سے استفادہ کا موقعہ ملا تھا شاہ صاحب ۱۱۱۴ھ میں پیدا ہو کر ۱۱۷۶ھ [2] تک اپنے دونوں ہاتھوں میں علم و عرفان کی شمعیں لئے ہوئے نوع انسانی کی رہنمائی اور رکھوالی کرتے رہے۔ اور جب اس دنیا سے گئے تو ان کے چاروں بیٹوں نے لپک کر ان شمعوں کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ اور صدیوں تک سرزمینِ ہند میں علم و عرفان کی شمعیں ان کی بدولت روشن رہیں۔

---

[1]

Article : Shah Waliullah of Delhi : by Prof. K.A. Nizami
Hyderabad : Islamic Culture, page 15

" . . . . What Mathew Arnold wrote about Goethe may with striking aptness be said about him --- He took the suffering human race. Reach each wound and each weakness clear and said :
" Thou ailest here and there. "

[2] معجم المؤلفین: تراجم مصنفی الکتب العربیۃ: الجزء الرابع: تألیف عمر رضا کحالۃ: صفحہ ۲۹۲، البغدادی: ایضاح المکنون جلد ۲: صفحہ ۲۱۲، ۲۴۸، ۴۸۳، فہرس الازہریۃ: جلد ۲: صفحہ ۶۲۳ — ان کتب میں شاہ ولی اللہ کا سنہ وفات ۱۱۸۰ھ مطابق ۱۷۶۶ء درج ہے۔

# الشیخ محمد بن طاہر پٹنی [1]

۹۱۰ ——— ۹۸۶ ھ

۱۵۰۴ ——— ۱۵۷۸ء "الاعلام"

شیخ محمد طاہر پٹنی ہندوستان کے مشہور صوبہ گجرات کے پٹن شہر میں پیدا ہوئے

---

[1] نزهة الخواطر: الجزء الرابع، ص ۲۹۸ - ۳۰۱، اخبار الاخیار (اردو): ابوالمجد شیخ عبد الحق محدث دهلوی، مترجم: مولانا اقبال الدین احمد صاحب۔ فاضل ادب لکھنؤ، ناشر دار الاشاعت: مقابل مولوی مسافر خانہ بندر روڈ کراچی، نقش اول ۱۹۶۳ء مطبوعہ انٹرنیشنل پریس ص ۴۶۸، النور السافر عن اخبار القرن العاشر: تالیف سید سی شمس الشموس محی الدین عبد القادر بن شیخ بن عبد اللہ العیدروسی صححہ وضبطہ الاستاذ محمد رشید افزی الصفار: المکتبۃ العربیۃ بغداد الصفحہ ۳۶۱، هدیة العارفین: اسماعیل پاشا البغدادی السجلد الثانی ص: ۲۵۵، تزکرہ علامہ شیخ محمد طاہر محدث پٹنی ترجمہ رسالہ مناقب: مولفہ شیخ عبد الوہاب اقضی القضاۃ: متوفی ۱۰۳۶ھ، مترجمہ پروفیسر جناب مولانا سید ابو ظفر ندوی احمد آبادی ناشر ندوۃ المصنفین اردو بازار دہلی ص ۱۰، ۱۱، ۲۸، الاعلام للزرکلی ج: ۷، ص: ۴۳، ابجد العلوم: نواب صدیق حسن خان الصفحہ ۸۹۵ - ۸۹۶، سبحۃ المرجان فی آثار هندوستان، حسان الہند آزاد بلگرامی ص: ۴۳ - ۴۴ - ۴۵، مآثر الکرام: آزاد بلگرامی ص: ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، تذکرہ علماء ھند: مولوی رحمٰن علی مرتب ومترجمہ محمد ایوب قادری ص: ۴۴ - ۴۲، حدائق الحنفیۃ، ص ۳۸۵، ۳۸۷، اخبار الاخیار، ص: ۲۸۰، رود کوثر، ص: ۳۲۶، ۳۳۸، اتحاف النبلاء ص: ۳۹۷، ۴۰۰، Encyclopaedia of Islam -- Vol. II page 696، الکتب خانہ — ۱: ۳۹۹، المستطرفۃ - ۱۱۳، شذرات الذہب — ۸: ۴۱۰، الخزانۃ التیموریۃ — ۳: ۲۲۵، معجم المطبوعات ۱۲۷۰،

Brockelmann, 2:548 (416), S. 2:601.

یہ دسویں صدی ہجری کا زمانہ تھا۔ ان کی تاریخ ولادت کے متعلق بہت اختلافات ہیں [1]

ان کا تعلق ہندوستان کے ایک مشہور شیعہ فرقہ بوہرہ سے تھا۔ لیکن شیخ کی تعلیم اس زمانہ کے ان مشاہیر کے حلقے میں ہوئی جنھیں فن حدیث سے بہت گہرا لگاؤ تھا اور جس کی بنا پر وہ اپنے فرقہ سے بیزار ہو گئے تھے اور انھوں نے اہل سنن کا طریقہ اور مذہب اختیار کر لیا تھا۔ بلکہ یہ کہا جاتا ہے کہ اپنے فرقہ کے خلاف کام کرنے لگے اور اس سلسلے میں اپنے فرقہ کے لوگوں سے مناظرہ بھی کرنے لگے۔

شیخ طاہر پٹنی گجرات جیسے صوبہ میں پیدا ہوئے۔ گجرات اور سندھ بھی دو اہم ساحلی علاقے اس زمانہ میں تھے جہاں عربوں کے کاروان علم و ادب آکر اترتے تھے اور وہیں سے ہندوستان کے مختلف مقامات میں جاتے تھے۔ جن کے ذریعہ سے علم حدیث اور عربی زبان کا فروغ ہندوستان کے مختلف علاقوں میں ہوتا تھا۔

شیخ طاہر پٹنی کی ابتدائی تعلیم کلام پاک سے شروع ہوئی۔ کہا جاتا ہے کہ بلوغ کی عمر کو پہونچنے سے پہلے پہلے انھوں نے اس کو حفظ کر لیا۔ اس کے بعد دوسرے متداول علوم کے حصول میں مشغول ہو گئے۔ حدیث کا علم اگرچہ دنیا کے مختلف علاقوں میں پھیل گیا تھا لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس کی

---

[1] تذکرہ علامہ شیخ محمد طاہر محدث پٹنی، ترجمہ: رسالہ مناقب، مولفہ: شیخ عبدالوہاب اقضی القضاۃ متوفی سنہ ۱۰۸۲ھ، مترجمہ: پروفیسر جناب مولانا سید ابوظفر ندوی۔ اس میں محمد طاہر پٹنی کی تاریخ پیدائش سنہ ۹۱۴ھ درج ہے جبکہ نورالسافر ص: ۳۶۱ میں ان کی ولادت کی تاریخ سنہ ۹۱۳ھ لکھی ہے۔ الاعلام میں ولادت کی تاریخ سنہ ۹۱۰ھ ہے اور اخبار الاخیار میں سنہ ۹۹۸ھ ہے۔

جڑیں مکہ اور مدینہ دونوں مقدس شہروں میں اتنی گہری تھیں کہ شاید ہی دنیا کے کسی شہر میں ہوں۔ تاریخ کے کسی حصّے میں بھی فنِ حدیث کے فضلا سے یہ دونوں شہر خالی نہیں رہے۔ دنیا کے کسی علاقے میں بھی کسی کا علمِ حدیث کے لئے شوق و ذوق بھڑکتا تو وہ انھیں دونوں شہروں کی طرف دیوانہ بن کر بھاگ آتا تھا۔ اور اس کے علم کی تشنگی اس سرزمین مقدس کے اہل کمال اور فضلا ہی بجھاتے تھے۔

شیخ محمد طاہر پٹنی بھی حرمین شریفین کے زیارت کے مشتاق ہوئے اور خدا نے ان کے شوق کو پورا بھی کیا۔ حرمین شریفین کی زیارت سے انھیں جو روحانی فیوض حاصل ہوئے اس سے انھوں نے اپنی جھولی کو علم حدیث کے نوادرات سے بھر دیا۔ انھیں ان دونوں شہروں میں شیخ ابو الحسن البکری، شہاب احمد بن جعفر مکی، شیخ علی بن عراق اور شیخ جار اللہ بن فہد، شیخ عبد اللہ سرہندی، سید عبد اللہ عیدروس اور شیخ برخوردار سندھی سے استفادہ کرنے کے مواقع میسر آئے۔ لیکن سب سے زیادہ انھیں جو فائدہ ہوا وہ شیخ علی بن حسام الدین علی المتقی کے حلقے میں ہوا۔ فنِ حدیث کے رموز و حقائق کا انکشاف انھیں شیخ علی بن حسام الدین کے ذریعہ ہی ہوا۔ جس کا ذکر انھوں نے اپنی عظیم الشان کتاب "معجم البحار" کے مقدمے میں کیا ہے۔

سرزمینِ حرمین شریفین سے حصولِ علم کے بعد وہ ہندوستان واپس آئے اور تصنیف و تالیف کے عمل میں سرگرم ہو گئے۔ ان دونوں فنون سے انھیں والہانہ اور عاشقانہ لگاؤ تھا۔ ان کے متعلق یہ مشہور ہے کہ وہ خود سے روشنائی بناتے رہتے اور اپنے شاگردوں کو دیتے تھے۔ وہ ایک صاحب حیثیت شخص کے بیٹے تھے۔ اس لئے دولت و ثروت اور جاہ و جلال سے بالکل بے نیاز تھے۔ اپنے مال کا زیادہ حصّہ ان طالب علم لڑکوں پر خرچ کرتے جن کے والدین ان کی تعلیم و تدریس کے اخراجات برداشت کرنے سے قاصر تھے۔ بلکہ یہاں تک

مشہور ہے کہ وہ شہر کے گلی کوچوں میں نکل پڑتے تھے اور جو بھی ذہین بچہ انھیں نظر آتا اس کو تعلیم کی ترغیب دیتے۔ اور اگر اس طالب علم کے گھر والے اپنی مجبوری کا اظہار کرتے تو وہ یہ فرماتے کہ تم اس کی خدمت کرو۔ میں اس کے اور اس کے افرادِ خانہ کے اخراجات کا ذمہ دار ہوں۔ اس طرح اس مردِ مومن سے جہاں اس کی زبان سے علم و عرفان کے سوتے ابلتے تھے وہیں اس کے دستِ مبارک سے جود و سخا کے دریا بہہ رہے تھے اور مخلوقِ خدا اپنی بساط و وسعت کے مطابق ان سے مستفید ہوتی۔

شیخ طاہر کا تعلق ان بوہروں سے تھا جو گجرات میں مقیم تھے۔ بوہرہ[1] مذہب کی اشاعت وہاں شیخ علی حیدری کے واسطے سے ہوئی تھی۔ اس

---

[1] "البواهير أو البوهرة او البهرة: طائفه فی گجرات بالهند، تسمى بالاسلام، اسلم اسلافها على يد "اعلام علی" فی القرن السابع للهجرة، ودخلتها بدع القرامطة "وبيوهار" باللغة الهندية: التجارة، و"بوهرة" التاجر وهم ذو تجارة وصناعات كما فی ابجد العلوم ۸۹۲ وهامشه" ——— (الاعلام: ج ۷: ۴۲)

"قال مير نور الله الشوستری الشيعی المتوفی فی العشرة الثانية بعد الالف فی بعض المؤلفاته البوهرة طائفة متوطنون بگجرات اسلم اسلافهم على يد الملا على الذی قبره فی كنباية بلدة بقرب گجرات ومضى الآن ثلاثمائة سنة تخميناً واكثرهم يكسبون المعاش بالتجارة وانواع الحرف كما يدل عليه اسم بوهرة ومعناه التاجر بالهندية انتهى، واقول هم فی العقائد قرامطة كما صرح بذلك المقريزی فی الخطط والآثار واطال فی حقائق احوالهم ودياناتهم وكذا ذكر امرهم الحاج رفيع الدين خان المرادآبادی فی كتابه حالات الحرمين فليعلم ۱۲، سید نور الحسن خان ولد المولف دام ظله العالی"

(ابجد العلوم: نواب صدیق حسن خان ص: ۸۹۵

طرح یہ فرقہ اس علاقہ میں صدیوں سے آباد تھا۔ یہاں یہ چیز قابل غور ہے کہ اس فرقہ سے تعلق رکھنے والا عالم و محقق جب اسے صحیح راہ مل گئی تو اس کی زبان اور اس کا قلم ایک لمحہ بھی اشاعتِ دین اور بدعات و خرافات کے ختم کرنے میں نہیں رکا۔ ان کا زمانہ اکبر بادشاہ کا زمانہ تھا۔ ان کے تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ۔ جب اکبر نے گجرات فتح کیا تو شیخ موصوف سے ملاقات بھی کی۔ اور انھوں نے بوہرہ مذہب اور اس کی بدعات کے ختم کرنے کا جو عزم کیا تھا، اس کو اکبر بادشاہ نے سراہا بھی تھا۔ اور انھیں ہر طرح کی مدد دینے کا وعدہ بھی کیا تھا۔ لیکن اکبر کے رضاعی بھائی جو گجرات کے گورنر تھے، جب اکبر نے انھیں معزول کر کے ان کی جگہ عبدالرحیم ابن بیرم خاں کو متعین کیا جس کا تعلق شیعہ مذہب سے تھا۔ گجرات کے شیعوں کو اس نئے گورنر کے تقرر سے تقویت حاصل ہوئی۔ اور اس میں اس علاقہ کے بوہرے بھی شامل تھے۔

موقعہ پا کر انھوں نے شیخ طاہر کے شاگردوں اور مریدوں کو پریشان کرنا شروع کر دیا۔ اس سیاسی صورتِ حال سے وہ پریشان ہو گئے اور آخر کار بیزار ہو کر آگرہ کی طرف روانہ ہوئے تا کہ اکبر بادشاہ سے ان زیادتیوں کی شکایت کر سکیں۔ اور اس پھیلتے ہوئے فتنے سے انھیں آگاہ کر سکیں۔ بوہروں کو ان کے اس ارادہ کی خبر ہو گئی۔ انھوں نے شیخ طاہر کا پیچھا کرنا شروع کیا۔ وہ مدھیہ پردیش کے شہر اجین تک ہی پہونچے تھے کہ ان کے مخالفین نے انھیں وہاں پکڑ لیا اور اسی شہر میں انھیں موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اور یہ مردِ خدا مخلوقِ خدا کی خدمت کرتے ہوئے جامِ شہادت کے گھونٹ پی کر اس دنیا سے ہمیشہ کے لئے چل دیئے۔ ان کی تاریخِ وفات ۹۸۶ھ بتائی جاتی ہے۔ [1]

---

[1] سبحۃ المرجان: تاریخ پیدائش شیخ طاہر پٹنی ۹۱۳ھ تاریخ وفات ۹۸۶ھ

نواب صدیق حسن خاں نے اپنی تصنیف میں شیخ طاہر کی عظمت کی دلالت میں ایک واقعہ نقل کیا ہے۔ کہ شیخ عبدالوہاب [1] کو خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت ہوئی تھی کہ اپنے زمانہ کے تمام لوگوں میں محمد طاہر افضل شخص ہیں۔ [2] شیخ محمد طاہر پٹنی نے تصانیف کی ایک لمبی فہرست چھوڑی ہے اور ہر تصنیف اپنی جگہ پر اعلیٰ معیار کی ہے۔ لیکن ان کی تصانیف میں "مجمع البحار" جو فنِ حدیث پر مشتمل ہے ایسی عظیم الشان تصنیف ہے جس کی مثال آج تک فنِ حدیث میں نہیں ملتی۔ اس تصنیف میں انھوں نے تمام موضوع اور غریب احادیث کی چھان بین کی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ جو مشکل الفاظ ہیں اُن کی بھی نئے انداز میں ایسی شرح کی ہے جو فنِ شرح میں ہر زمانہ کے لئے نمونہ ہے۔ اس کتاب کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ اگر "صحاح ستۃ" کی حدیثوں کی شرح کسی کے پاس نہ ہو تو اسی کتاب سے وہ اپنا کام نکال سکتا ہے [3] اس کے علاوہ ان کی دوسری کتاب جو "المغنی" کے نام سے مشہور ہے، اس میں

---

[1] هو خليفة الشيخ على المتقى ذكر ترجمة خليفة الشيخ عبد الحق الدهلوى فى المقصد الثانى من كتاب زاد المتقين والطيب فى بيان احواله الشريفة الى خمسه ابواب وكان من الاولياء الكرام المجمع على فضله وولاية ۱۲ سید علی حسن خان ولد المؤلف ادام لنا اقباله وضاعف اجلاله ——— "ابجد العلوم"

[2] قال الشيخ عبد الوهاب المتقى رأيت رسول الله صلى الله عليه واله وسلم فى الرؤيا فقلت من افضل الناس فى هذا الزمان يا رسول الله فقال شيخك محمد طاهر ديا لها من رؤيا ——— "ابجد العلوم"

[3] شیخ عبدالوہاب اپنی کتاب رسالہ مناقبت میں لکھتے ہیں کہ۔ مجمع البحار بڑی ضخیم کتاب ہے۔ لغت حدیث میں آج تک ایسی کتاب نہیں لکھی گئی۔ نول کشور لکھنؤ سے ۹۷۸ھ میں طبع ہوئی۔ ایک طرح کی حدیث کی شرح ہے اور حروف تہجی کی ترتیب سے لکھی گئی ہے۔

انھوں نے سند یعنی راویوں کے سلسلے میں محققانہ بحث کی ہے۔ یہ کتاب بھی اہمیت کے لحاظ سے اپنی جگہ پر غیر معمولی ہے۔ اِن دونوں کتابوں کے علاوہ فنِ حدیث پر انھوں نے اور بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں۔ فنِ حدیث کے علاوہ انھوں نے قصائد، علم کلام، طبقات اور سیرا ور ریاسیات کے موضوع پر بھی کتابیں لکھی ہیں ان موضوعات کے ساتھ ساتھ معانی، بیان، منطق، صرف پر بھی انھوں نے رسالے مرتب کئے ہیں۔

ان کی دیگر تصانیف کے نام حسبِ ذیل ہیں

١ کفایۃ المفرطین شرح شافیہ (صرف کے موضوع پر ہے)
٢ تذکرۃ الموضوعات (حدیث کے متعلق ہے موضوع حدیثوں کو جمع کیا ہے)
٣ قانون الموضوعات (ان راویوں کے نام درج ہیں جو غیر صحیح حدیثیں بیان کرتے تھے)
٤ ذیل مجمع البحار
٥ تکملہ مجمع البحار
٦ مقاصد جامع الاصول مشتمل بر احادیث ستہ
٧ حاشیہ مقاصد الاصول
٨ حاشیہ صحیح بخاری
٩ حاشیہ صحیح مسلم
١٠ حاشیہ مصباح المصابیح
١١ چہل حدیث
١٢ عدۃ المتعمدین
١٣ منہاج السالکین (اس میں ان حدیثوں کا بیان ہے جن کا راہِ تصوف میں سالک محتاج ہے۔)
١٤ توسل (اسمائے رجال کے متعلق ہے)

۱۵ تلویح و توضیح کا حاشیہ لکھا ہے۔

۱۶ ایک رسالہ فضیلتِ صحابہ ہے جس میں ثابت کیا ہے کہ کوئی صحابہ کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا ________ اس لئے کسی کو صحابہ پر ترجیح نہیں دینی چاہئے

۱۷ شرح عقیدہ (یہ کتاب علم کلام میں ہے)

۱۸ طبقات حنفیہ

۱۹ رسالۂ نہر و الہ (جو دشمنوں کے خوف سے رسالہ مکیّہ کے نام سے مشہور رہا۔

۲۰ مختصر مستظہریہ

۲۱ نصیحۃ الولاۃ والراعات والرعیۃ

۲۲ رسالہ امساک مطہر

۲۳ رسالہ احکام بیر (کنویں کے متعلق مسائل

۲۴ نصاب البیان (علم معانی میں)

۲۵ نصاب المیزان (علم منطق میں)

۲۶ خلاصۃ الغوائد (علم صرف میں)

۲۷ دستور الصرف

۲۸ رسالۃ لحلیہ

۲۹ عربی زبان میں ایک مختصر رسالہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سوانح عمری میں ولادت سے لے کر وفات تک کے حالات سال بہ سال کی ترتیب سے تحریر کئے ہیں۔

۳۰ اسی قسم کا رسالہ فارسی زبان میں بھی مختصر طور پر تحریر کیا ہے۔
۳۱ تعلیق الترمذی
۳۲ المشتبہات
۳۳ مجموعہ فتاویٰ

ان کی تصانیف وتالیفات کو دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے ان علوم پر دسترس حاصل کرنے کے لئے اور ان پر معیاری تصانیف پیش کرنے کے لئے کتنی محنت کی ہو گی۔ بہرصورت محمد طاہر پٹنی دسویں صدی ہجری کے ہندوستان کے ان مایۂ ناز شخصیتوں میں ہیں جن کے علم کے چراغ سے ہندوستان کا خطہ خطہ روشن ہوا۔ اس کی تصانیف پر عرب اور عجم کے علماء نے دادِ تحسین پیش کی۔

شاعر نے بجا طور پر اپنے ان اشعار میں ان کے بارے میں یہ کہا ہے:-

قد کان جد ابیك بل ضریحه
من اوحد العلماء و الغضلا
اغنی محمّد طاہر من
الصّدیق حققۃ بغیر مراء [1]

اس طرح ہندوستان کی علمی تاریخ میں علم کی شمع ایک علاقہ سے دوسرے علاقے اور ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ تک منتقل ہوتی رہی۔

---

[1] مآثر الکرام: ص-۱۹۶، سبحۃ المرجان ا ص-۴۵

## "مولانا محمد اعلیٰ تھانوی" [1]

عربی زبان وادب جب جزیرہ عرب سے باہر نکلی تو دنیا کے مختلف علاقوں میں وہاں کے لوگوں کی مدد سے اس میں تنوع پیدا ہوا۔ یعنی وہ علاقے جہاں عرب پہونچے اس علاقے میں عربی زبان اسی آن اور شان سے پہونچی۔ خود وہاں کے لوگوں کو جو تہذیبی اور ثقافتی پس منظر (Back, round) تھا اس کی مدد سے عربی کے وہ علوم اس علاقے میں جزیرۂ عرب کے مقابلے میں زیادہ پھلے اور پھولے۔

چنانچہ ابن خلدون نے ان ہی حقائق کو دیکھ کر یہ رائے ظاہر کی کہ عربی علوم وفنون کی ترقی واضافہ میں زیادہ ترعجمیوں کا ہاتھ ہے۔ عربی زبان وادب دنیا کے دوسرے علاقوں کی طرح ہندوستان میں بھی آئی اور یہاں کے لوگوں نے جہاں اسلام کو قبول کیا وہیں ان لوگوں نے اسلامی علوم وفنون کے ماخذ اور مخارج (Origin & Sources) کی طرف بھی توجہ کی۔ اپنی محنت اور جانفشانی سے اس کو حاصل کیا اور ہر زمانہ میں اپنی بساط اور صلاحیت کے مطابق اس کی خدمت کی۔ ان کی یہ خدمات تاریخ کے مختلف ادوار میں ظہور پذیر ہوئیں۔

بارہویں صدی ہجری میں ہندوستان کے مشہور صوبے یو.پی. کے

---

[1] تاریخ آداب اللغة العربية: جرجی زیدان: الجزألثالث: ص۔ ۳۲۹، ۳۳۰

هدية العارفين: اسماعيل پاشا البغدادی: المجلد ثانی: ص۔ ۳۲۹/

نزهة الخواطر: الجزألسادس: ص ۲۷۸/

الاعلام: خيرالدين الزركلی: الجزء السابع: ص ۱۸۸/

الكتب خانه: ۲۔ ۱۷۹

ايضاح المكنون ۔۲: ۳۵۲

معجم المطبوعات: ص۔ ۶۴۵/

ایک قصبہ میں مولانا اعلیٰ تھانوی الفاروقی پیدا ہوئے۔ صوبۂ یوپی ہندوستان کے مردم خیز صوبوں میں رہا ہے۔ اس کے زیادہ تر بھی شہر صدیوں سے تہذیب و تمدن کا گہوارہ تھے۔ یہاں تک کہ قصبات میں اسلامی علوم و فنون اور عربی زبان و ادب کا غیر معمولی چلن تھا۔

انھیں قصبات میں تھانہ بھون ایک مشہور قصبہ ہے۔ جہاں محمد اعلیٰ تھانوی کی جائے پیدائش ہے۔ اُن کی تعلیم اپنے گھر پر ہوئی۔ چنانچہ یہ کہا جاتا ہے کہ اچھے اساتذہ کے نہ ملنے پر انھوں نے اپنی اس کمی کو اپنی ذاتی محنت سے پورا کیا۔ اور خدا نے ان کو ایک ایسے فن کا الہام کیا جو اس وقت تک اسلامی علوم و فنون کی طویل تاریخ میں بالکل نیا تھا۔ وہ ہے مختلف علوم کے مصطلاحات کی لغت۔ یہ فن بہت دلچسپ ہے۔ لیکن اس کے لئے اگر وسعت مطالعہ اور مختلف علوم فنون کی باریکیوں پر نظر نہ ہو تو یہ کام آسانی سے نہیں ہو سکتا۔ تھانوی نے اس کام کو بڑی محنت اور دیدہ ریزی سے کیا۔ انھوں اس سلسلے کی ایک ضخیم کتاب "کشاف اصطلاحات الفنون" کے نام سے تصنیف کی۔ اس کو انھوں نے حروف تہجی کے اعتبار سے مرتب کیا۔ مثلاً ان کو لفظ "تاریخ" کی اصطلاح پر بحث کرنی ہے تو 'ا'۔ 'ر'، 'خ'۔ کے مادے سے شروع کرتے ہیں۔

علاوہ ازیں تاریخ کی اصطلاح پر بحث کرنے کے بعد مختلف قوموں اور ملکوں میں جو تاریخ کی اصطلاح رہی ہے اس کا بھی جائزہ لیتے ہیں۔ اس کے بعد مثلاً لفظ منطق ہے اس کو وہ 'ن'۔ 'ط'۔ 'ق'۔ کے مادے سے شروع کرتے ہیں۔ اور جہاں جہاں بھی منطق کا تصور اور اس کی اصطلاح میں تبدیلیاں

آئی ہیں اس کو واضح کرتے ہیں۔ یہ دونوں مثالیں ہم نے بطور نمونہ پیش کی ہیں۔ پوری کتاب اسلامی علوم وفنون کی تمام مصطلحات پر مشتمل ہے۔ "نزھۃ الخواطر" کے مصنف نے تھانوی کے اس عظیم کارنامہ کا ذکر دیگر حوالہ جات کے ساتھ بھی کیا ہے۔ [1]

اس طرح تھانوی نے یہ عظیم کتاب لکھ کر صرف دنیائے علم وادب میں ہی ہندوستان کا سر اونچا نہیں کیا بلکہ اسلامی ادب وفن کی تاریخ میں یہ کتاب فکر وفن اور محنت اور جانفشانی کے اعتبار سے ضرب المثل رہے گی۔ بہرصورت تھانوی بارہویں صدی میں ہندوستان کے ایک روشن چراغ تھے۔

---

[1] وقد ذکرہ البستانی فی "دائرۃ المعارف" وسماہ محمد علی قال: انہ کان اماما عالما بارعا فی العلوم ولہ الکتاب الکبیر المعروف بکشاف اصطلاحات الفنون قد طبع فی کلکتۃ من الہند بہمۃ العلامۃ اشبرنگر التیرونی وولیم ناسویس الأیرلندی سنۃ ۱۸۶۲ء

(نزھۃ الخواطر: الجزء السادس: ص ۲۷۸)

# الدّبیع الزّبیدی [1]

سید مرتضیٰ زبیدی کے متعلق جیسا بیان کیا جا چکا ہے کہ چودہ ۱۴ سال کی عمر کے بعد وہ ہندوستان سے یمن چلے گئے تھے۔ اور وہاں کے مشہور شہر زبید میں سکونت اختیار کرلی تھی۔ زبید کے علماء وفضلاء کے سلسلے میں انھوں نے "تاج العروس" کے مقدمے میں تذکرہ بھی کیا ہے۔ زبید شہر میں کچھ لوگ ان کے زمانہ میں رہے ہوں گے اور کچھ ایسے بھی رہے ہوں گے جو ان کے وہاں پہونچنے سے قبل دنیائے فانی سے کوچ کر گئے ہوں گے۔ اور لوگوں کے لئے اپنی گرانقدر تصنیفی کارنامے چھوڑ گئے ہوں گے۔

انھیں لوگوں میں الدبیع الزبیدی ہیں جو ۸۶۶ھ میں پیدا ہوئے۔ اسی شہر میں ان کی تعلیم وتربیت ہوئی۔ بعد میں وہ اسی شہر کی جامع مسجد میں تعلیم وتدریس کے فرائض انجام دینے لگے۔ تعلیمی فرائض کے ساتھ ساتھ ان کا تصنیفی عمل بھی جاری رہا۔ ان کی تصانیف کی فہرست دیکھنے کے بعد یہ اندازہ ہوتا ہے کہ انھیں فنِ تاریخ سے زیادہ لگاؤ تھا۔ چنانچہ ان کی تین تصانیف اسی موضوع پر ہیں۔ یہ تصانیف مندرجہ ذیل ہیں:—

۱ بغیۃ المستفید

۲ قرۃ العیون فی اخبار الیمن المیمون

---

[1] تاریخ آداب اللغۃ العربیہ: جرجی زیدان: ص ۳۱۲، ۳۱۳

کشف الظنون: جلد ۱، ص: ۲۵۰

ایضاً 〃 ص: ۱۷

ایضاً جلد ۲، ص: ۱۵۱

معجم المؤلفین جلد ۵، ص: ۱۵۹

ھدیۃ العارفین: اسماعیل باشا البغدادی: المجلد الثانی، ص: ۵۴۵

۳ ۔ ٢حسن السلوك فی من ولی مدینۃ الزبید من الملوك

پہلی کتاب شہر زبید کی مفصل تاریخ ہے۔ یعنی اس شہر کے وجود (تاسیس) میں آنے سے لے کر اپنے زمانہ تک جو اس پر سیاسی نشیب و فراز آئے اور جو بھی ملوک و امراء یہاں آئے ان کی پوری تاریخ کے ساتھ ساتھ اس شہر کے جغرافیہ اور یہاں کی آبادی کی بھی پوری تفصیل ہے۔ دوسری کتاب "قرۃ العیون فی أخبار الیمن المیمون" میں یمن کی پوری تاریخ مرتب کی ہے۔ اس زمانہ تک جو بھی یمن کی تاریخ کے متعلق لکھا گیا ہے اس کو انھوں نے پڑھا اور جو کچھ ان کتابوں میں ان کے زمانہ تک لکھا گیا ہے ان سب کا ذکر انھوں نے مقدمے میں کر کے بعد کے واقعات تحریر کئے ہیں اور اس میں اضافہ بھی کیا ہے۔ اس طرح یہ دسویں صدی ہجری تک کی یمن کی مفصل تاریخ ہے۔ تیسری کتاب جس کا نام "٢حسن السلوك فی من ولی مدینۃ الزبید من الملوك" ہے، اس میں ان ملوک کی مکمل تاریخ ہے جو ٩٢٣ھ تک کسی نہ کسی زمانہ میں اس کے حکمراں تھے۔ اس طرح الدیبع الزبیدی نے یمن کی سماجی ( Social. )؛ سیاسی ( Political. ) اور تاریخی ( Historical ) تفصیلات ان تینوں کتابوں میں مرتب کر دی ہیں۔

تاریخ کے ہی سلسلہ کی ان کی ایک کتاب اور ہے۔ جو انھوں نے بنو طاہر کی حکومت کی تاریخ میں مرتب کی ہے۔ ان کتابوں کے ساتھ ساتھ انھوں نے حدیث پر بھی کچھ کتابیں مرتب کی ہیں۔ ان میں سے ایک کتاب تحصیل الاصول الی جامع الاصول" ہے اور دوسری "مصباح المشکوٰۃ" ہے دسویں صدی ہجری کے اس عالم نے عربی زبان و ادب میں اچھی شہرت حاصل کی۔ اور یمن کی سرزمین میں عبدالرحمٰن الدیبع نے اسلامی علوم و فنون کی کافی خدمت کی۔ سید مرتضیٰ زبیدی جو اس شہر میں عرصہ تک رہے یقیناً عبدالرحمٰن الدیبع الزبیدی کی تصانیف سے مستفید ہوئے ہوں گے۔

# "عبدُ القادرِ البُغدادی"[1]

:- وفات ۱۰۹۳ھ :-

گیارہویں صدی ہجری میں عرب کے مختلف علاقوں میں دو کام بڑی کثرت سے وجود میں آئے۔ ایک تھا تراجم سیر اور دوسرا شرح و حواشی۔ ان دونوں کاموں کا دارومدار زیادہ تر متقدمین کے علمی کاموں کی تصحیح اور بڑی حد تک ان کی خامیوں کی تکمیل اور اضافے ہیں۔ ان دونوں کاموں میں جدت تو کم پائی جاتی ہے۔ لیکن اس میں دیدہ ریزی کے ساتھ نظم و ترتیب پہلو بہ پہلو نظر آتی ہے۔ اس سلسلہ میں عبد القادر بغدادی کی شخصیت قابلِ ذکر ہے۔

وہ اصلاً بغداد سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کی تعلیم دمشق و قاہرہ جیسے مشہور شہروں میں ہوئی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ عرب ممالک دولتِ عثمانیہ کے زیر اثر تھے۔ اس لئے ہر بڑے اسکالر ( [illegible] ) اور عالم کی نظر خلافتِ عثمانیہ کے دار السلطنت قسطنطنیہ کی طرف اٹھتی تھی۔ جہاں پہونچ کر خلیفۂ وقت ان کو ان کی حیثیت کے مطابق نوازتا اور اکرام کرتا۔

قسطنطنیہ میں عبد القادر بغدادی کی ملاقات صدر الاعظم احمد پاشا سے ہوئی اور وہیں وہ شام کے مشہور و معروف مؤرخ "المحبی" سے بھی ملے۔ ترکی سے قاہرہ لوٹے، جو مقامی طور پر عرب ممالک کے زیر اثر تھا اور امور خارجہ ( Foreign Policies. ) میں دولتِ عثمانیہ کا پابند و ماتحت تھا۔

البغدادی گیارہویں صدی ہجری کی عظیم شخصیات میں شمار کئے جاتے ہیں۔

---

[1] تاریخ آداب اللغة العربية، جرجی زیدان۔ ج: ۳۔ ص ۲۹۵، طباعت سنہ ۱۹۳۱ء

معجم المؤلفین: عمر رضا کحالہ۔ ج: ۷۔ ص ۲۹۵، طباعت سنہ ۱۹۵۸ء

الاعلام: للزرکلی۔ ج: ۴۔ ص: ۱۶۷، ایڈیشن دوم:-

ھدیة العارفین: للبغدادی۔ ج: ۱۔ ص ۶۰۲، طباعت سنہ ۱۹۵۸ء

ان کی کتاب "خزانۃ الادب" اور "لب ولباب لسان العرب جو اصلاً کافیہ کے شواہد کی شرح ہے۔ اس میں انھوں نے شواہد کی تخریج پر بھی پوری توجہ دی ہے۔ اور اس انداز میں تخریج کی ہے اور ہر شاعر کا اتنا تفصیلی تذکرہ کیا ہے کہ وہ شرح کے بجائے تذکرہ کی کتابوں کے درمیان نظر آتی ہے۔ خاص طور سے جاہلی دور سے لیکر صدر اسلام تک سب سے جامع اور مکمل تذکرہ شمار ہوتی ہے۔

اس کتاب کے متعلق میمن صاحب نے ایک جگہ لکھا ہے کہ "یہ کتاب عربی زبان کی اہم کتابوں میں ہے۔ اور یہ بہت سی دوسری کتابوں سے بے نیاز کر دیتی ہے۔"

یہ کتاب چار جلدوں پر مشتمل ہے۔ یہ ۱۲۹۹ھ میں شائع ہو چکی ہے اس کے علاوہ بغدادی نے "بانت سعاد" کی شرح بھی لکھی ہے۔ علاوہ ازیں "مغنی اللبیب" "شرح شواھد"، "شرح رضی علی الکافیہ لابن الحاجب"، "مختصر تمام المتون الی شرح رسالۃ ابن زیدون" ان کی دیگر تصنیفات ہیں۔

ان کتابوں کی روشنی میں پوری طرح یہ چیز عیاں ہو جاتی ہے کہ گیارہویں صدی میں بڑے محققین اور علماء کی تصنیف وتالیف کے سلسلے میں ان کا کیا رجحان تھا اور وہ علم ادب کی خدمت کس انداز میں کر رہے ہیں۔

بغدادی کے متعلق ان کے ترجمہ نگاروں نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ عربی زبان کے ساتھ ساتھ ترکی زبان وادب پر بھی گہری نظر رکھتے تھے۔ عام طور سے گیارہویں اور بارہویں صدی کے محققین ترکی اور فارسی سے واقف ہوتے تھے۔ اس لئے کہ ترکی زبان اس علاقہ کی سرکاری زبان تھی۔ خود ترکی کے علاقہ میں تراجم اور سیر پر دسویں صدی ہجری میں بڑی تیزی سے کام ہو رہا تھا۔ جو علماء ترکی زبان سے واقف ہوتے تھے انھیں اس زبان کے ادب (  ) سے فائدہ اٹھانے میں مدد ملتی تھی۔ بہر صورت بغدادی کی تصانیف، تحقیق وتصنیف کے لحاظ سے گیارہویں صدی ہجری کی عظیم تصانیف میں شمار ہوتی ہیں۔

# عبد الغنی النابلسی [1]

(۱۰۵۰ھ ——— ۱۱۴۳ھ)

(۱۶۴۱ء ——— ۱۷۳۱ء)

عبد الغنی النابلسی دمشق میں ۱۰۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ شام، عراق، فلسطین سب ترکوں کے زیر اثر تھے۔ عبد الغنی اپنی ابتدائی تعلیم کے بعد بغداد چلے گئے اور وہاں کچھ عرصہ قیام کے بعد اپنے آبائی وطن سوریہ لوٹ آئے۔ سوریہ سے واپسی کے بعد وہ پھر فلسطین، لبنان آئے۔ پھر انھوں نے مصر کا سفر کیا۔ اور اس کے بعد سرزمین حجاز کا رخ کیا۔ حجاز سے ان کی واپسی دمشق ہوئی۔ اور وہیں پر انھوں نے مستقل سکونت اختیار کر لی۔

النابلسی کے تذکرہ نگاروں نے ان کی زندگی کے تفصیلی واقعات نہیں لکھے ہیں۔ جس سے پوری طرح یہ بات سامنے نہیں آتی کہ تصنیف و تالیف اور تدریس میں ان کا مشغلہ کیا تھا۔؟ لیکن انھوں نے جو تصانیف چھوڑی ہیں ان کی روشنی میں ان کے تصنیفی عمل اور مزاج کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ ان کی زندگی کے حالات دیکھنے کے بعد یہ بات واضح ہوتی ہے کہ وہ سیر و سیاحت کے بڑے دلدادہ تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کے اندر شعر و شاعری کا بھی ملکہ پایا جاتا تھا۔ چنانچہ سیر و سیاحت کے سلسلے میں انھوں نے اپنی مختلف کتابوں میں اور خاص طور سے "الحقیقۃ و المجاز فی رحلۃ بلاد الشام ومصر والحجاز" میں مختلف ممالک کا تذکرہ کیا ہے

---

[1] معجم المؤلفین۔ ج: ۵۔ ص: ۱۷۱، ۱۷۲، طباعت سنہ ۱۹۵۷ء

تاریخ آداب اللغۃ العربیۃ: جرجی زیدان۔ ج: ۳۔ ص: ۳۲۴، ۳۲۵

الاعلام، للزرکلی۔ ج ۴: ۱۵۸

ھدیۃ العارفین، لبغدادی۔ ج: ۱۔ ص: ۵۹۰، طباعت سنہ ۱۹۵۱ء

سیاسی اور سماجی صورتِ حال اور علماء و فضلاء کا تفصیل کے ساتھ تعارف کرایا ہے۔
شیخ النابلسی صوفی مزاج تھے۔ اس لئے صوفیانہ جوش و سرگرمی
( Spirit ) ان کے سفرناموں میں بھی جھلکتی ہے، سفرنامے کے علاوہ ان
کے مندرجہ ذیل دواوین بھی ہیں۔

۱۔ دیوان الالھیات۔

۲۔ دیوان الغزلیات

۳۔ دیوان المدائح والمراسلات

۴۔ جواھر النصوص فی کلمات النصوص لابن عربی۔

النابلسی بنیادی طور پر صوفی مزاج تھے۔ اس لئے ان کے دواوین
بھی اسی فکر و مزاج کے حامل ہیں۔ اس بات کی تصدیق ان کی اس
شرح سے ہو جاتی ہے جس میں انھوں نے ابن عربی کے " النصوص " کے
مشکل الفاظ کی شرح کی ہے۔ فقہ سے بھی آپ کو دلچسپی رہی۔

ان کی تصانیف کو اگر مجموعی طور سے دیکھا جائے تو وہ اپنے زمانہ
کے مروجہ علوم پر پوری طرح قادر تھے۔ چنانچہ ان کو استاذ الاساتذہ کہا جاتا
تھا۔ بہرصورت گیارہویں اور بارہویں صدی ہجری میں تصنیف و تالیف کا جو
انداز تھا اس میں النابلسی پوری طرح کامیاب تھے۔

فقہ کے ساتھ ساتھ تذکرہ و تراجم سے بھی ان کو لگاؤ تھا۔ چنانچہ
انھوں نے المحبی کی نفحۃ الریحانۃ کی ذیل (ضمیمہ) بھی مرتب کی ہے۔
جرجی زیدان نے ان کی کتابوں کی تعداد تقریباً بارہ ۱۲ بتائی ہے۔

# "شہاب الدین الخفاجی" ؎

گیارہویں صدی ہجری میں جب ترجمہ نگاری، قدیم کتابوں کے متون، شرح وتحقیق، زبان ولغت کے مسائل کی تصحیح کا عام رواج تھا اگر ان چیزوں میں کسی نے مہارت حاصل کر لی اور کچھ کر لیا تو وہ اپنے زمانہ کا بڑا آدمی تصور کیا جاتا تھا۔ انھیں لوگوں میں مصر کے ایک مشہور عالم، لغوی، شاعر، تذکرہ نگار شہاب الدین الخفاجی ہیں

الخفاجی کے متعلق المحبی کا کہنا ہے کہ ــــ "الخفاجی اپنے زمانہ میں علم وادب کے آسمان پر ماہتاب کی طرح درخشاں تھے۔ اور ان کی زبان وقلم سے علم کی نشر واشاعت ہوتی۔ نثر ونظم میں وہ مثل روشن تارے کے تھے اپنے زمانہ میں مصنفین ومؤلفین کے قائد ورہبر تھے۔ ان کا ہر جگہ چرچا تھا۔ اور جس طرح کے آسمان پر آفتاب وماہتاب رواں دواں رہتے ہیں وہ بھی ہر جگہ روشن ودرخشاں نظر آتے ہیں "۔ المحبی بارہویں صدی ہجری کے شام کے مشہور تذکرہ نگار ہیں ان کی رائے الخفاجی کے متعلق بڑی صحیح اور صائب ہے۔

الخفاجی قاہرہ سے قریب ایک موضع سریاقوس میں پیدا ہوئے۔ ان کی تعلیم ان کے خالو کے یہاں ہوئی۔ جو نحو میں گیارہویں صدی کے سیبویہ سمجھے جاتے تھے۔ خفاجی کو اپنے ماموں کی آغوش میں پیار محبت کے ساتھ ساتھ

---

؎ تاریخ آداب اللغۃ العربیۃ: جرجی زیدان۔ الجزء الثالث۔ ص؛
معجم المؤلفین: رضا کحالہ۔ ج: ۲، ص: ۱۳۸،
الاعلام، للزرکلی۔ ج: ا، ص: ۲۲۷، ۲۲۸،
دائرۃ المعارف: بستانی۔ ج: ۱، ص: ۱۹،
دائرۃ المعارف الاسلام: مہدی علام: (مادہ خفاجی) ج: ۸، ص: ۳۶۶،

علم و ادب بھی ملا۔ جس علم میں استاد کی شفقت و محبت کا امتزاج ہو اس کا طالب علم اپنی علم کی منزلوں کو والہانہ اور عاشقانہ انداز میں طے کرتا ہے۔ علم کی بڑی سے بڑی منزلیں اس کے لئے آسان اور ہیچ ہو جاتی ہیں۔

خفاجی نے جب اپنے ماموں کے سائے میں تعلیم مکمل کر لی تو انھوں نے حرمین شریفین کا رُخ کیا۔ جو اس وقت علم کی راہوں کی ایک منزل تھی۔ یہاں پر انھیں علم کی عظمت کے ساتھ ساتھ دین کی اہمیت اور لگن بھی پیدا ہوئی۔ اس لئے اس زمانہ کے علماء اور فضلاء اپنی علم کی منزلوں میں حرمین شریفین کو اپنا مرکز اور محور تصور کرتے۔ حرمین شریفین میں کچھ عرصہ کے قیام کے بعد وہ دارالخلافہ آستانہ گئے۔ اس وقت کا ہر ذہین حکومت کے مسائل سے واقفیت حاصل کرنے کے لئے وہاں ضرور جاتا اور وہاں رہ کر حکومت کے مسائل سے واقفیت حاصل کرتا۔ آستانہ سے واپسی کے بعد وہ کئی جگہوں پر جج (قاضی) مقرر ہوئے۔ اور بعد میں وہ فوج میں جج کے منصب پر فائز رہے۔

مندرجہ بالا سطور سے اندازہ ہوتا ہے کہ دنیاوی اعتبار سے خفاجی اپنے زمانہ میں خوشحال رہے۔ مگر حکومت کے مناصب پر فائز رہنے کے باوجود خفاجی کا علمی و ادبی ذوق کبھی بھی کم نہیں ہوا۔ بلکہ مختلف موضوعات پر انھوں نے جو بھی تصانیف چھوڑی ہیں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے لئے مختلف عہدوں پر فائز ہونے کے باوجود کس طرح وقت نکالا ہوگا۔ لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں ہر عالم کی منزل علوم و حقائق کا انکشاف تھا۔ ان کی زندگی کا ہر لمحہ اس کے لئے وقف تھا اور جس لگن سے وہ کام کرتے تھے۔ ایسا لگتا تھا کہ ان کو ایک لمحہ تھکن محسوس نہیں ہوتی۔

خفاجی کی بہت سی کتب ہیں۔ جن میں چند ادب و لغت سے متعلق ہیں۔ مثلاً "شفاء العلیل"۔ اس کتاب میں خفاجی نے کلام عرب میں جو

غیر عربی الفاظ آگئے تھے، اُن کی تخریج کی ہے، اور ان کے زمانہ تک اس پر جو بھی کام ہوا تھا اس کو سامنے رکھ کر اس میں اضافہ بھی کیا۔ ان کی دوسری مشہور کتاب " شرح درۃ الغواص فی اوہام الخواص فی الحریری " ہے ۔ یہ تنقید اور لغت کی کتاب ہے۔ تیسری کتاب "طراز المجالس" ہے۔ یہ بھی لغت اور ادب کے موضوع پر ہے۔ اس میں انھوں نے قدیم۔ اس میں انھوں نے قدیم ادبا و لغوی کے مقالات کو جمع کیا ہے۔ ان کی کتابوں میں بیضاوی کی شرح حاشیہ اور " نسیم الریاض فی شرح شفا للقاضی ایاز ریحانہ الالباب" اور "زہرۃ الحیاۃ الدنیا"، ہیں۔ ان کے علاوہ بھی دیگر شرح اور حواشی ہیں۔

تحقیقی اور تصنیفی کام کے ساتھ ساتھ انھیں شعر و شاعری سے بھی لگاؤ تھا۔ لیکن گیارہویں اور بارہویں صدی میں عربی شاعری انحطاط کی منزلوں میں پہونچ چکی تھی۔ خفاجی باوجود علم و ادب میں مہارت کے شاعری کو آگے نہیں بڑھا سکے۔ اس وقت کی جو تقلیدی اور رسمی شاعری تھی، اسی کے قافیہ اور بحر پر وہ بھی دھن لگاتے رہے۔ ان کے وہاں معنی اور فکر میں کہیں بھی جدت نظر نہیں آتی۔ بہر حال اس زمانہ کا جو شاعرانہ مذاق تھا اس لحاظ سے وہ کامیاب تھے۔ مجموعی لحاظ سے دیکھا جائے تو خفاجی کا علم بڑی حد تک موسوعی علم تھا۔ جو اس زمانہ میں اعلیٰ نمونہ تصور کیا جاتا تھا۔ ان کی وفات ۱۰۶۹ھ میں ہوئی۔

## محمد امین المحبی الشامی[1]

(۱۰۶۱ھ ........... ۱۱۱۱ھ)

شام کے مشہور تذکرہ نگار اور محقق محمد امین بن فضل اللہ بن محب اللہ بن محمد محب الدین بن ابوبکر بن داؤد بن المحبی جو اصلاً حماۃ کے رہنے والے تھے اور دمشق میں آکر بس گئے تھے۔ وہ ۱۰۶۱ھ میں دمشق میں پیدا ہوئے اور ۱۱۱۱ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ وہ مورخ، ادیب، شاعر، لغت کے ماہر اور دیگر علوم میں بے نظیر تھے۔

المحبی کا زیادہ تر علمی کام تذکرہ اور تراجم پر ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ لغت اور ادب کے مسائل پر بھی انھوں نے لکھا ہے۔ ان کی کتابوں میں سب سے مشہور کتاب "خلاصۃ الاثر فی اعیان القرن الحادی عشر" ہے[2]

---

[1] الاعلام: للزرکلی۔ ج: ۱۰۔ ص: ۳۰۰
معجم المؤلفین: رضا کحالہ۔ ج: ۹۔ ص: ۸۱ / ۷
تاریخ آداب اللغۃ العربیۃ: جرجی زیدان۔ ج: ۳/ ص: ۳۱۸/
دائرۃ المعارف اسلامیۃ ـ

Brockelmann, volume II page 283.

ھدیۃ العارفین: اسماعیل باشا البغدادی المجلد الثانی ص: ۳۰۷/
التاریخ والمؤرخون: العصر العثمانی جرجی زیدان ص: ۲۹۵/

[2] ھو معجم تاریخ یشتمل علی نحو ۱۳۰۰/ ترجمۃ ممن توفوا فی أثناء القرن المذکور أو حوله۔ وقد عولنا علیہ فی کثیر من تراجم أھل ھذا القرن۔ طبع فی القاھرۃ فی ۴/ مجلدات سنۃ ۱۲۸۴/

(التاریخ والمؤرخون جرجی زیدان ص: ۲۹۵/)

ان کی دیگر تصانیف مندرجہ ذیل ہیں:-

۱۔ قصد السبیل بما فی لغۃ العرب من الدخیل
۲۔ کتاب الاعلام فی تراجم الرجال للمحبی
۳۔ المثنی الذی لایکاد ینثنی
۴۔ المعدل علیہ فی المضاف والمضاف الیہ
۵۔ القاموس علی القاموس حاشیہ محمد امین ابن فضل اللہ المحبیؒ
۶۔ نفحۃ الریحانۃ و رشحۃ طلاء الحانۃ فی التراجم
۷۔ الدرر الموصوف
۸۔ دیوان المحبی

جرجی زیدان نے المحبیؒ کی دو اور تصانیف کا ذکر بھی کیا ہے۔ جو درج ذیل ہیں:-

۱۔ براحۃ الارواح جالبۃ السرور والافراح
۲۔ کتاب الامثال

المحبی کو بھی اپنے زمانہ میں جو اعلیٰ سے اعلیٰ اعزاز مل سکتا تھا ملا۔ حکومتِ عثمانیہ کی طرف سے انھیں قاہرہ میں جج (القاضی) مقرر کیا گیا۔ اس کے بعد وہ اپنے آبائی وطن دمشق آئے اور اپنے وطن عزیز ہی میں کچھ عرصہ رہ کر اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔

المحبی کو تصنیف و تالیف کے جو مواقع ملے وہ کم ہی لوگوں کو ملے ہوں گے۔ وہ دمشق میں پیدا ہوئے۔ قاہرہ میں وہ قضاۃ کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ اور آستانہ (قسطنطنیہ) میں ان کا آنا جانا تھا۔ اس زمانہ میں یہی تین مراکز دمشق، قاہرہ اور قسطنطنیہ علم و ادب کے مرکز مانے جاتے تھے۔ اور یہیں کے کتب خانوں میں اعلیٰ سے اعلیٰ نوادرات، مخطوطات کی شکل میں دستیاب تھے۔ المحبی کو ان سے مستفید ہونے کا سنہرا موقعہ فراہم ہوا۔ اور وہ اپنے معاصرین میں ممتاز و مقبول ہو کر اس دنیا سے گئے۔ اس طرح المحبی بھی موسوعی طرزِ تصنیف کے اہم رکن اور فرد شمار ہوتے ہیں

ان گراں قدر مخطوطات کے مائیکرو فلم کی امریکہ سے براہ راست
فراہمی کے لئے اپنی دیرینہ دوست مسز نگہت اور ان کے
شوہر محمد احمد صاحب کی بے حد ممنون ہوں ۔۔۔۔

"اللہ تعالیٰ انھیں جزاے خیر عطا فرمائے"

نشدة الإخوان
في شجرة الدخان لمؤلفها
السيد محمد مرتضى الحسيني
عفى عنه بمنه
وكرمه
آمين

الحمد لله وحده

کتابیات

# مصادر و مراجع

## کتبِ مطبوعہ

### (الف)


اجتبائ الحسینی الندوی — الامام احمد بن عبدالرحمن المعروف بالشاہ ولی اللہ دہلوی

اسماعیل پاشا البغدادی — ہدیۃ العارفین

ابن الحجر — الدرر الکامنۃ

ابن خلکان — وفیات الاعیان

ابن الحجر — لسان المیزان

ابن الکثیر — البدایۃ

ابن العماد — شذرات الذہب

ابن الشہبۃ — طبقات النجات

اسماعیل گودھری — ولی اللہ

اقبال احمد — عربی کے ہندوستانی لغت نویس

ابوالعرفان ندوی — اسلامی علوم و فنون ہندوستان میں (ترجمہ)

ابوالحسنات ندوی — ہندوستان کی قدیم اسلامی درس گاہیں

ابوالحسن علی ندوی — المسلمون فی الہند

ابوالحسن علی ندوی — تاریخ دعوت و عزیمت

اطہر مبارک پوری — عرب و ہند عہدِ رسالت میں

اطہر مبارک پوری — ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں

اطہر المبارک پوری — رجال السند والہند

اسماعیل ندوی — ہندوستان میں عربی قوامیس کی تاریخ

اللہ یار عثمان بلگرامی — حدیقہ الاقالیم

## (ب)

الیافعی — مرأۃ الجنان

البغدادی — ایضاح المکنون

بلاذری — فتوح البلدان

بینی پرشاد، ڈاکٹر — ہندوستان کا قدیم تمدن

مولوی اصغر حسین

بہاء الدین اکرمی ندوی — عرب و دیار ہند

## ت

تارا چند، ڈاکٹر — ہندوستان پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر

توتل فردینان — المنجد فی الادب و العلوم

## ٹ

ٹامس ولیم بیل — مفتاح التواریخ

ٹ۔ ج۔ دو بوئر — تاریخ فلسفۂ اسلام، مترجم، ڈاکٹر سید عابد حسین

## ث

الثعالبی — تیمۃ الدھر

## ج

جرجی زیدان — تاریخ آداب اللغۃ العربیۃ

## ح

| | |
|---|---|
| حاجی خلیفہ | کشف الظنون |

## خ

| | |
|---|---|
| خیرالدین الذرکلی | الاُعلام |
| خلیق احمد نظامی | شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات |

## ذ

| | |
|---|---|
| ذوالفقار احمد ندوی | قضا الادب من ذکر علماء النحو والادب |
| ذکاء اللہ دہلوی۔ | مسلمانوں کی گزشتہ تعلیم |

## ر

| | |
|---|---|
| رحمان علی | تذکرہ علمائے ہند |
| ریاست علی ندوی | عہدِ اسلامی کا ہندوستان |
| رحیم بخش دہلوی | حیاتِ ولی |
| رحمٰن علی | فنِ سیر |

## س

| | |
|---|---|
| السخاوی | الضوء اللامع |
| السیوطی | بغیۃ الوعاۃ |
| سید سلیمان ندوی | لغات جدیدۃ |
| سید سلیمان ندوی | عرب و ہند کے تعلقات |

سید سلیمان ندوی | نقوش سلیمانی

## ش

شریف الحسن بلگرامی | تنقیح الکلام فی تاریخ خطۂ پاک بلگرام
شاکر الکتبی | فوات الوفیات

## ص

صدیق بن حسن بن علی الحسینی القنوجی | ابجد العلوم
صباح الدین عبد الرحمٰن | ہندوستان کے سلاطین علماء اور مشائخ کے تعلقات پر ایک نظر

## ض

ضیاء احمد بدایونی | علامہ حسن صغانی کا وطن
ضیاء برنی | تاریخ فیروز شاہی
ضیاء الدین احمد اصلاحی | ہندوستان عربوں کی نظر میں

## ط

طاش کبریٰ | مفتاح العادة

## ع

عبد المجید سالک | مسلم ثقافت ہندوستان میں
عبد الحیٔ الحسینی | الثقافۃ الاسلامیہ فی الهند
عبد الحیٔ الحسینی | نزہۃ الخواطر
عبد القادر ملوک شاہ بدایونی | منتخب التواریخ

| مصنف | کتاب |
|---|---|
| علی الطنطاوی | رجال من التاریخ |
| عبدالرحمٰن الجبرتی | تاریخ عجائب الآثار فی التراجم والاخبار |
| عبدالشکور | تحفة الفضلاء فی تراجم الکملاء |
| عمر رضا کحالہ | مُعجم المؤلفین |
| عبیداللہ سندھی | شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک |
| عبدالقیوم مظاہری | امام شاہ ولی اللہ |
| عبدالحئی صدیقی | تذکرۃ الصُّلحاء |
| عبدالحق محدث دہلوی | اخبار الاخیار |
| عبدالسلام ندوی | حکمائے اسلام |
| علاء الدین قزوینی | نفائس المآثر |

## غ

| مصنف | کتاب |
|---|---|
| غلام علی آزاد بلگرامی | مآثر الکرام |
| غلام علی آزاد بلگرامی | سبحة المرجان فی آثار ہندوستان |
| غلام علی آزاد بلگرامی | روضة الاولیاء |
| غلام حسن ثمین | شرائف عثمانی |

## ف

| مصنف | کتاب |
|---|---|
| فیروزآبادی | القاموس المحیط |

## ق

| مصنف | کتاب |
|---|---|
| قاسم ہندو شاہ | تاریخ فرشتہ |
| القفطی | ابناء الرواة |

## و

| | |
|---|---|
| وجیہہ الدین اشرف | بحر زخار |
| ولی اللہ دہلوی | امداد فی مآثر الاجداد |
| ولی اللہ دہلوی | انسان العین فی مشائخ الحرمین |
| ولی اللہ دہلوی | انفاس العارفین |
| ولی اللہ دہلوی | الجزء اللطیف فی ترجمۃ العبد الضعیف |

## ی

| | |
|---|---|
| یاقوت الحموی | معجم الادباء |
| یوسف الیان سرکیس | معجم المطبوعات العربیۃ والمعربۃ |
| یونس نگرامی ندوی | عربی علوم وفنون کے ممتاز علماء اور ان کی علمی خدمات |

# کتبِ مخطوطہ

۱ تبصرۃ الناظرین — سید محمد بن عبد الجلیل الحسینی البلگرامی
۲ حصر الشارد — شیخ محمد عابد سندھی
۳ تصنیف/نگین — سعادت یار خاں رنگین
۴ خطط المبارک
۵ کاشف الاستاء — شاہ حمزہ مارہروی
۶ گلشنِ ابرار — ریاض الدین سہسوانی
۷ سرورِ آزاد — صدیق حسن بن حسن بن علی بن لطف اللہ

# مجلات و جرائد

۱ مجلۃ علوم اسلامیۃ، علی گڑھ، جون و دسمبر ۱۹۶۵ء
۲ مجلۃ المجمع العلمی الهندی، علی گڑھ، رجب ۱۴۰۰ھ / یونیو ۱۹۸۰ء
۳ معارف، اعظم گڑھ، فروری ۱۹۲۷ء
۴ برہان، دہلی، فروری ۱۹۷۹ء
۵ مجلہ مجمع اللغۃ العربیۃ بدمشق
۶ الکفاح ۱۶/۱ اغسطس ۱۹۸۳ء
۷ دار الکتب المصریۃ۔ فہرس الکتب العربیۃ
۸ فہرس الازہریۃ
۹ الفرقان، شاہ ولی اللہ نمبر
۱۰ تعمیرِ حیات، دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، ۲۵ مئی ۱۹۶۴ء
۱۱ تعمیرِ حیات، 〃 〃 〃 〃 〃 ۲۵ ستمبر ۱۹۸۳ء
۱۲ البعث الاسلامی 〃 〃 ربیع الثانی ۱۴۰۷ھ / جنوری ۱۹۸۷ء
۱۳ دائرۃ المعارف اسلامیۃ

1. The Encyclopaedia of Islam, Ed. by : H.A.R.Gibb, J.H.Kramers
2. Persian Literature, by C.A. Storey, Vol. I Part I.
3. The Contribution of India to Arabic Literature, by Dr. Zubaid Ahmed.
4. Modern Arabic Literature -- John A. Haywood.
5. A History of Freedom Movement, Vol.I.
6. Codics Manuscript VII, University of Leiden & Netherlands.
7. Catalogue of the Garrett Collection of Arabic Manuscripts, Princeton University, N.I., U.S.A.
8. Catalogue of the Arabic Manuscripts, The Royal Asiatic Society of Bengal.
9. Geschicble Der Arabischen Litteratur, Dr. C.Brockelmann.
10. An Introduction to Lexicography and Lexicographer - Central Institute of Indian Languages.
11. Oriental Biographical Dictionary -- Thomas William Beal.
12. Indo Arab World, Vol. II No. 2, Bombay.
13. Indo Arab Relations, Maqbool Ahmed.
14. Indian Muslims - Prof. Mujeeb.
15. Islamic Sciences - Quraishy.
16. Islamic Culture (An English Quarterly) Vol. XIV July, Vol. XXIII Jan. & Apr., Published by - The Islamic Culture Board, Hyderabad Deccan.
17. Dictionary of Eighteenth Century - Dr. Zubaid Ahmed.
18. A Short History of Indian People - Dr.Tara Chand.
19. Webester's - New International Dictionary.
20. The Tree of Language - Helene & Charlton Laird.
21. Elements of General Linguistics -- Andre-Martinet.
22. Funk & Wagnalls -- Standard Dictionary, Vol. I, U.S.A.

23. The Reader Digest Great Encyclopaedic Dictionary, N.Y., U.S.A.
24. Crompton's, Pictured Encyclopaedia Fact, Chicago, U.S.A.
25. The Encyclopaedia of Americana N.Y., U.S.A.
26. Structural Aspects of Language Change -
    - James M. Anderson, Great Britain.
27. Encyclopaedia of Social Sciences, -
    Edwin R.A. Seligman N.Y., U.S.A.
28. H.R. Nevell -- District Gazetteer U.P. (Hardoi) Vol. 41:178
    - Lucknow 1922.
29. Encyclopaedia Britanica Vol. I.
30. The History of India, Vol. I, II & III
    - H.M. Elliot.
31. Islam - in India's transition to modernity
    - M.A. Karawdikar
32. Naqshbandi Influence on Mughal Rulers & Politics
    - Khaliq Ahmed Nizami